طبع اول : جولائی ۱۹۷۲ء

تعداد : ۱۱۰۰

ناشر : پروفیسر حمید احمد خاں
ناظمِ مجلسِ ترقیٔ ادب ، لاہور

مطبع : مطبعِ عالیہ ، ۵/۱۲۰ ٹمپل روڈ ، لاہور

طابع : سید اظہار الحسن رضوی

قیمت : بارہ روپے

بعون صانع بیچون و مکان بفضل خلاق زمین و زمان

۱۰۲

اردو کا کلاسیکی ادب

یم الدین

کے

ڈرامے

مرتبہ

سید امتیاز علی تاج

ناشر

مجلس ترقی ادب ۲۔ نرسنگھ داس گارڈن کلب روڈ لاہور
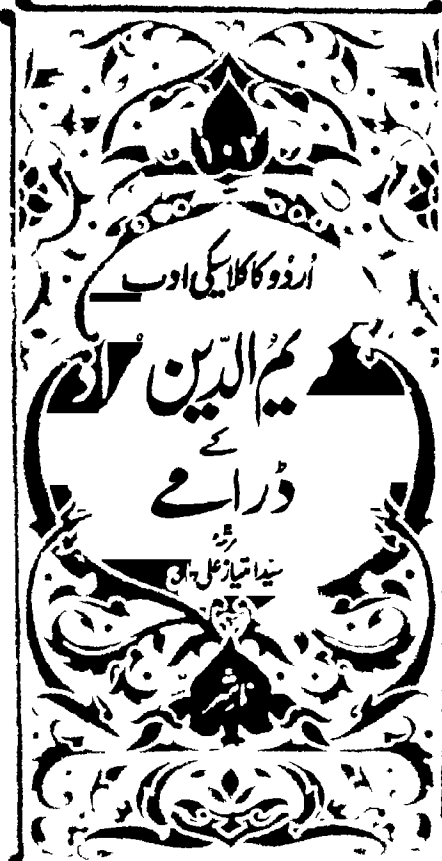
جلد ہفتم

کریم الدین مُراد کے ڈرامے

پروفیسر سید وقار عظیم صاحب

کے نام

فہرست

تعارف

امانت کی 'اِندر سبھا' سے لے کر آغا حشر اور ان کے ڈراما نگار معاصرین کی تصانیف تک ، ہماری ادبی تاریخ میں ایک ایسا زمانہ گزرا جس میں اُردو ڈراما قارئینِ ادب کی توجہ سے یکسر محروم رہا ۔ اس مدت میں ڈراما صرف ناٹک کی حیثیت سے دیکھا اور سنا جاتا رہا ، ادب کی حیثیت سے پڑھا نہیں جاتا تھا ۔ ساٹھ ستّر برس کے اِس دور میں پارسی تھیٹریکل کمپنیوں کے "کھیل" مقبولِ عام تھے ۔ یہ "کھیل" یا ناٹک بالعموم گھٹیا کاغذ پر چھپ کر بازار میں تو آ جاتے تھے مگر ان کی طبع ثانی کی نوبت شاذ و نادر ہی آتی تھی ۔ اس صورتِ حال کا نتیجہ یہ نکلا کہ پرانے ناٹک عہدِ حاضر کے قارئین کے لیے نایاب ہو کر رہ گئے ہیں ۔

سید امتیاز علی تاج مرحوم کو ڈرامے کی روایت سے جو تعلقِ خاطر تھا ، اس کی بنا پر انھوں نے تاریخِ ادب کے اس خلا کو شدت سے محسوس کر کے اُسے پُر کرنے کا تہیّا کیا ۔ چنانچہ انھوں نے برسوں کی محنت کے بعد بہت سے معروف و غیر معروف ڈراما نگاروں کے لکھے ہوئے سو ڈیڑھ سو متن مہیا کر لیے اور ان کے بڑے حصے کو بہ اہتمامِ تعارف و تحشیہ شائع کرنے کی غرض سے ایک جامع منصوبے کی داغ بیل ڈالی ۔ اس منصوبے میں تقریباً ایک سو ڈراموں کی اشاعت مدنظر تھی جو تیس جلدوں میں تقسیم کیے گئے تھے ۔ پورے منصوبے کی تکمیل کے لیے سید امتیاز علی تاج نے نہ صرف ڈراموں کے

مسودے فراہم کر کے تیس جلدوں میں ان کی تقسیم کا خاکہ تیار کر لیا تھا بلکہ ان تیس جلدوں کی ترتیب کے سلسلے میں بعض جزئیات تک طے کر دی تھیں، مثلاً یہ کہ ہر جلد کا انتساب کس شخص کے نام ہو۔

مجوزہ تیس جلدوں میں سے پہلی چھ جلدیں، جو اٹھارہ ڈراموں پر مشتمل ہیں، مرحوم کی زندگی میں شائع ہو گئیں۔ ایک اور جلد (جلد ہشتم) جس کی ترتیب مرحوم نے مکمل کر دی تھی، ان کی وفات کے بعد چھپی۔ لیکن پہلی چھ جلدوں کے علاوہ باقی جلدیں ابھی طبع نہیں ہوئی تھیں، اور ان میں شامل ہونے والے ڈراموں میں ستر بہتر ڈراموں پر نظرثانی اور تبصرہ و تحشیہ کا کام ابھی باقی تھا کہ سید امتیاز علی تاج کا رشتۂ حیات ناگہانی طور پر منقطع ہو گیا۔ اس سانحے کے بعد مجلسِ ترقیٔ ادب نے فیصلہ کیا کہ مرحوم کے ہاتھوں جو کام شروع ہوا تھا، وہ جاری رہنا چاہیے۔ چنانچہ باقی ماندہ تیئیس جلدوں کو مطبع کے لیے تیار کرنے کا کام پروفیسر سید وقار عظیم کے سپرد کیا گیا۔ انھوں نے مجلس کی دعوت کو نہ صرف اُردو ادب کی خدمت، بلکہ ایک مرحوم دوست کی خدمت سمجھ کر بطیبِ خاطر قبول فرمایا۔

جن سات جلدوں کا ذکر اوپر ہوا ان کے علاوہ اس سلسلے کی جتنی بھی جلدیں شائع ہو رہی ہیں، ان میں صرف چند ابتدائی جلدوں کی جزوی ترتیب یا جزوی تحشیہ سید امتیاز علی تاج مرحوم کر چکے تھے۔ یہ کیفیت قارئینِ کرام پر ان چند مذکورہ جلدوں کے مندرجات کے ملاحظے سے خود بخود آشکار ہو گی۔ ساتویں سے تیسویں جلد تک (بہ استثنائے جلد ہشتم)

فراہم شدہ مسودات کی نظرثانی ، اور متن سے متعلق تعارف ، تحشیے اور تبصرے کا تقریباً پورا کام پروفیسر سید وقار عظیم کی توجہ اور انہاک کا شرمندۂ احسان ہے ۔ با ایں ہمہ پہلی چھ سات جلدوں کے مرتّب کو پورے منصوبے کی تکمیل سے جو بنیادی تعلق ہے ، اُسے موت کا ہاتھ بھی قطع نہیں کر سکتا ۔ چنانچہ اس سلسلے کی ہر کتاب کے سرورق پر مرحوم کا نام اُسی طرح موجود ہے جس طرح ان کی زندگی میں لامحالہ موجود ہوتا ۔ نیز ہر جلد کا انتساب مرحوم ہی کی طرف سے اُن تحریری اشارات کی روشنی میں شائع ہو رہا ہے جو مرحوم کی وفات کے بعد مجلس کو متعلقہ کاغذات میں دستیاب ہوئے ۔

حمید احمد خاں

ناظم

۳۰ - جون ۱۹۷۱ء

دیباچہ

اس جلد میں کریم الدین مراد کے تین ڈرامے شامل کیے جا رہے ہیں - مراد کے جو حالات دستیاب ہیں ان میں چار ڈرامے ان کی تالیف بتائے گئے ہیں : گل بکاؤلی ، گلستان خاندان ہامان ، چترا بکاؤلی اور خدا داد - ان چاروں ڈراموں کی تالیف کے سال علی‌الترتیب ۱۸۸۳ع ، ۱۸۸۵ع ، ۱۸۸۷ع اور ۱۸۹۰ع ہیں - ان میں سے پہلے ڈرامے کو چھوڑ کر باقی تین ڈرامے قارئین کی خدمت میں پیش کیے جا رہے ہیں اور انھیں اس مجموعے میں اسی ترتیب سے شامل کیا گیا ہے جس ترتیب سے وہ تالیف ہوئے - ڈاکٹر نامی کا بیان ہے کہ مراد کا دوسرا ڈراما (یعنی گلستانِ خاندانِ ہامان) جو اس مجموعے کا پہلا ڈراما ہے ، دو سال تک اسٹیج پر چلتا رہا - 'چترا بکاؤلی' مسلسل آٹھ مہینے تک چلا - البتہ 'خدا داد' ابھی لکھ کر ختم کیا تھا کہ "باہمی خانہ جنگی کے باعث کمپنی ٹوٹ گئی[1] -"

'گلستانِ خاندانِ ہامان' رونق کے ڈرامے 'ستمِ ہامان' سے ماخوذ ہے - اس کی زبان کے متعلق ڈاکٹر نامی کی رائے یہ ہے کہ "وہ ادبی اور چٹخارہ دار ہے - ایسے لطیف استعارات و کنایات اور برمحل اشعار استعمال کیے ہیں کہ سن کر دل بھڑک اٹھتا ہے -" (اردو تھیٹر ، جلد دوم ، صفحہ ۱۶۰) - اس

---

۱ - اردو تھیٹر ، جلد دوم ، صفحہ ۱۶۰ -

ڈرامے کی زبان و بیان اور اسلوب پر مفصل تبصرہ آگے چل کر کیا جائے گا ۔ دوسری بات جو نامی صاحب نے اس ڈرامے کی تعریف کرتے ہوئے لکھی ہے ، یہ ہے کہ ''مراد نے رونق کے پلاٹ میں بہت سی ضروری تبدیلیاں کیں اور ڈرامے کو زندۂ جاوید ادبی کارنامہ بنا دیا'' ۔ اس اجمال کی تفصیل بھی تبصرے میں بیان ہوگی ۔

'چترا بکاؤلی' بھی بقول نامی صاحب رونق کے ڈرامے سے ماخوذ ہے ۔ نامی صاحب کا خیال ہے کہ ''اس کی زبان میں بھی وہی نفاست ہے جو کریم الدین کی خاص چیز کہی جا سکتی ہے ۔'' یہ رائے بھی تفصیلی تبصرے کی طالب ہے جو آئندہ صفحات میں کیا جائے گا ۔

'داد دریا عرف خدا داد' کا ذکر سب سے پہلے ظریف کے ڈراموں کے ضمن میں آتا ہے ۔ ظریف کے بیان میں اس کا نام 'بادشاہ خدا داد عرف وادیٔ دریا' لکھا گیا ہے ۔ مراد نے اس کے پلاٹ میں بعض تبدیلیاں کر کے اسے زیادہ دلچسپ بنا دیا ہے ۔ اس پر بھی تفصیلی بحث آئندہ صفحات میں ہو گی ۔

سید وقار عظیم

کریم الدین مراد

کریم الدین مراد بریلوی (جنھیں بعض اوقات کریم الدین کریم بھی کہا گیا ہے) کے حالات مختلف مآخذ سے ہم تک پہنچے ہیں ۔ ان حالات میں بعض حیثیتوں سے اتنا اختلاف ہے کہ صحیح نتیجے تک پہنچنے کے لیے اُن کا تجزیہ ضروری ہے ۔ حالات کا جو ماخذ اس وقت سب کی نظر کے سامنے ہے ، وہ ڈاکٹر عبدالعلیم نامی کی کتاب 'اردو تھیٹر' ہے ۔ 'اردو تھیٹر' کی جلد دوم (صفحہ ۱۵۹ ، ۱۶۰) میں نامی صاحب نے مراد کے متعلق جو چند سطری معلومات فراہم کی ہیں ، وہ یہ ہیں :

"کریم الدین نام ، مراد تخلص - ۱۸۴۲ء میں بریلی میں پیدا ہوئے ۔ عربی و فارسی کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی اور مدرسۃالعلوم بریلی سے فاضل درس ہوئے ۔ بعدہ ایک مقامی مدرسے میں مدرسی کے فرائض انجام دینے لگے ۔ غالباً اسی زمانے میں مختلف سازوں اور موسیقی میں کافی مہارت حاصل کی ۔

۱۸۸۲ء میں جب دادا بھائی رتن جی ٹھونٹھی نے وکٹوریہ ناٹک منڈلی سے علیحدہ ہو کر بمبئی ناٹک منڈلی قائم کی اور اِندر سبھا پیش کرنے کا ارادہ کیا تو ان کو یہ خیال گزرا کہ اگر اردو ڈرامے اصل اور صحیح اصول پر پیش کیے جائیں تو کافی فائدہ ہو سکتا ہے ۔ چنانچہ ٹھونٹھی نے بستن جی کو یو - پی اور دہلی کے دورے پر روانہ کیا ۔ بریلی میں ان کی

ملاقات مولوی کریم الدین سے ہوئی ، جو ہر فن میں طاق تھے۔ پستن جی نے ''ٹوپی والے سانوریا'' کی طرز پر ایک گانا بنوایا جسے دادا بھائی نے بے حد پسند کیا اور پستن جی کو لکھا کہ وہ معاملات طے کر کے کریم الدین صاحب کو اپنے ہمراہ لے آئیں ۔ چنانچہ تنخواہ وغیرہ کے معاملات طے ہوئے اور وہ مولوی صاحب کو لے کر بمبئی روانہ ہوگئے ۔

اس وقت مولوی صاحب کی عمر ۴۱ سال کی تھی ۔ بھاری بھرکم جسم ، درمیانی قد ، گھنی ڈاڑھی ، کرتہ پاجامہ چوغا اور پگڑی ۔ کبھی کبھی جوگوشہ ٹوپی بھی پہنتے تھے ۔ ان کا پہلا ڈراما ایک سال تک ، دوسرا دو سال تک اور تیسرا آٹھ ماہ تک مسلسل چلتا رہا ۔ چوتھا ختم کر چکے تھے کہ باہمی خانہ جنگی کے باعث کمپنی ٹوٹ گئی ۔

۱ ۔ گل بکاؤلی	۱۸۸۳ع
۲ ۔ گلستان خاندان ہامان	۱۸۸۵ع
۳ ۔ چترا بکاؤلی	۱۸۸۷ع
۴ ۔ خدا داد	۱۸۹۰ع

---

۱ ۔ احسن لکھنوی کی ایک تحریر کے حوالے سے یہ کہا گیا ہے کہ جب ۱۸۹۳ع میں احسن بمبئی میں پہنچے تو منشی کریم الدین کا انتقال ہو چکا تھا —— نامی صاحب کی لکھی ہوئی تاریخ پیدائش کو صحیح مان کر حساب لگایا جائے تو انتقال کے وقت منشی کریم الدین کی عمر اکیاون سال سے کم ہونی چاہیے۔ (۱۸۹۳ — ۱۸۴۲ = ۵۱)

۲ ۔ احسن لکھنوی ہی کے حوالے سے منشی کریم الدین کا حلیہ بیان کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ ساٹھ سال کی عمر میں

اُن کا یہ حلیہ تھا :

”سانولا رنگ ، میانہ قد ، لاغر اندام ، ڈھیلے بر کا پائجامہ ، در دامن کوٹ کا انگرکھا ، دلی کا سادے سے چمڑے کا جوتا ، ایک رومال گز بھر لانبا کاندھے پر پڑا رہتا تھا ۔ چہرے پر پوری ڈاڑھی تھی اور نہایت زندہ دل ، شریف ، شوخ مزاج تھے ۔“

۳ ۔ نائب حسین نقوی صاحب نے تاج صاحب مرحوم کی خواہش پر جو حالات لکھ کر بھیجے ان میں ’چترا بکاؤلی‘ کے ایک ایڈیشن کا ذکر کیا ہے جو ۱۸۷۲ع میں سکندر آباد میں چھپا ۔ اس سے انھوں نے یہ قیاس کیا ہے کہ ۱۸۷۲ع کے لگ بھگ منشی کریم الدین تھیٹر کی دنیا میں داخل ہو چکے تھے —— اسی شہادت کی بنا پر نتیجہ نکالا گیا ہے کہ منشی صاحب ۱۸۷۲ع میں بمبئی میں موجود تھے اور پستن جی انھیں ۱۸۸۲ع میں نہیں (جیسا کہ نامی صاحب نے کہا ہے) بلکہ ۱۸۷۱ع میں بمبئی لے گئے ۔

احسن لکھنوی کے حوالے سے جو دو باتیں کہی گئی ہیں ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ مراد کا انتقال ۱۸۹۳ع سے پہلے ہو چکا تھا اور دوسری یہ کہ انتقال سے پہلے ان کی عمر ساٹھ سال سے زیادہ تھی ۔ اس حساب سے دیکھا جائے تو نامی صاحب کا بتایا ہوا سنہ ولادت درست نہیں رہتا ، اس لیے کہ اس سنہ ولادت کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو وفات کے وقت مراد کی عمر ۵۰ یا ۵۱ سال قرار پاتی ہے ۔

نائب حسین نقوی صاحب کے بیان کے مطابق اگر ۱۸۷۲ع میں چھپے ہوئے ’چترا بکاؤلی‘ کے ایڈیشن کو مراد کی تصنیف

سمجھ لیا جائے تو یہ بات ماننی پڑے گی کہ پستن جی ۱۸۷۱ء میں مراد کو بریلی سے بمبئی لے گئے -

پہلے نقوی صاحب والی بات کو لے کر اس کا تجزیہ کیجیے :

۱ - نقوی صاحب کے قول کے مطابق مراد کا ڈراما 'چترا بکاؤلی' ۱۸۷۲ء میں چھپا - نامی صاحب کے بیان کی رو سے اس کا سنہ طباعت و اشاعت ۱۸۸۷ء ہے -

میرے نزدیک ۱۸۸۷ء صحیح ہے اس لیے کہ اس کے حق میں کئی شہادتیں موجود ہیں :

(الف) دادا بھائی رتن جی ٹھونٹھی کے متعلق کئی حوالوں سے یہ بات ظاہر ہے کہ وہ وکٹوریا ناٹک منڈلی کے ڈائرکٹر تھے- (عشرت رحمانی : اردو ڈراما — تاریخ و تنقید ، صفحہ ۲۰۵ - اردو تھیٹر ، جلد دوم ، مختلف صفحات) -

(ب) رونق بنارسی کے ڈراموں کی طباعت کا سلسلہ ۱۸۷۹ء سے ۱۸۸۳ء تک جاری رہا - رونق ، وکٹوریہ ناٹک منڈلی میں ملازم تھے اور کمپنی کے ڈائرکٹر دادا بھائی رتن جی ٹھونٹھی کے ایما پر ڈراموں میں رد و بدل کرتے تھے (اردو تھیٹر ، جلد دوم ، صفحہ ۸۳) اس کے معنی یہ ہیں کہ کم از کم ۱۸۷۹ء میں (۱۸۷۱ء سے آٹھ سال بعد) وہ وکٹوریہ ناٹک منڈلی سے وابستہ تھے -

(ج) مراد کے ڈراموں کی جو فہرست مختلف مقامات پر ملتی ہے اس میں ان کے صرف چار ڈراموں کا ذکر آتا ہے-

ان چاروں میں سے پہلا 'گل بکاؤلی' ہے ، جس کا سنہ طباعت ۱۸۸۳ع ہے -

ان باتوں سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مراد کا عہد تصنیف ۱۸۸۳ع میں شروع ہوتا ہے اور وہ ۱۸۷۲ع میں نہیں ، بلکہ ۱۸۸۲ع میں بمبئی گئے تھے -

سال وفات کے متعلق احسن لکھنوی کی بات درست معلوم ہوتی ہے ، اس لیے کہ مراد نے اپنا آخری ڈراما 'خدا داد' ۱۸۹۰ع میں مکمل کیا - ان کے جو ڈرامے چھپے ہیں ان سب کی تصنیف کے درمیان کم از کم دو دو سال کا وقفہ ضرور ہے ، بلکہ ایک جگہ یہ وقفہ تین سال کا ہے - اس سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ مراد کا انتقال ۱۸۹۳ع سے پہلے ہو چکا تھا - چونکہ مراد کے لکھے ہوئے ڈرامے اسٹیج پر بہت مقبول ہوئے تھے اس لیے اگر انھوں نے زیادہ عمر پائی ہوتی تو ناممکن ہے کہ وہ کسی نہ کسی تھیٹر کمپنی کے لیے کوئی اور ڈراما نہ لکھتے -

کریم الدین مراد کی مقبولیت کا اندازہ ایک تو اس بات سے ہوتا ہے کہ ان کا ہر ڈراما خاصی طویل مدت تک مسلسل اسٹیج ہوتا رہتا تھا ، دوسرے اس بات سے کہ ان کے معاصر ڈراما نگاروں نے ان کا ذکر بڑے اچھے الفاظ میں کیا ہے اور ان کی ڈراما نگاری کے علاوہ ان کی زبان اور ان کے گانوں کے متعلق تحسین و توصیف کے کلمات استعمال کیے ہیں -

۱ - احسن لکھنوی کے ذکر میں ڈاکٹر نامی نے 'چندراولی' کی تصنیف کا حال ان الفاظ میں بیان کیا ہے :
"زہر عشق لکھنؤ میں چل رہا تھا کہ آردیشر دادا بھائی

ٹھونٹھی کی بمبئی ناٹک منڈلی واردِ شہر ہوئی اور احسن لکھنوی کی شہرت سن کر[1] ان سے 'چترا بکاؤلی' (مصنفہ مراد بریلوی) کے طرز پر 'چندراولی' لکھنے کی فرمائش کی - احسن نے 'چندراولی' لکھا جو لکھنؤ میں پہلی بار اسٹیج ہوا اور بہت کامیاب رہا - "اردو ڈراما نویسوں میں سوائے عبدالکریم مراد بریلوی کے اور کسی ڈراما نویس کو اس قدر جلد شہرت حاصل نہیں ہوئی -"[2]

۲ - مرزا نظیر بیگ نے اپنا ڈراما 'چترا بکاؤلی' ۱۸۹۴ع میں مرتب کیا - اس کے دیباچے میں انھوں نے گانوں کی طرزوں کے سلسلے میں یہ اعتراف کیا ہے کہ "میں نے اس ناٹک میں وہ طرزیں ، جو نئی الفریڈ کے ناٹک میں گائی جاتی ہیں ، مثلاً ناٹک الہ دین علی بابا ، چترا بکاؤلی ، آب ابلیس و خاندان ہامان تالیف جناب منشی محمد مراد و سیٹھ دادی کریش جی بمبئی کے ناٹکوں میں جو طرزیں ہیں ، ان طرزوں کے وزنوں پر یہ چیزیں بنائی ہیں -"

اس بیان میں مراد کے دو ڈراموں ، چترا بکاؤلی اور خاندان ہامان کی طرزوں کی مقبولیت کا واضح اعتراف موجود ہے -

ڈرامائی دنیا میں "مراد" تخلص کی وجہ سے بعض التباس پیدا ہوئے ہیں - جس طرح کریم الدین کا تخلص مراد تھا ،

---

۱ - یہ شہرت انھیں اپنے پہلے ڈرامے زہرعشق کی وجہ سے ملی تھی جو ۱۸۹۷ع میں لکھنؤ میں کھیلا گیا تھا اور اس سے "لکھنؤ میں تہلکہ مچ گیا" تھا -

۲ - اُردو تھیٹر ، جلد دوم ، صفحہ ۱۹۳ -

اسی طرح لکھنؤ کے رہنے والے ایک معروف ڈراما نگار مراد علی کا تخلص بھی مراد تھا ۔ تخلص کے اس اشتراک نے ایک خرابی تو یہ پیدا کی کہ مراد علی مراد کے لکھے ہوئے بعض ڈراموں کو مراد بریلوی کی تصنیف سمجھ لیا گیا اور دوسری خرابی یہ کہ مراد بریلوی کے لکھے ہوئے ڈراموں کو مراد علی مراد سے منسوب کر دیا گیا اور مختلف چھاپہ خانوں نے ایک کا ڈراما دوسرے کے نام سے چھاپ کر خاصا انتشار پیدا کیا ۔ اس خلط ملط کی ایک واضح مثال یہ ہے کہ 'چترا بکاؤلی' کا ایک ہی متن (جو اصلیت میں مراد بریلوی کا ہے) دونوں کے نام سے چھپا ہے ۔ متن میں سر مو فرق نہیں ، لیکن ایک مطبع اسے مراد بریلوی کی تصنیف قرار دیتا ہے اور دوسرا مراد لکھنوی کی ۔ ڈاکٹر نامی نے اپنی تحقیق سے ان دونوں ڈراما نگاروں کی تصانیف کی جو فہرست مرتّب کی ہے اس کی موجوگی میں کسی الجھن یا غلط فہمی کی گنجائش نہیں رہتی ۔

مراد کے جن چار ڈراموں کی نشان دہی نامی صاحب نے کی ہے ان میں سے تین اس مجموعے میں شامل ہیں ۔ ان کے فن اور اسلوب کا جائزہ ان تبصروں سے لیا گیا ہے جو ہر ڈرامے سے پہلے شاملِ اشاعت ہیں ۔

لاہور ، ۱۳ ۔ اکتوبر ۱۹۷۱ء — سید وقار عظیم

گلستان خاندان ہامان

تبصرہ

تاریخی ڈراموں کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر نامی نے ایک جگہ[1] ''گلستانِ خاندانِ ہامان'' کو ''ایک بہترین ڈراما''[1] کہا ہے ۔ خود کریم الدین مراد کے حالات میں[2] انھوں نے یہ لکھا ہے کہ یہ ڈراما مسلسل دو سال تک اسٹیج پر کھیلا جاتا رہا ۔ اس ڈرامے کی کہانی کے سلسلے میں انھوں نے ایک موقعے پر[3] چلتے چلاتے یہ فقرہ لکھ دیا ہے کہ ''سیف السلیمان اور فریب عزرائیل گوئٹے کے فاؤسٹ سے ماخوذ معلوم ہوتے ہیں ۔'' اس سرسری بات کو عشرت صاحب نے حتمی اور حکمی انداز میں یوں بیان کیا ہے :

''اس کا پلاٹ گوئٹے کے پلاٹ سے ماخوذ ہے ۔''

نامی صاحب کی عبارت میں ''فریبِ عزرائیل'' کا نام اُسی ڈرامے کے لیے استعمال ہوا ہے جسے کریم بریلوی نے ''گلستانِ خاندانِ ہامان'' کے نام سے لکھا ہے ۔ ''فریبِ عزرائیل'' کا پورا نام ''ستمِ ہامان عرف فریبِ عزرائیل'' ہے ۔ یہ نام رونق بنارسی کے ڈراموں کی فہرست میں شامل ہے اور اب تک ہمارے پاس جو معلومات ہیں ان سے پتا چلتا ہے کہ اس قصے کو

---

۱ - اُردو تھیٹر ، جلد اول ، صفحہ ۲۹۲ -

۲ - اُردو تھیٹر ، جلد دوم ، صفحات ۱۵۹ ، ۱۶۰ -

۳ - اُردو تھیٹر ، جلد دوم ، صفحہ ۸۹ -

ڈرامے کی شکل سب سے پہلے رونق بنارسی نے دی ۔ اس کے بعد حافظ محمد عبداللہ ، غلام حسین ظریف اور مولوی الٰہی بخش نامی نے اس میں رد و بدل کرکے اپنے اپنے ناموں سے چھپوایا اور بالآخر کریم الدین مراد نے اسے از سر نو لکھا ۔ نامی صاحب نے ''گلستان خاندان ہامان'' کا سنہ تصنیف ۱۸۸۵ع بتاتا ہے ۔ عشرت صاحب نے تصنیف کا سنہ ۱۸۸۸ع لکھا ہے ۔ اس ضمن میں ان کے الفاظ یہ ہیں :

''۱۸۸۸ع میں کریم الدین کریم بریلوی نے 'گلستان خاندان ہامان' کے نام سے دوبارہ لکھ کر شائع کرایا ۔ تین مطبوعہ نسخے علی الترتیب حافظ عبداللہ ، غلام حسین ظریف اور منشی الٰہی بخش نامی کے نام سے بھی ملتے ہیں ۔''

قیاس کہتا ہے کہ نامی صاحب اور عشرت صاحب کے پاس اس ڈرامے کے دو الگ الگ نسخے ہیں اور ان میں سے ایک پر ۱۸۸۵ع اور دوسرے پر ۱۸۸۸ع درج ہے ۔ نامی صاحب والے نسخے کا سنہ مقدم ہے اسی لیے اس کو صحیح سنہ تصنیف سمجھنا مناسب ہے ۔ سنہ تصنیف کا یہ اختلاف صرف ''گلستان خاندانِ ہامان'' تک محدود نہیں ۔ ہمارے اسٹیج کے ڈرامے ہمیشہ سے جس افراتفری میں چھپتے رہے ، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ دوسرے ڈراموں کے متعلق بھی بار بار ایسی باتیں کہی اور لکھی جاتی ہیں کہ آدمی چکرا کر رہ جاتا ہے اور کسی صحیح نتیجے پر پہنچنے کے لیے کوہ کنی اور موشگافی کے کئی مرحلوں سے گزرنا پڑتا ہے ۔ مثال کے لیے خود ''ستمِ ہامان عرف فریبِ عزرائیل'' کو لے لیجیے ۔ نامی صاحب نے اس کے سنہ تصنیف یا سنہ اشاعت کے متعلق کئی باتیں لکھی ہیں ؛ پہلے وہ کہتے ہیں کہ ''یہ دو ایکٹ کا ایک مختصر منظوم ڈراما ہے اور اس پر

۱۸۸۰ع درج ہے' ۔" اس کے فوراً ہی بعد ان کا یہ جملہ ہے :
"میری لائبریری میں جو نسخہ ہے اس پر کوئی تاریخ درج
نہیں ہے ۔" ان دو جملوں کو پڑھ کر آدمی سوچ میں پڑ جاتا
ہے اور اس کے لیے اس نتیجے پر پہنچنا مشکل ہو جاتا ہے کہ
نامی صاحب کی لائبریری والا نسخہ ۱۸۸۰ع کے نسخے سے
پہلے کا ہے یا بعد کا ۔

سامنے ہی کی ایک اور مثال "سیف‌السلیمان" کی ہے ، جس
کا نام ، نامی صاحب نے فریب عزرائیل کے ساتھ لے کر یہ کہا ہے
کہ یہ دونوں ڈرامے گوئٹے کے 'فاؤسٹ' سے ماخوذ معلوم ہوتے
ہیں ۔ ان دونوں ڈراموں کا ذکر رونق کے احوال کے تحت آیا
ہے (اُردو تھیٹر ، جلد دوم صفحات ۹۷ تا ۱۰۲) ۔ سیف‌السلیمان
کی تفصیل بیان کرتے ہوئے نامی صاحب لکھتے ہیں (اُردو تھیٹر
جلد دوم ، صفحہ ۸۹) : 'سیف‌السلیمان عرف معصوم معصومہ'
یہ منظوم ڈراما تین ایکٹ پر مشتمل ہے اور پہلی بار ۱۶ اکتوبر
۱۸۸۰ع کو اسٹیج ہوا ۔ اس پر ۱۸۸۰ع درج ہے ۔ برٹش
میوزیم لائبریری میں جو نسخہ ہے اس پر بھی ۱۸۸۰ع تحریر
ہے"۔۔۔۔۔ اسی ڈرامے کے متعلق وہ 'اردو تھیٹر' ، جلد دوم
کے صفحہ ۸۲ پر لکھتے ہیں : "ان کے ایک ڈرامے سیف سلیمانی
عرف معصوم معصومہ کے سرورق پر یہ عبارت درج ہے :
محمود خاں صاحب رونق ، احمد آباد ، ضلع دکن ، ۱۸۸۸ع ۔"
آگے چل کر ، یعنی صفحات ۸۸ ، ۸۹ پر یہ عبارت ملتی
ہے : "حافظ محمد عبداللہ اور غلام حسین ظریف نے اس ڈرامے
کو اپنے الفاظ میں لکھ کر اپنے نام سے شائع کیا ۔ حکیم محمد یوسف
مالک و مدیر 'نیرنگ خیال' کے پاس اس منظوم ڈرامے کا جو

۱ ۔ اردو تھیٹر ، جلد دوم ، صفحہ ۸۹ ۔

نسخہ ہے ، اس پر یہ عبارت درج ہے ''سیف سلیانی عرف مرحوم معصوم مصنفہ میاں محمود خاں صاحب رونق ، احمد آباد ، ضلع دکن ، مطبوعہ ۱۸۸۸ع ۔''

اب ذرا ان دونوں اندراجات کا فرق ملاحظہ کیجیے ؛ صفحہ ۸۲ والی عبارت میں ڈرامے کا عرف 'معصوم معصومہ' اور مصنف کا نام محمود خاں صاحب رونق' ہے ۔ صفحات ۸۸ ، ۸۹ کی عبارت میں اس کے بجائے عرف 'مرحوم معصوم' مصنفہ 'میاں محمود خاں صاحب رونق' ہے ۔ دونوں حوالوں میں ڈرامے کا سنہ طباعت ۱۸۸۸ع ہے ، لیکن پہلے حوالے میں صرف ۱۸۸۸ع لکھا ہے اور دوسرے میں ۱۸۸۸ع سے پہلے لفظ 'مطبوعہ' بھی موجود ہے ۔ قیاس کہتا ہے کہ ڈراما ایک ہی سال میں دو دفعہ یا دو جگہ نہیں چھپا ہوگا ۔ پھر ان تین اختلافات کی موجودگی کا کیا جواز ہے ؟ یقیناً عبارتوں کے نقل کرنے میں لفظوں میں تھوڑا بہت تغیر پیدا ہوگیا ، اور صحت کی جستجو کرنے والے قاری کے لیے یہ تغیر الجھن کا باعث بن گیا ، لیکن چونکہ اس طرح کی الجھنیں ہمارے قدیم ڈراموں کے متون میں قدم قدم پر پیدا ہوتی ہیں اس لیے آدمی محض قیاس آرائی کے سہارے کسی نہ کسی نتیجے پر پہنچ جاتا ہے ۔

سیف‌السلیمان اور فریبِ عزرائیل کے سلسلے میں قیاس‌آرائی کا ایک اور کرشمہ بھی توجہ طلب ہے ۔ جیسا کہ تبصرے کے شروع میں کہا گیا ، نامی صاحب نے ان دونوں ڈراموں کے متعلق اس خیال کا اظہار کیا کہ وہ ''فاؤسٹ سے ماخوذ معلوم ہوتے ہیں ۔'' الفاظ بتاتے ہیں کہ یہ رائے محض قیاس کی بنا پر ظاہر کی گئی ہے ۔ لیکن عشرت صاحب کی عبارت میں اس قیاس نے یقین کی صورت اختیار کرلی اور انھوں نے 'ستم ہامان عرف فریبِ

عزرائیل' کے متعلق واضح طور پر یہ بات کہہ دی کہ "اس کا پلاٹ گوئٹے کے فاؤسٹ سے ماخوذ ہے۔" "گلستانِ خاندانِ ہامان" کا جو متن اس مجموعے میں شامل ہے وہ نامی صاحب اور عشرت صاحب کے نزدیک 'ستمِ ہامان عرفِ فریب عزرائیل' کی نسبةً بہتر صورت ہے، بہتر اس معنی میں کہ یہاں بات کے پیش کرنے میں زیادہ خوش سلیقگی سے کام لیا گیا ہے۔ پلاٹ میں کسی بنیادی اختلاف کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، اس لیے کہ اگر ایسا ہوتا تو ڈرامے کے نام میں بھی کوئی ایسی تبدیلی کی جاتی کہ "ستم ہامان" اور "گلستان خاندان ہامان" میں جس اشتراک کی طرف واضح اشارہ موجود ہے، وہ باقی نہ رہتا۔ "گلستان خاندان ہامان" کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ اس میں اور "فاؤسٹ" میں دور کی نسبت بھی نہیں۔ محض اس بات سے کہ "گلستانِ خاندانِ ہامان" میں شیطان ایک نیک انسان کو نیکی کی راہ سے بھٹکانے کی کوشش میں مصروف ہے، "فاؤسٹ" اور "گلستان خاندان ہامان" ایک نہیں بن جاتے۔ شیطان اور انسان کی ازلی جنگ نے "فاؤسٹ" میں جو فلسفیانہ صورت اختیار کی ہے اس کا ہلکا سا شائبہ بھی مراد کے ڈرامے میں موجود نہیں۔ بالکل اسی بنا پر نامی صاحب کے اس قیاس کو تسلیم کرنا بھی ممکن نہیں کہ "فریبِ عزرائیل" کی طرح "سیف السلیمان" بھی "فاؤسٹ" سے ماخوذ ہے۔

ہامان کے قصے کو اردو کے ڈراما نگاروں میں رونق نے سب سے پہلے ڈرامے کی شکل دی۔ اس کے بعد نامی صاحب اور عشرت صاحب کی روایت کے مطابق حافظ محمد عبداللہ، غلام حسین ظریف اور مولوی الٰہی بخش ناسی نے اور بالآخر کریم الدین نے از سرِ نو لکھا۔ حافظ عبداللہ، ظریف اور الٰہی بخش نامی کے جو حالات "اردو تھیٹر" جلد دوم کے مختلف صفحات پر

درج ہیں اُن میں صفحات ۱۳۰، ۱۳۸ اور ۱۶۲ پر اس ڈرامے کا نام بھی ملتا ہے۔ ظریف کے ڈراموں میں اس کا نام "تماشا گلستان خاندان ہامان" ہے، عبداللہ کے ڈراموں میں "ستمِ ہامان عرف فریبِ شیطان" اور نامی کے ڈراموں میں "ستم ہامان"۔ اب ذرا پانچوں (رونق، ظریف، عبداللہ، نامی اور مراد) ڈراما نگاروں کے اختیار کیے ہوئے ناموں کو ایک ساتھ رکھ کر دیکھ لیجیے:

(۱) ستمِ ہامان عرفِ فریب عزرائیل۔
(۲) تماسا گلستانِ خاندانِ ہامان۔
(۳) ستمِ ہامان عرف فریب شیطان۔
(۴) ستمِ ہامان۔
(۵) گلستانِ خاندانِ ہامان۔

تین ناموں میں "ستمِ ہامان" مشترک ہے، دو میں عزرائیل یا شیطان کے فریب کی طرف اشارہ ہے، دو ناموں میں "گلستانِ خاندانِ ہامان" بورا کا پورا نام موجود ہے۔ یہ نام ظاہر کرتے ہیں کہ سلسلہ بہ سلسلہ یہ سب ڈرامہ نگار ایک دوسرے سے متاثر ہوتے رہے ہیں اور اُنھوں نے قصے کے بنیادی تصور میں کوئی تبدیلی نہیں کی، قصہ پانچوں کے یہاں ہامان ہی کا ہے اور جہاں شیطان، عزرائیل کا نام نہیں بھی لیا گیا وہاں بھی اُس کی فریب کاری کو قصے کا موضوع بنایا گیا ہے۔

تبصرے کے ابتدائی حصے میں گلستانِ خاندانِ ہامان کی مقبولیت کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے۔ اس کی زبان کے متعلق بھی نامی صاحب کی اس رائے کا ذکر آ چکا ہے کہ وہ "ادبی اور چٹخارے دار ہے" اور "اس کے اشعار ایسے بر محل ہیں کہ

۱۔ اردو تھیئٹر، جلد دوم، صفحہ ۱۶۰۔

"سن کر دل پھڑک اٹھتا ہے"۔ یہ رائیں ظاہر ہے کہ نامی صاحب نے اس وقت کے معیار کو سامنے رکھ کر دی ہیں جب یہ ڈراما لکھا گیا تھا۔ اس دور کے دوسرے ڈراما نگاروں کے ڈراموں کا مطالعہ کیجیے تو پتا چلتا ہے کہ ادبی نقطۂ نظر سے وہ اس قابل بھی نہیں ہیں کہ ان کی نثر اور نظم پر کوئی ادبی بحث کی جا سکے۔ حسینی میاں ظریف اور حافظ عبداللہ کے اکثر ڈراموں کا یہی حال ہے۔ ہم ان کا مطالعہ صرف اس اعتبار سے کرتے ہیں کہ وہ ہماری ڈرامائی روایت کی کڑیاں ہیں۔ فن اور اسلوب کے اعتبار سے ان میں کوئی ایک بات بھی ایسی نہیں کہ اس کے ذکر سے جی خوش ہو۔ ناہموار اور بے آہنگ نثر اور طرح طرح کی تعقیدوں میں الجھے ہوئے شعروں کے متعلق انسان آخر بات ہی کیا کر سکتا ہے۔ نثر اور نظم کی عام سطح جب اتنی بیزار کن ہو تو ایسے لکھنے والے بسا غنیمت معلوم ہوتے ہیں جن کے شعروں میں موزونیت کے علاوہ کہیں کہیں لطفِ شعری بھی ہو اور جن کی نثر پڑھ کر یہ محسوس ہوتا ہو کہ لکھنے والا اس کے جوڑ بند درست رکھنے کو بھی اپنی ذمہ داری سمجھتا ہے۔ معاصر ڈراما نگاروں میں اس اعتبار سے عبدالکریم مراد کا دم بسا غنیمت ہے۔

"گلستانِ خاندانِ ہامان" کا مطالعہ فنی نقطۂ نظر سے کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ ڈراما نگار نے اسے مختلف حیثیتوں سے دلچسپ بنانے کی کوشش کی ہے اور قصے کے پلاٹ سے قطع نظر (جو اسے پہلے سے بنا بنایا مل گیا ہے) اس نے مناظر کی ترتیب میں خاصی کاوش سے کام لیا ہے۔ ڈرامے میں تین باب

۱۔ اردو تھیٹر، جلد دوم، صفحہ ۱۶۰۔

ہیں ۔ پہلا اور تیسرا باب طوالت میں تقریباً ایک سے ہیں ۔ دوسرا باب طوالت میں ان دونوں سے کم ہے ۔ تینوں ابواب کی طوالت میں ۳ : ۲ : ۳ کی نسبت ہے ۔ مناظر کی تقسیم یوں ہے کہ پہلے باب میں ۸ ، دوسرے میں ۴ اور تیسرے میں ۵ منظر ہیں ۔ ان مناظر کی چھوٹائی اور بڑائی ایک سی نہیں ۔ غیر طبع شدہ متن میں (جو چھپے ہوئے ڈرامے کی بہت صاف ستھری نقل ہے) جو سترہ مناظر ہیں ان میں سے ایک بہ مشکل ایک صفحے کا ہے اور ایک دو صفحے کا ۔ زیادہ مناظر (یعنی ۱۲) کی طوالت ۳ اور ۶ صفحوں کے درمیان ہے ۔ دو طویل تر مناظر میں سے ایک آٹھ صفحے کا ہے جو پہلے باب کا پانچواں منظر ہے اور دوسرا گیارہ صفحے کا جو تیسرے اور آخری باب کا آخری منظر ہے ۔ غور سے دیکھا جائے تو مناظر کے چھوٹے بڑے ہونے میں کوئی نہ کوئی حکمت ہے ۔ اس حکمت کو ہم ڈراما نگار کا احساسِ فن کہہ سکتے ہیں جو اس دور کے ڈراموں میں مفقود ہے ۔ مثلاً ایک صفحے کا جو منظر پہلے باب کا چوتھا منظر ہے اس لیے اتنا مختصر ہے کہ اس میں صرف ایک کردار اسٹیج پر آتا ہے ۔ یہ کردار مظفر ہے جو ایک راستے سے گزرتا ہوا دکھایا گیا ہے ۔ وہ یاس کے عالم میں گاتا ہوا اسٹیج پر داخل ہوتا ہے ۔ گانے کے بعد اپنے آپ سے چند باتیں کرتا ہے ۔ ان باتوں کے دوران میں وہ تحت اللفظ میں دو شعر پڑھتا ہے اور اس کے بعد گاتا ہوا آگے بڑھ جاتا ہے ۔ اس منظر کا مقصد ایک طرف تو یہ ہے کہ ایک کردار کو ہمارے سامنے سے گزار کر اس کی دلی کیفیت ہم پر ظاہر کی جائے ۔ دوسرا مقصد ہمارے اسّی نوے برس پہلے کے اس اسٹیج کا لازمی جزو ہے ، جس میں مختلف مناظر کا سماں پیش کرنے کے لیے رنگین اور منقش پردے استعمال کیے

جاتے تھے ۔ اس چھوٹے سے منظر کے بعد آنے والا منظر دربار کا ہے (پہلے باب کا پانچواں منظر) ۔ دربار کو آراستہ کرنے کے لیے اسٹیج کاروں کو اسٹیج پر زیادہ سے زیادہ گنجائش درکار ہے ، اس لیے پیچھے کا پورا اسٹیج خالی چھوڑ کر ڈراپ کے پردے سے ذرا آگے بڑھ کر راستے کا منظر ترتیب دیا گیا ہے ۔ جتنی دیر میں یہ منظر ختم ہوگا ، اسٹیج کے پچھلے وسیع تر حصے میں دربار آراستہ کر لیا جائے گا ۔ یہی صورت تیسرے باب کے آخری منظر کی ہے ۔ یہ منظر بھی دربار کا ہے ۔ دربار کے منظر سے پہلے اسٹیج پر کسی ایسے منظر کا پیش کیا جانا ضروری ہے جس میں نہ زیادہ ساز و سامان کی ضرورت پڑے اور نہ اس کے لیے زیادہ پھیلاؤ ضروری ہو تاکہ اسٹیج کے اگلے حصے پر پردہ گرا کر کوئی ہلکا پھلکا منظر پیش کر دیا جائے اور اسٹیج کے پچھلے حصے میں اسٹیج کاروں کو منظر ترتیب دینے (یا دربار آراستہ کرنے) کا موقع مل جائے ۔ ایک صفحے والا منظر راستے کا منظر تھا اور وہاں صرف ایک کردار اسٹیج پر آیا تھا ۔ تیسرے باب کا یہ چھوٹا سا منظر مہر نگار کے مکان کا ہے جو بے سرو سامانی میں زندگی بسر کر رہی ہے ۔ اس منظر میں دو کردار سامنے آتے ہیں ؛ ایک مہر نگار اور دوسری اس کی خادمہ ، جنھیں صرف ایک دوسرے سے گفتگو کرنی ہے ۔ اس گفتگو کے شروع میں اور اختتام پر ایک ایک گانا ہے ۔ یہ منظر بھی ختم اسی طرح ہوتا ہے کہ ایک کردار (مہرنگار) گانا ہوا باہر نکل جاتا ہے ۔

ان دو چھوٹے مناظر کے بعد دوسرے مناظر پر نظر ڈالیے تو معلوم ہو جائے گا کہ منظر کا مختصر یا طویل ہونا اس بات پر منحصر ہے کہ اسٹیج پر کتنے کرداروں کو آنا ہے اور ان کے آنے سے کہانی کے واقعات کے رخ میں اہم یا غیر اہم کس طرح کی

شروع ہونے والے مناظر میں زیادہ ایسے ہیں جن میں نثر مسلسل استعمال ہوتی رہی ہے اور یہ سلسلہ باب کے آخر تک جاری رہا ہے ۔ مثال کے لیے پہلے باب کا تیسرا منظر ، دوسرے باب کا پہلا اور دوسرا منظر اور تیسرے باب کا دوسرا اور تیسرا منظر ملاحظہ فرمائیے ۔ ان سب مناظر میں اشعار کم ہیں اور نثر کی عبارتیں زیادہ ۔

مکالموں میں تنوع پیدا کرنے اور انھیں اکتا دینے والی یکسانی سے بچانے کے لیے ان کی ترتیب میں اور بھی متنوع انداز اور طریقے اختیار کیے گئے ہیں ۔ کہیں نثر اور نظم کو ملا جلا کر استعمال کیا گیا ہے ، کہیں دو کردار مصرعوں کے ذریعے اپنی گفتگو مکمل کرتے ہیں ، کہیں ایک دوسرے کو ترکی بہ ترکی اشعار میں جواب دیتے ہیں ، لیکن دیکھا گیا ہے کہ مکالموں کو کرداروں کی زبان سے ادا کرواتے ہوئے مصرعوں کی مدد سے ترتیب دینا ڈراما نگار کو زیادہ پسند ہے بہ مقابلہ اس کے کہ ان میں صرف اشعار استعمال کیے جائیں ۔ چنانچہ پورے ڈرامے میں مصرعوں والے مکالمے شعروں والے مکالموں کے مقابلے میں تعداد اور مقدار میں زیادہ ہیں ۔

نثری مکالموں کی زبان ، جیسا کہ ابھی عرض کر چکا ہوں ، مقفیٰ ہونے کے باوجود بوجھل نہیں ۔ اس نثر کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس میں فقرے عموماً چھوٹے چھوٹے استعمال کیے گئے ہیں ۔ اس کے دو فائدے ہیں ؛ ایک تو یہ کہ عبارت کا مطلب آسانی سے واضح ہوتا چلا جاتا ہے ، دوسرے چھوٹے فقروں کے اخیر میں آنے والے قافیوں کے قرب سے عبارت میں خوش آہنگی پیدا ہو جاتی ہے ۔ مثال کے لیے دو ٹکڑے ملاحظہ کر لیجیے ؛ پہلا اقتباس دوسرے باب کے دوسرے منظر کا ہے :

تماش بین (نائکہ سے) :

یہ تو کوئی بلائے ناگہانی ہے ، آفت آسانی ہے ۔ ارے اس عابدہ کو مکان سے نکال دے ، سر سے آفت کو ٹال دے ۔ جو تیرے سر پر ٹوٹی ہے ، تیری قسمت پھوٹی ہے ۔ یہ عشقیہ غزل نہ گائے گی ، فقط وعظ و نصیحت سنائے گی ، رندوں کو عابد بنائے گی ، کڑے فقرے سنائے گی ، اپنا غصہ دکھائے گی ۔

مہر نگار :

تم لوگوں کی کیسی چال ہے ؟ کیا خیال ہے ؟ ناحق کو حق جانتے ہو ، بدی کو نیکی مانتے ہو ۔ بدی سے کیا آبرو نہیں جاتی ؟ بد فعل کرنے سے شرم نہیں آتی ؟

دوسرا اقتباس دوسرے باب کے دوسرے منظر کا ہے :

نائکہ :

کیوں ری ! مجھ کو ستاتی تھی کیا ؟ اپنی عصمت جتاتی تھی کیا ؟ پایا جو یہ جوان اچھا ، چھوڑ عصمت لٹ گئی شتّا ۔ کر دکھائے جو حسن کو زر نیچا ، بڑے بول کا سر نیچا ۔

روشن ضمیر :

نائکہ تمھارا کدھر خیال ہے ، ان سے بھلائی جانا محال ہے ۔ ان پر تم جو برے کام کا طوفان دھرتی ہو، برا کرتی ہو ، انصاف سے گزرتی ہو ۔

نائکہ :

واہ میاں جی چھیل چھبیلے ! خوب کھیل کھیلے ۔ اِدھر کی تو رہی ، اُدھر کی کہی، خیر یوں ہی سہی ۔ دانا دام

میں آ جاتا ہے ، سیانا کتوا کیا کھاتا ہے ۔ لازم تو ہے
ہوئے جتنی ، شیخی کرے انسان آتنی ۔
جس طرح مکالموں کی نثر صاف ستھری ہے ، اسی طرح عموماً مکالموں میں آنے والے اشعار کی زبان بھی آسان ہے ۔ اس میں سبہہ نہیں کہ شعروں اور مصرعوں میں جابجا تعقید بھی ہے ، لیکن خاصے اشعار ایسے بھی ہیں جو تعقید کے عیب سے خالی ہیں ، خواہ اُن میں لطفِ شعری ہو یا نہ ہو ۔ چند اشعار ملاحظہ کیجیے :

خاطرِ غم دیدہ میری کس لیے مسرور ہے
کاسۂ جنت مگر یہ کاسۂ بلّور ہے

سراب پینے سے دل کی صفائی ہوتی ہے
سراب زنگِ کدورت کو دل سے دھوتی ہے

صبح ہوتی ہوگی تیّاری ہماری ہائے ہائے
آج اس بیمار پر ہے رات بھاری ہائے ہائے

رستم و حاتم بناتی ہے شراب
داغِ غم دل سے مٹاتی ہے شراب

تم کو چھوڑوں نہ میں خدا کی قسم
منہ کو موڑوں نہ میں خدا کی قسم

شعر صاف تو ہیں مگر ان میں شعر کا سا مزہ بالکل نہیں ، یہ بات نثر کے ٹکڑوں میں البتہ کہیں کہیں نمایاں طور پر ملتی ہے ۔ نثر کی شاعری سے چار نمونے پیش خدمت ہیں :

"اُس کا دیدار دل کو بے قرار کرتا ہے اور چہرۂ پُر نور اُس گلِ بے خار کا دل کو عندلیبِ زار کرتا ہے۔"

"جہاں کہ دور جام ہے وہ جلسہ گردشِ چرخ سے تمام ہے۔"

"سنو جو بدکار ہے داخل النار ہے، جو نیک کردار ہے اُس کے لیے خلد کا گلزار ہے۔"

"خداوند! اگر یہ شمع پُر نور ہے، باد ظلمت سے گل ہو جائے تو بادشاہت کون پائے، تخت و تاج کس کے تصرف میں آئے۔"

'گلستان خاندانِ ہامان' کے اس صاف ستھرے اور سادہ اور صحیح انداز میں ایک چیز البتہ قطعاً بے جوڑ معلوم ہوتی ہے۔ اُس کی عبارتوں میں جابجا اور بعض اوقات بالا لتزام قواعد کا ایک ایسا اصول برتا گیا ہے جو اُردو کی عام قواعد سے بالکل مختلف ہے۔ یہ بات چند مثالوں کی مدد سے آسانی سے سمجھ میں آجائے گی۔ مثالیں ملاحظہ ہوں:

ہامان:

ہے ہے شراب مجھ کو پلایا، کیا خراب
طاعت پہ خاک ڈال دیا میری نا صواب

(پہلا باب، دوسرا منظر)

ہامان :

اے وزیر ! تو نے بہت پند سنایا ۔
(پہلا باب ، آٹھواں منظر)

مظفر :

اے وزیر ! آفرین بہت جلد آیا ، بیان کر قرارِ دل پایا یا نہیں ؟
(تیسرا باب ، تیسرا منظر)

مہر نگار :

اے مہر ! کیا سمایا تھا سر میں خیالِ خام ، جو کی حرام کام ۔
(تیسرا باب ، چوتھا منظر)

خادمہ :

میں سب اپنی برائیوں سے ہاتھ اٹھائی ۔
(تیسرا باب ، چوتھا منظر)

خادمہ :

نہ وہ چیزیں لائی ، نہ کالا منہ دکھائی ۔
(تیسرا باب ، چوتھا منظر)

وزیر :

سلطان کے رو برو جھوٹ کہنے کی سزا پایا ، فاحشہ کو نیک بتلانے کی جزا پایا ۔ **(تیسرا باب ، پانچواں منظر)**

ان سب مثالوں میں فعل کی تذکیر و تانیث ، مفعول کی مطابقت سے ہونی چاہیے تھی ، یعنی علی الترتیب افعال کی صورت یہ ہونی چاہیے تھی : شراب پلائی ، خاک ڈال دی ، پند سنائی ، مرادِ دل پائی ، حرام کام کیا ، برائیوں سے ہاتھ اٹھایا ، نہ کالا منہ دکھایا ، جھوٹ کہنے کی سزا پائی ، نیک بتلانے کی جزا

پائی ۔ لیکن ہرجگہ اس کے برخلاف ہؤا یہ ہے کہ فعل کی جنس وہ رکھی گئی ہے جو فاعل کی ہے ۔ ظاہر ہے کہ اُردو میں یہ صورت غلط ہے اور اس غلط صورت کی مثالیں گلستانِ خاندان ہامان میں اور بھی ہیں ۔

زبان کے نقطۂ نظر سے اور بھی کئی باتیں اس ڈرامے میں ایسی ہیں جو اُردو کے روزمرے اور محاورے کے خلاف ہیں ۔ مثلاً :

(۱) ''آپ'' کے ساتھ فعل کی وہ شکل جو ''تم'' کے ساتھ استعمال ہوتی ہے :

آپ یہ کیا کہتی ہو ؟ (باب ۲ ، منظر ۴) ۔

آپ لڑتے ہو (باب ۳ ، منظر ۲) ۔

(۲) 'اُسی کے پاس' کے بجائے 'اسی پاس' ، جیسے ''اسی پاس جاؤ تم'' میں ۔ (باب ۲ ، منظر ۴) ۔

(۳) 'ذرا' کی جگہ 'ذری' : اس سے ثابت نہیں ذری (باب ۳ ، منظر ۳) ۔

'گلستان خاندان ہامان' کا عام اسلوب اردو روزمرہ سے اتنا قریب ، اتنا با محاورہ اور سلیس ہے کہ اس میں اس طرح کی غلطیوں کی موجودگی پر حیرت ہوتی ہے ، لیکن قیاس یہ ہے کہ ان غلطیوں کی ذمہ داری مراد پر عائد نہیں ہوتی ۔ اُس دور کے ڈراموں کے متعلق یہ بات عام طور سے معلوم ہے کہ اردو کے ڈرامے گجراتی میں بھی منتقل کیے جاتے تھے اور پھر کبھی کبھی گجراتی متن کو دوبارہ اردو میں منتقل کیا جاتا تھا اور ڈرامے چھاپنے والے مطبعے غلط اور صحیح کے امتیاز کے بغیر جو کچھ

انھیں ملتا تھا اسی طرح چھاپ دیتے تھے ۔ کبھی کبھی ڈراموں کا متن اُن مکالموں کی مدد سے مرتب اور مکمل کیا جاتا تھا جو اداکاروں کو یاد ہوتے تھے ۔ ان اداکاروں میں وہ لوگ بھی ہوتے تھے جن کی مادری زبان اردو نہیں ہوتی تھی ، اس لیے ان کی بول چال کی غلطیاں متن میں داخل ہو جاتی تھیں ، اور اسی صورت حال کا نتیجہ ہے کہ ہمیں پرانے ڈراموں کے متون میں جو غلطیاں ملتی ہیں اُن کے متعلق یہ نہیں کہہ سکتے کہ ان کی ذمہ داری مصنف پر عاید ہوتی ہے یا کسی اور پر ۔ اسی طرح کی کوئی صورت اس ڈرامے میں بھی پیش آئی ہے اور یہ بات اس لیے اور بھی زیادہ یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ مراد کا اسلوب عموماً اس طرح کی غلطیوں سے خالی ہے ۔ ان کے ڈراموں کی زبان اُن کے معاصرین کے ڈراموں کی زبان کے مقابلے میں بہت صحیح ہے ۔

سید وقار عظیم

گلستانِ خاندانِ ہامان

پہلا باب

پہلا منظر

ہامان کا مکان

[نادینہ چرخہ کات رہی ہے ، مظفر سوت کھول رہا ہے، سہرنگار پرانے کپڑوں کو پیوند لگا رہی ہے ، ہامان مشغولِ عبادت ہے]

ہامان : گانا

صفت نام کی تیرے کیا ہو کریم
گنہ‌گار میں ، تو غفور الرحیم

ترا دونوں عالم پہ احسان ہے
ہر اک شے سے تیری عیاں شان ہے

تری ذات کو ہے ثبات و قرار
کہ دائم ترا نور ہے آشکار

نادینہ : یا اللہ ! عجب تیری قدرت ، بری میری قسمت ، بچوں کی وہ حالت اور یہ مصروفِ طاعت ۔ فاقوں سے جان لبوں پر آتی ہے ، ان بچوں کی آہ و زاری نہیں دیکھی جاتی ہے ۔

رنج و غم پیدا ہوئے ہیں اپنے کھانے کے لیے
نعمت و آرام ہے سارے زمانے کے لیے

مظفر : اماں جان ! تمھارا تو چرخے ہی پر خیال ہے اور ہم
کو بھوک کہاں ہے ، غش آ رہا ہے ، برا حال ہے -
اب روٹی بغیر چارہ نہیں ، صبر کا یارا نہیں ، جینا
گوارا نہیں -

مہرنگار : مادر مہربان ! ہمارا یہ سِن ، اور آج فاقوں کا دوسرا دن -
ہائے ہم کو ملا طعام نہیں ، بھوک سے طاقتِ کلام
نہیں - روٹی کا دم بھر رہی ہوں ، بغیر کھائے مر رہی
ہوں -

بادینہ : اے آرامِ دل و راحتِ جان اور اے نور چشم و
فرحتِ جاں - صبر کو کام فرماؤ ، نہ گھبراؤ ، ٹھہر
جاؤ - دیکھو میں کیا گل کھلاتی ہوں ، تمھاری
مصیبت اُن کو سناتی ہوں - ہردم کی طاعت چھڑا ،
روٹی منگاتی ہوں (ہامان سے مخاطب ہوکر) -

آپ یوں صبح و مسا خالق کی طاعت میں رہیں
اور چھوٹے چھوٹے بچے میرے فاقے سے مریں !

بھوک سے ہم ہوں پریشاں ، آپ عبادت میں رہیں
زندگی ایسی خدا کو کب پسند آئے ؟ کہیں !

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کرّ و بیاں

ہامان : **گانا**

من کو جو ہمرے پھیرا دکھا کے جلوہ
لگا دھیان تجھ سنگ ——— من کو

سمرن کریے ، نام تمھارا جپیے
من کا منکا لے لے مت بھٹکا کر کب بھائی بنا سنگ

نادینہ : آپ کو زیبا ہے یہ بچوں کی اُلفت چھوڑ دیں
فرض ہے فکرِ معیشت ، ہاں عبادت چھوڑ دیں
غم نہیں گر آرزوے مال و دولت چھوڑ دیں
لیک بے پروائی کی عادت کو حضرت چھوڑ دیں
میرا کہنا یہ نہیں ، حق کی اطاعت چھوڑ دیں

ہامان : کیا معیشت کے لیے میں اپنی عادت چھوڑ دوں ؟
بچوں کی خاطر خدا کی کیا اطاعت چھوڑ دوں ؟
عیشِ دنیا کے لیے عقبٰی کی چاہت چھوڑ دوں ؟
ایک دو دن کے لیے ہردم کی راحت چھوڑ دوں ؟
چھوڑ دوں تم کو، مگر اپنی نہ عادت چھوڑ دوں ؟

مظفر : بچوں کی خاطر نہ تم حق کی عبادت چھوڑ دو
ہم کو رنج و غم میں اے حضرت سلامت چھوڑ دو
بھوکے پیاسے چھوڑ دینے کی یہ عادت چھوڑ دو
فکر عقبٰی تم کرو ، اور ہم یہ آفت چھوڑ دو
میری اُلفت چھوڑ دو ، بچوں کی چاہت چھوڑ دو

ہامان : جورو اور بچوں کی بس دل سے محبت چھوڑ دوں
دل میں ہے صحرا بساؤں ، گھر کی اُلفت چھوڑ دوں
اپنے بیگانے کی بھی اب دل سے قربت چھوڑ دوں
عیش اور آرام کیا ہر ایک راحت چھوڑ دوں
یاد مولا کی کروں ، سب کی محبت چھوڑ دوں

مہر : دور فاقوں کی ہمارے سر سے آفت کیجیے
یا تو ہم کو قتل ہی حضرت سلامت کیجیے
بدلے اس اُلفت کے ، بہتر ہے عداوت کیجیے
ترک اس حیلے سے اب بچوں کی چاہت کیجیے
کنجِ تنہائی میں پھر حق کی عبادت کیجیے

ہامان : **گانا**

بندہ گر ہے تو دلا کر بندگی دل سے ادا
بندا خدا نے کیوں کیا ، کچھ غور کر اس پر ذرا
سرمایہ جان و مال کا ، کر یار پر اپنے فدا
کون و مکاں میں نور کا ، جس کے ہے جلوہ رونما
لالہ ہے ، سبزہ زار ہے ، رحمتِ کردگار ہے
بلبلِ دل نثار ہے ، عشق گلے کا ہار ہے

مظفر : جس کو اپنے پیارے برخوردار کی اُلفت نہیں
اُس کے دل میں حضرتِ غفّار کی اُلفت نہیں
زوجہ کی چاہت نہیں ، گھر بار کی اُلفت نہیں
کس لیے والد ! گلوں کو خار کی اُلفت نہیں ؟
باغباں کو حیف ہے گلزار کی اُلفت نہیں

ہامان : **گانا**

آخر مرنا ، سن لے گمانی ، جان سے پھر کیا ڈرنا
یار بِنا نہ جینا کیا ہے ، دھیان میں اپنے دھرنا

خواہ برا ہو ، خواہ بھلا ہو ، آخر تجھ کو چلنا
جھوٹی ہے یہ دار فانی ، ہے آخر کو مرنا ،

گیانی آخر مرنا——

ستّاں کا سگ ملا ، انگ جان میں ہرت پھرب اٹھلاتی
کیا ہےسادی ناشادی ، آزادی بربادی مس سن کے دل سے ،

بردت سبھوں کی توڑ ، خودی کو چھوڑ ، پیا سے جوڑ ،
نت رہے راضی—— آخر مرنا ، سن لے گیانی

نادینہ : زندگی میں ہم نہ آسودہ جو دم بھر ہوئیں گے
مر کے ، مٹ کے ، خاک ہو کے ، کیا نونگر ہوئیں گے

ایک دن بے سایہ یہ مہر و مظفر ہوئیں گے
بے بسی سے قبر میں ہم ان کی مضطر ہوئیں گے

کوئی دم میں ہم جدا بچوں سے مر کر ہوئیں گے

ہامان : یہ کیا غضب کرتی ہو ، مجھے سنا کر کیوں مرتی ہو - شرماتی نہیں ، اپنی حرکتوں سے باز آتی نہیں - لو میں یہاں سے جاتا ہوں ، جنگل بساتا ہوں - یہاں رہنا گوارا نہیں ، گئے بغیر چارا نہیں یادِ خدا بھولیں ، یہ کام ہمارا نہیں -

خاموش ہو خدا را ، نہ مجھ کو ستاؤ تم
بک بک کے مغز میرا نہ بیہودہ کھاؤ تم

اپنی طرح نہ دام بلا میں پھنساؤ تم
فاقہ کشی کا حال نہ ہرگز سناؤ تم
زندہ رہو کہ مر کے جہنم میں جاؤ تم

نادینہ : حیرت ہے ! عالی آپ کا جب خاندان ہے
شہزادوں میں بھی آپ کی یہ عالی شان ہے
شاہِ یمن کے بھائی کا تم سے نشاں ہے
یعنی چچیرے بھائی ہو ، کہتا جہان ہے
پھر کیا وہاں کے جانے میں نقصانِ جاں ہے ؟

ہامان : ہم کو شاہی چاہیے ، نے رشتہ داری چاہیے
رات دن تنہائی میں ، بس ذکرِ باری چاہیے
عرش کے بدلے ملے فرشِ زمیں آرام کو
مال ہم کو چاہیے ، نے تاجداری چاہیے

نادینہ : تاجداری چاہیے ، نہ ذکر باری چاہیے
اپنے بچوں کی مگر مقصد برآری چاہیے
وقت پر طاعت کرو ، مانو کہا کرتے ہو کیا ؟
اس طرح سے بیوی بچوں کی نہ خواری چاہیے

ہامان : ذکر مولا میں خلل کر کے ستاتے جاؤ گے
گھر سے میں صحرا کو جاؤں گا تو تم سکھ پاؤ گے

نادینہ : فاقے کرتے ہیں جو ہم ، اس کی سزا تم پاؤ گے
یاد رکھنا چھوڑ کر ہم کو بہت پچھتاؤ گے

[ہامان خفا ہو کر اٹھ کے جانا چاہتا ہے ۔
نادینہ دامن پکڑ لیتی ہے]

نادینہ : جاتے ہو تو جاؤ پر یہ تو کہو کب آؤ گے ؟
منہ ہمیں دنیا میں یا اب حشر میں دکھلاؤ گے

ہامان : میں نہ دیکھوں منہ تمھارے، تم نہ دیکھو منہ مرا
حق تعالیٰ سے یہی ہر دم ہے میری التجا

[ہامان دامن چھڑا کے چلا جاتا ہے، سب دیکھتے رہ جاتے ہیں]

دوسرا منظر

جنگل

[شیطان داخل ہوتا ہے]

شیطان : میں فرشتوں میں کبھی ممتاز تھا
بارگاہِ حق میں سر افراز تھا

جا کہ آدمؑ کا ہوا تیار جب
سجدہ کرنے کو ہوا پھر حکمِ رب

سب فرشتوں نے وہیں سجدہ کیا
میں کھڑا احوال تھا یہ دیکھتا

تا نہ افشا راز ہو اللہ کا
طوقِ لعنت اس لیے مجھ کو ملا

نام میرا خلق میں شیطاں ہوا
جب سے میں آدمؑ کا دشمن ہو گیا

ساتھ ہی آدمؑ کے جنت سے چلا
کرتا ہوں اب دوستی کا حق ادا

پہلے تھا مقبول اب مردود ہوں
جیسا میں ہوں ویسا انساں کو کروں

دام فریب بچھانا اپنا کام ، آدم کو پھنسانا اپنا کام ،
بدکاری کی رغبت دلانا اپنا کام ، اپنا جیسا مردود بنانا

اپنا کام ۔ مگر ایک شخص ہامان نام ، عقل خام ،
صبح و شام عبادتِ ربِ انام کرتا ہے ، عشقِ خدا کا
دم بھرتا ہے ۔ اپنی پرہیزگاری پر مغرور ہے ، اس کی
عقل میں فتور ہے ، مقامِ عسق سے بہت دور ہے ۔
اس کا دعویٰ رد کرنا ، نیک کو بد کرنا ، ضرور ہے ،
وگرنہ اپنا قصور ہے ۔

ہامان : گانا

آرام تو ہامان کو دیجیے ، آرام تو ہامان کو
عاصی ہوں رحمان ، اے سچے سبحان !
سلطانوں کے سلطان ،
اے رفیع الشان ! ہے یہ ارمان ،
آرام تو ہامان کو دیجیے
عاسق تیرا ہوں غفار یاد میں تیری زار و نزار
جان و دل سے تجھ پہ نثار
نام سے تیرے دل کو قرار، ہو مجھ پہ کرم اے رحمان
اس آن !
آرام آرام آرام آرام آرام تو ہامان کو دیجیے

[شیطان کا آنا اور ہامان کا کہنا]

واللہ پیاس کی مجھے سدت کمال ہے
پانی بغیر زندگی اپنی محال ہے
پانی ہو تیرے پاس تو للہ پلا مجھے
مرتا ہوں مارے پیاس کے للہ بچا مجھے

شیطان : پانی کے بدلے آئیے شربت پلاتا ہوں
میں تشنگی حضور کی دم میں بجھاتا ہوں
پھر پیاس پاس آپ کے ہرگز نہ آئے گی
صورت بدل کے اور ہی صورت بن آئے گی

[باہم شراب نوشی کرنا اور آوازِ غیب کا آنا]

آوازِ غیب :
شیطاں کو انسان بھلا کیوں کہتے ہیں بدکار
نہیں پلانا وہ اُس کو تو جو کر دے انکار
آیا نہ کچھ خیال میں ، جام پیا جو ہو سو ہو
آخر پڑا وبال میں ، جام پیا ، جو ہو سو ہو
عادت سے خراب ہے یاں ، اور وہاں عذاب ہے
حرص گنج و مال میں ، جام پیا جو ہو سو ہو
فکرِ مآل چھوڑ کر ، خوفِ زوال چھوڑ کر
پھنس کے گنہ کے جال میں، جام پیا جو ہو سو ہو

[ہامان کا سب ہو تعریف کرنا]

ہاماں : بہت نایاب شربت ہے
بہت بہتر یہ نعمت ہے
کہ جس سے دل کو فرحت ہے
پیوں بھر اس کو حسرت ہے

شیطاں : بہت نادر یہ شربت ہے
عجب کیا ہے جو رغبت ہے
اسی سے عیش و عشرت ہے
اسی سے دل کو فرحت ہے

ہامان : نام شربت کا کہو یہ پوچھتا رنجور ہے
پیتے ہی رنج و الم دل سے ہوا کافور ہے

خاطرِ غم‌دیدہ میری کس لیے مسرور ہے
کاسۂ جنت مگر یہ کاسۂ بلّور ہے
جس سے آنکھوں میں مری سارا جہاں پرنور ہے

شیطان : آپ کی تعریف کی حد سے بھی یہ شے دور ہے
ثانئی رستم بنے پیتے ہی جو رنجور ہے

آپ جو فرماتے ہیں، ہیں وہ خوبیاں اس میں ضرور
نام کے بتلانے سے بندہ مگر مجبور ہے
صاف کہہ سکتا نہیں، یہ شربت انگور ہے

ہامان : یہ خوش گوار آب ہے یا شربت گلاب ہے ؟

شیطان : یہ روکش سراب ہے صاحب، شراب ناب ہے

ہامان : تھوتھو کہ توشیطان ہے، انسان کا دشمن‌جان[1] ہے

شیطان : کتنا بڑا نادان ہے، کہتا مجھے سیطان ہے

ہامان : ہے ہے شراب مجھ کو پلایا، کیا خراب
طاعت پہ خاک ڈال دیا میری نا صواب

شیطان : فرحت ہو دل کو ایسا پلایا ہوں تم کو آب
بے شک ہے یہ شراب مگر کیا ہوا جناب ؟

---

۱ - ضرورت شعری نے اضافت حذف کرادی۔

ہامان : دے کے شراب میری زباں بند کر دیا
مردودِ بارگاہِ خداوند کر دیا

سیطاں : بے رنج مت، سراب نے خورسند کر دیا
پہلے سے رتبہ آپ کا دوچند کر دیا

انساں خوشی سے اپنی برا کام کرتے ہیں
سیطاں کو، کوئی پوچھے تو، بدنام کرتے ہیں

بوس ایک دو شراب کے جو جام کرتے ہیں
رہتے ہیں ساد، راحت و آرام کرتے ہیں

انداز سے پیو تو اسے نادان کچھ نہیں
ہیں فائدے بہت سے، پہ نقصان کچھ نہیں

ہامان : پینے سے اس کے سچ ہے طبیعت بحال ہے
بے سک نہ دور دل سے ہمارے ملال ہے
طاقت ہے تن میں، دل میں بھی جرأت کمال ہے
بیٹھا ہوں گو زمیں پہ فلک پر خیال ہے
کہتا ہے کون پینے میں مے کے زوال ہے

سیطاں : سراب پینے سے دل کی صفائی ہوتی ہے
سراب زنگِ کدورت کو دل سے دھوتی ہے

لکھی نصیب میں تیرے تو بادشاہت تھی
ضرور مرشدِ کامل کی تجھ کو حاجت تھی

ہامان : مرشد ہے تو ہی، رہبر کامل ہے، پیر ہے
اب کون میرا تیرے سوا دستگیر ہے

گانا

تن من دھن ہارے تو ہے پایا پیر
سب گلشن ڈھونڈھا ، نگرہاٹ سبھی
چھانڈ کیا بردیس ، جنگلوا آن بسی
تورے چرن پر سبس دھروں
موہے دے تو سدا دھیر——تن من دھن

[دونوں جاتے ہیں]

تیسرا منظر

دربار

[شاہ یمن نزع میں ہے ، ارکانِ دولت دست بستہ کھڑے ہیں]

وزیراعظم : اے وزرائے روشن ضمیر ، و اے اُمرائے برنا و پیر ! بادشاہ سخت بیمار ہیں ، کیا کریں تدبیر ؟ لاکھوں دوائیں دیں ، ہزاروں کھلائیں پلائیں ، وائے تقدیر کہ شفا پذیر نہ ہوئیں ۔ چند ساعت کی فرصت ہے ، قریب وقتِ رحلت ہے ۔ اب کیونکر انتظامِ ریاست ہو ، بعد شاہ کے کون ہے جو جلوہ آرائے تختِ ولایت ہو ؟

وزیر : نہ آپ کا فرمانا درست ہے ، مگر یہاں پائے تدبیر سست ہے ۔ مختار حضور ہے ، انھیں سے دریافت کرنا ضرور ہے ، پر کیا کریں ، سہ کی بیہوشی سے ہر ایک مجبور ہے ، تدبیر شرط ہے ، نہیں تو اپنا قصور ہے ۔

حکیم : یہ ارسطو و جالینوس کی دوا ہے ۔ اس کے سنگھانے سے یہی مدعا ہے کہ انسان نزع میں ہو تو فوراً طاقت پائے ، ہوش میں آئے ، جو کہنا ہو کہہ جائے ۔

[دوا کی شیشی دے کے کہنا]

لیجیے ، سنگھائیے ، آزمائیے ، دیر نہ لگائیے ۔

[وزیراعظم دوا سنگھاتا ہے ۔ بادشاہ کو ہوش آتا ہے]

بادشاہ : صبح ہوتی ہوگی تیاری ہماری ہائے ہائے
آج اس بہار پر ہے رات بھاری ہائے ہائے

وزیر اعظم : خداوند ! غلام کو پہچانا ؟

شاہ : (سر اٹھا کے) ہاں وزیراعظم ہو ، کہو کیوں پُر غم ہو ، کس لیے چشم پرنم ہو ؟

وزیر : خداوند کی طبعت کا کیا حال ہے ؟

شاہ : احوال کیا کہوں نیم جان ہوں ، کوئی دم کا مہمان ہوں ۔ دل بیقرار ہے ، شاید مفارقت درکار ہے ، جسم سے روح بیزار ہے ، ہر اک جدا ہونے پر تیار ہے ۔

وزیر :
ایک عرضِ خدمت گار ہے
خوشنودیٔ سرکار ہے
مایوسی اب بے کار ہے
شافی وہی کرتار ہے

شاہ :
کس بات میں گفتار ہے
کیا مشورہ درکار ہے
کہہ دے کہ دل پر بار ہے
اب سانس بھی دشوار ہے

وزیر : نہ سلطنت میں کہیں کچھ فتور ہو جائے
کہ بندوبست بھی اس کا ضرور ہو جائے

شاہ : تمھاری عقل سے یہ بات کیسے باہر ہے
کہ انتظام میں ہر ایک تم میں ماہر ہے

وزیر : غروب شمسِ جہاں ہو ، خدا وہ دن نہ دکھائے
کہ ماہ غم کا عیاں ہو ، خدا وہ دن نہ دکھائے

خداوند ! اگر یہ شمع پرنور ، بادِ ظلمت سے گل
ہو جائے تو بادشاہت کون پائے ۔ تخت و تاج کس
کے تصرف میں آئے ؟ کون حکومت کر دکھائے ؟

شاہ : ہاں اچھی بات سنائی ۔ بعد میرے یہ راج کون پائے ؟
افسوس نہ بیٹی ہوئی نہ بیٹا ، ہائے ہائے !

وزیر : کیا آپ کی برادری میں کوئی قریب و بعید والا تمکنت
ہیں ؟

شاہ : یوں تو دور کے رشتہ داروں میں دو تین شخص مستحق
ریاست ہیں ۔

وزیر : ان دو تین میں کون شاہی کا سزا وار ہے ؟ کون
زیادہ حق دار ہے ؟

شاہ : اور تو نہیں مگر ہامان با ایمان پرہیزگار ہے ، خوش اطوار
ہے ، نیک کردار ہے ۔ یہی دھیان ہر آن ہے ،
تخت و تاج اسی کے شایان ہے ۔ پر یہ خبر نہیں کہ
وہ کون سے صحرا میں حیران و پریشان اور
سرگردان ہے ۔

وزیر : انشاءاللہ فرمان آپ کا بجا لائیں گے ، ہامان کو لا ، تاج پہنا ، تخت پر بٹھائیں گے ۔ مگر افسوس یہ ہے کہ آپ سا سترور ، غریب پرور ، عدل گستر ہم کہاں سے پائیں گے ۔

[شاہ کا [illegible] اور سب کا سر جھکا کے کھڑے رہنا]

چوتھا منظر

راستہ

[مظفر کا عالمِ یاس میں گاتے ہوئے آنا]

مظفر : **گانا**

برا ہے غم سے حال میرا چھٹن میں
ان بن بن من بن میں چل نکلا
——برا ہے غم سے

بہتیرے دکھ جھیلا ، بھوکا
بن ان جل ، بیکل نکلا
——برا ہے غم سے

خدا پر اب سب کچھ چھوڑا
چل کر بن من ، بن ان جل، دم ہل پل نکلا
——برا ہے غم سے

یا پروردگار ! جانِ زار کس مصیبت میں گرفتار ہے ، نہ مونس نہ یار ہے ۔ نہ زندہ مادر ہے ، نہ نشانِ خواہر ہے ۔ افسوس کہاں جاؤں ،کیا کروں :

ہم ہوئے غم کھانے کو ، غم ہم کو کھانے کے لیے
اور سب پیدا ہوئے ہیں آب و دانے کے لیے

چھٹ گئی غمخوار جو مادر تھی اور ہمشیر تھی
زندہ میں بے کس رہا ، تکلیف پانے کے لیے

گانا

تو ہی کر خدا اب مددگاری
کہ ہے جان ہلکاں بے چاری
——تو ہی کر

رہا نہ کوئی غمخوار بھی میرا
کرے جو آ کے اس آن غمخواری
——تو ہی کر

ہوئی یمن میں قائم سلطانی
وہاں کی بازی سنتے ہیں سرداری
——تو ہی کر

نہیں جو چار دن سے کچھ کھایا
مانگوں بھیک جا کے بہ لاچاری
——تو ہی کر

پہلا باب

پانچواں منظر

دربار ہامان

[اہل دربار بیٹھے ہیں - چوبدار کہتا ہے ،
سب کھڑے ہوتے ہیں]

چوبدار : درباری با ادب ہوں کہ سلطان آتے ہیں
عالم پناہ ، یعنی کہ ہامان آتے ہیں

[ہامان مع سیطان تخت پر بیٹھتا ہے ، گانا شروع ہوتا ہے]

راشگر : **گانا**

بنا ہے ادھیراج نیا سرتاج
سہاوے سکھی آج نیا یہ راج

آنکھوں کا تارا ہے ، وا سے من ہارا ہے
تجھے بھی سرتاج ، بنا ہے ادھیراج

[خواصوں کا شراب پلانا اور ہامان کا کہنا]

ہامان : اے چوبدار ! وہ لڑکا جو ہمراہِ فقرا خیرات لے رہا ہے ، اُس کا دیدار دل کو بے قرار کرتا ہے ، اور چہرۂ پُر نور اُس گلِ بے خار کا دل کو عندلیبِ زار کرتا ہے - شتابی جا کر اُس کو دربار میں لا کر حاضر کر -

شیطان : (اپنے آپ سے)
مقرر وہ لڑکا ہامان کا پسر ، لخت جگر نیک کردار
ہے ، بد کاموں سے بیزار ہے - میں بھی شیطان
بے ایمان ہوں ، میخوار کر دوں گا ، ہر طرح گناہ گار
کر دوں گا -

ہامان : **غزل**

نہیں واقف جو ہم سے ، وہ ہماری آن کیا جانے
بھلا عزت کو انساں کی کوئی حیوان کیا جانے

شرر پتھر میں ہو ، ایسا ہے اپنا راز پوشیدہ
رموزِ باطنی اپنے کوئی نادان کیا جانے

جسے عرفان ہوگا وہ ہمیں پہچان ہی لے گا
جو اس سے بے خبر ہے وہ ہماری شان کیا جانے

[مظفر کا آنا اور ہاماں کا گانا]

ہاماں : **غزل**

سنا دے احوال اپنا پیارے ، کہ تیرے دل پر ملال کیا ہے؟
مہِ دو ہفتہ تو ہے گا بیشک ، گہن سے تجھ کو زوال کیا ہے؟
پدر کہاں ہے بتا تو تیرا ، نہ خوف کر ، بول چال کیا ہے؟
جو بحرِ حیرت میں غرق ہے تو ، یہ فکر کیسی؟ خیال کیا ہے؟
نڈھال کیوں ہے؟ ملال کیا ہے؟ بیاں تو کر دے سوال کیا ہے؟
ہو تیرے دل کی مراد حاصل ، سنا مفصّل کہ حال کیا ہے؟

مظفر : **گانا**

آس نراس بھئی آن بِن موری
کیا حال کہوں موہے تلملّیاں

——آس نراس

بھٹکت بن بن چھوڑ پدر ، ہمیں
رام نام دن رین حست ہے
تڑپ رہے ہم بھوکے پیاسے
ما چھری جو بن ساگر یاں

——آس نراس

پاماں : کردے بیاں تو جلد تر ، کس ملک میں ہے تیرا گھر
اظہار کر نامِ پدر ، اظہار کر کامِ پدر

مظفر : پاماں پدر کا نام ہے ، بس ذکرِ حق سے کام ہے
ایذا نہیں آرام ہے ، صحرا میں صبح و شام ہے

پاماں : سائل ہوں میں اس باب کا ، بتلادے اے دلگیر !
ہے ملتی یہاں کس سے ، تیرے باپ کی تصویر؟

مظفر : (بغور دیکھ کر)
کیجے شاہ عفو اگر ، بندے کی تقصیر
بے شک میرے باپ سی ہے آپ کی تصویر

پاماں : سلطان ہوں میں اور تیرا باپ گدا تھا
کیا میری ہی مانند ترا باپ ترا تھا ؟

مظفر : والد کا میرے آپ میں ہر ایک نشاں ہے
پر ایسی میرے باپ کی تقدیر کہاں ہے

پاماں : (مظفر کو چھاتی سے لگا کے)

غزل

اوج پر آئی پیارے اب تری تقدیر ہے
باپ کو شاہی ملی ، اب کس لیے دلگیر ہے

---

۱ - اصل میں اس جگہ 'کبھو' نہ - (وقار)

نام ہے ہامان میرا ، اے مظفر غم نہ کر
جو مری توقیر ہے ، اب وہ تری توقیر ہے
جا ملازم ، اس کو نہلا کر پنہا زریں لباس
گرد کلفت میں ہمارے چاند کی تصویر ہے
کر بیاں احوال اُن کا ، زندہ ہیں یا مر گئے
ہے کہاں پر تیری مادر اور کہاں ہمشیر ہے؟

مظفر : غزل

یہ بلبل دل اپنے چمن سے چھوٹا
جب مر گئی مادر تو وطن سے چھوٹا
صحرا میں پھرے بھائی بہن مدت تک
پتہ نہ کسی بن کا دہن سے چھوٹا
غائب ہوئی ساتھ جو ہمشیرہ تھی
افسوس کہ بھائی یہ بہن سے چھوٹا
صد شکر کہ پابوسی حضرت کے طفیل
بیٹا ستم چرخ کہن سے چھوٹا

[ملازم کا مظفر کو لے جانا اور شیطان کا کہنا]

شیطان : ہامان ! یہ خواصیں مینائے سراب ارغوانی ، سرور عشرت کی نشانی لاثانی ، جو بھرنے جاتی ہیں ان کے آنے میں عرصہ ہوتا ہے ، دور ٹوٹ جاتا ہے ، لطف صحبت نہیں آتا ہے ۔ اگر سر دربار مےخوشگوار کے خم منگائے جائیں ، دگنا مزا پائیں اور اُن کو محنت سے چھڑائیں ۔

ہامان : بےشک اے چوبدارو ! خمہائے شراب ناب سے دربار

آراستہ کردو ۔ یہ میرے پیر کا فرمان ہے ، کیا
نقصان ہے ، مرید حکم پر قربان ہے ۔ جاؤ جلد لاؤ ۔

وزیراعظم : کہتا ہوں گر قصور یہ میرا معاف ہو
وہ کام مت کرو، جو جہاں کے خلاف ہو

گو کہ بادہ خواری میں سرور نہایت ہے ، مگر گردشِ
چرخ درپے عداوت ہے ۔ جہاں کہ دورِ جام ہے ،
وہ جلسہ گردشِ چرخ سے تمام ہے ۔

شیطان : واہ وا ، وزیر کے کہنے میں کیا لطافت ہے ۔
دورِ جام سے دورِ چرخ کے ملانے میں کیا ظرافت
ہے ۔ دورِ چرخ کو کیا تاب ہے ، یہ دورِ شرابِ ناب
ہے ، اس کی گردش کب خراب ہے ؟

ہامان : کیوں نہ ہو ، یہ یگانہ ہے ، دانائے زمانہ ہے ۔

وزیر : مگر خداوند ! عین دربار میں خمِ شراب منگوانا ، پینا
پلانا ، دانائی سے دور ہے ، اگر یہی منظور ہے ، آقا
مختار ، بندہ مجبور ہے ۔

شیطان : ہے سب ناریک ، یہ دن تو نہیں
ہیں جواں سب ، کوئی کم سن تو نہیں

ہامان : پھر سب داناؤں میں ہے انتخاب
بند سب کا منہ کیا ، دے کر جواب
مے خوری[1] دکھلاتی ہے اکثر کمال
جو نہیں پیتے ، وہ پاتے ہیں زوال

۱ ۔ موزونیت ملحوظ خاطر ہے تو با دل ناخواستہ 'مے خوری' کو
'مے خری' پڑھیے ۔ (وقار)

رستم و حاتم بناتی ہے شراب
داغِ غم دل سے مٹاتی ہے شراب

[خمِ شراب کا دربار میں آنا ، ناچ شروع ہونا
اور مظفر کا لباس بدل کر آنا]

شیطان : طفل نہ ہامان با ایمان ہے
اس سے تیری جان کا نقصان ہے
گر بھلا چاہے بلا اس کو سراب
جلد کر ایمان ہو اس کا خراب

ہامان : بندہ بہ دل غلام ہے حکمِ جناب کا
مانوں گا جان و دل سے میں فرمان آپ کا
پی لے اے نوردیدہ ! پیالہ سراب کا
پینے سے اس کے پائے گا رستہ ثواب کا
کالا ہو تاکہ منہ غمِ خانہ خراب کا

مظفر : وہ کیوں پیے ہو غم جسے روزِ حساب کا
تا عمر منہ سے نام نہ لوں گا سراب کا
شاید کہ منہ سے اٹھ گیا پردہ حجاب کا
بد فعل راہبر نہ ہو راہِ صواب کا
معلوم ہوا اعتقاد آنجناب کا

وزیر : مے سے اب اجتناب بہتر ہے
کب یہ خانہ خراب بہتر ہے ؟

مظفر : مت کہو یہ شراب بہتر ہے
اس سے بس اجتناب بہتر ہے

شیطان : اپنا یہ انتخاب بہتر ہے
مے ز آب و گلاب بہتر ہے

ہامان : سب سے بے شک شراب بہتر ہے
چہرہ تیرا جواب بہتر ہے

مظفر : بے شک ہوئی سراب نجس لا کلام ہے
پینا بھی اور اس کا پلانا حرام ہے

ہامان : مفلس کا قول ہوگا کہ پینا حرام ہے
پیوے کہاں سے پاس نہ کوڑی نہ دام ہے

مظفر : جو بادہ خوار ہونا ہے، ہمیشہ خوار ہونا ہے
خفا جبار ہوتا ہے ، تو وہ فی النار ہونا ہے

ہامان : جو بادہ خوار ہوتا ہے، بہت ہشیار ہوتا ہے
عیاں اسرار ہوتا ہے، وہی دیں‌دار ہوتا ہے

مظفر : دور دل سے اب ہے خوفِ ذوالجلال
اور ہی کچھ آپ کا ہے اب خیال
مے فقط کیا جھونپڑی میں تھی حرام؟
ہوگئی کیا قصرِ شاہی میں حلال؟

شیطان : کس طرح بادہ نجس ہے دے جواب

مظفر : فعلِ شیطانی ہے یہ سنیے جناب

شیطان : مے بدی کے تخم کو بوتی نہیں

ہامان : مے کبھی عقلِ بشر کھوتی نہیں

مظفر : مے نجس ہے ، پاک وہ ہوتی نہیں

وزیر : جان کی اپنی اماں گر پاؤں میں
دل میں جو کچھ ہے، زباں پر لاؤں میں

ہامان : بخشی تیری جان میں نے ، کر بیاں
جو نہاں ہے دل میں تیرے ، ہو عیاں

وزیر : کہتے ہو بادہ کی تم کیا شان میں
آئیے انصاف کے میدان میں

شیطان : کہتا ہوں میں بدی کبھی دوتی نہیں سراب

وزیر : عقلِ بشر کو سر سے کیا کھوتی نہیں شراب؟

شیطان : شراب خواری خراب کیوں ہے ؟

وزیر : پھر یہ آخر عذاب کیوں ہے ؟

شیطان : مے پی کے کار بد کرے انساں کا کام ہے
مے کو خراب کہنا تو ناداں کا کام ہے

وزیر : ایمان دینا بندے کو سبحاں کا کام ہے
بے دیں بسر کو کرنا یہ سیطاں کا کام ہے

شیطان : اللہ پاک جس کو کہ ایماں عطا کرے
شیطاں کو کب ہے تاب کہ اس کو فنا کرے

وزیر : ایماں کی عطا جسے دولت خدا کرے
سیطاں اس کے دل سے وہ کیسے جدا کرے؟

شیطان : برا انساں کرتا ہے ، نہیں مالک سے ڈرتا ہے
گنہ کرکے مکرتا ہے، بدی سیطاں پہ دھرتا ہے

وزیر : کرم رحماں کرتا ہے کہ با ایماں کرتا ہے
برا سیطاں کرتا ہے ، بڑا نقصان کرتا ہے

شیطان : سیطاں کو کہا ضرور کہ نیکوں سے کد کرے
لیکن شراب پینے کی بھی کچھ تو حد کرے

وزیر : وہ کون ہے شراب کے پینے کی حد کرے
گو لاکھ قسمیں کھائے مگر کار بد کرے

شیطان : ہم جو شراب پی کے ہیں سرشار ہوگئے
اتنی سی بات سے ہی گنہ گار ہوگئے ؟

وزیر : جوانوں سے پیر زیادہ پیتے ہیں ، عقل و ہوس سے بری ہو ، مرتے ہیں ، نہ جیتے ہیں۔ مگر یہ نادان چھوٹی سی جان کباب کیا جانے ، شراب کیا جانے، انداز کیا جانے ، امتیاز کیا جانے ؟

شیطان : (جام شراب وزیر کی طرف لے جا کے)
لڑکوں سے کیا کلام ہے اے پیربا صفا
تو آپ نوش کر لے پیالہ شراب کا

وزیر : میں توبہ توبہ کرتا ہوں ، بدتر یہ کام ہے
پینے کا ذکر کیا ، اسے چھونا حرام ہے

شیطان : خیر میں دشمن ہوں تیرا ، باپ تو دشمن نہیں

مظفر : باپ کا دشمن نہیں ، تجھ سا کوئی رہزن نہیں

شیطان : بک رہا ہے کیا ؟ بڑا نادان ہے

مظفر : میں سمجھتا ہوں کہ تو شیطان ہے

ہامان : (خفا ہوکر)
بکتا کیا نادان ہے ، ہمارا پیر شیطان ہے ؟ ابھی خوار ہوگا ، گرفتار ہوگا ۔ خراب ہوگا ، عذاب ہوگا ۔ اے چوبدار ! اسی آن میں ، لے جا اسے زندان میں ۔

[چوب دار مظفر کو پکڑ کر لے جاتا ہے]

چھٹا منظر

جنگل

[مہر نگار کا گاتے ہوئے آنا]

مہر نگار : **گانا**

اب کس سے کروں فریاد مجھ پر سخت ہوئی بیداد
ہائے ہائے ہائے !

ماں چھوٹی مجھ سے بے بے، چھوٹا سب سنسار
ماں جایا بھی بن میں چھوٹا ، تنہا ہوں لاچار
جنگل میں میری کون کرے امداد
ہائے ! ہائے ! اب کس سے کروں فریاد

بن میں پیدا ہوتے ہی مرتی میں نادان
کیوں یہ آفت جھیلتی ، مشکل میں ہے جان
جان کو اپنی کر دوں اب برباد
ہائے ! ہائے ! اب کس سے کروں فریاد

کھا لے مجھ کو شیر کوئی ، یا کاٹے کوئی مار
آفت اور جنجال سے ، میں چھوٹوں اک بار
مالک میرا پیدا ہو جلاد
ہائے ! ہائے ! اب کس سے کروں فریاد

[سوداگروں کا آنا]

سب سوداگر: **گانا**

سنو صدا ہے آتی پیاری
کوئی روتی ہے بے کس ناری
سن لیں چل کے حقیقت ساری
ہے زور سے آہ و زاری

[مہر نگار کو دیکھ کے]

ملی یہ غم کی ماری
در تنہا ہے بے چاری
کیا سوچ کے اپنے من میں
آئی یہی دیوانے بن میں
ہے جاں مگر کچھ تن میں

نہیں پانی ہمارے پاس، ہے اس کو پیاس، بہت آزاری
یہی کرتی ہے غم بے چاری، سنو صدا ہے آتی پیاری

[قریب جا کر]

اے حور بے مثال! نیک خصال، یہ کیا حال پُر ملال ہے؟ بیان کر، کہاں سے آئی ادھر؟ اس صحرائے پر خار میں کس کی یاد ہے؟ کس لیے ناشاد ہے؟

مہر نگار: اے بندۂ خدا میں اپنے رنج کا ماجرا کیا بیان کروں۔ میں غریب بچاری آفت کی ماری، گھر چھوڑ، وارثوں سے منہ موڑ، اس صحرا میں آ گئی ہوں۔ خدا را تم مجھے یہاں سے لے جا کر کسی کے گھر میں نوکر رکھا دو، یا شہر کی راہ بتا دو، نہیں تو میرا سر تن سے اڑا دو، ہمیشہ کے عذاب سے چھڑا دو۔

سوداگر : اے نازنین ! گھبرا نہیں ۔ میں ہوں سوداگر ، تو چل میرے گھر ۔ تجھے گھر بھی دلا دوں گا ، وارثوں سے بھی ملا دوں گا ۔

[مہر نگار کا جانا ، سوداگر کا کہنا]

ملی بخت سے حور وش ، نازنیں
نہیں ثانی اس کا جہاں میں کہیں
لے جا کر اسے گھر جو سمجھاؤں گا
تو پھر وصل کی اس سے ٹھہراؤں گا

[سوداگر کا جانا]

———

ساتواں منظر

مکان

[سوداگر آتا ہے ، سپہر نگار بیٹھی ہے]

سوداگر :

گانا

پیاسے ہیں آبِ چاہ ذقن کے
چاہ دقن کے ، شیریں دہن کے
——— پیاسے

رشتہ نہ توڑو ، ہم کو نہ چھوڑو
سہرے گندھا لو، پیاری دلہن کے
——— پیاسے

شربت کے بدلے ، مصری کے بدلے
بوسے عطا ہوں سب ذقن کے
——— پیاسے

رشک قمر ہوں ، صاحبِ زر ہوں
جلسے دکھاؤں دولت و دھن[1] کے
——— پیاسے

سپہر نگار :

گانا

ارے جاہیے اگر نام ، بڑھا نیکی
نیکی بھلانے سے ، نیکی نہ پاوے رے

۱ - یہ مرکب جائز نہیں ، بدرجۂ مجبوری گوارا کیا گیا - (وقار)

نیکی ہی سے ہے نکو نامی زمانے کی
——ارے چاہے اگر
کر کے بدی آخر پچھتاوے رے
نیکی بنائے گی ہر بات زمانے کی
—— ارے چاہے اگر

سوداگر : ملنے سے تکرار کرنا کیا سبب؟
کھیے یوں جی سے گزرنا کیا سبب؟
وصل کی جب ہم سے تم ٹھیراؤگی
بھول کے غم ، عیس و عشرت پاؤگی
وصل سے گر تجھ کو ننگ و عار ہے
جبر کرنا کیا مجھے دشوار ہے ؟

مہر نگار : گر کرے گا جبر مجھ پر تو کبھی
سور محشر کا آٹھاؤں گی ابھی

سوداگر : وصل کے اقرار میں ہے آبرو
ہوگی رسوا کر کے کیوں انکار تو ؟

[سوداگر مہر نگار کو پکڑتا ہے]

مہر نگار : ارے موہے چھوڑ ، موری کلائی رے مرکیاں
ہائے رے پھنسی جان کیسی بلا میں
چھوڑ موہے ، کاہے رے جھنجھوڑیاں
——ارے
کر کے بھلائی ، ساری مٹائی
پائے رے دُکھن لاگی سگر مورے پوریاں
——ارے

[چند پڑوسی مع نائکہ آتے ہیں]

پڑوسی : رات بھر گھر میں کہو تو کون زاری کرتا ہے
کیا غضب ہے ، نیند کی وہ اپنی خواری کرتا ہے

سوداگر : کس کو دم دیتا ہے تو ، کیا تیرا تابعدار ہوں
اپنے گھر میں چاہے جو کرتا ہوں ، میں مختار ہوں

مہر نگار : اے نیک خصالو ! اس موذی کو ٹالو ، مجھے بچالو ۔
فریب والا تھا ، آپ میں ڈالا تھا ، مجھ سے برا کرنے والا تھا ۔

سوداگر : یہ سچ کہتی نہیں ، بالکل غلط اظہار کرتی ہے
یہ لونڈی وصل سے آنا ہی کے انکار کرتی ہے

پڑوسی : ہمیشہ نیند ہماری حرام ہوتی ہے
کہیں بھی پکڑی ہوئی لونڈی رام ہوتی ہے

سوداگر : بہت تدبیر کرتا ہوں کہ اس آفت کو ٹالوں میں
خریدے کوئی تم میں سے تو اس کو بیچ ڈالوں میں

پڑوسی : گر چاہے تو بھلا ، اسے گھر سے نکال دے
نادان اپنے سر سے اس آفت کو ٹال دے

نائکہ : یہی مرضی تمھاری ہے تو اس کو مول لیتی ہوں
بتاؤ اصل قیمت ، نفع اس کے ساتھ دیتی ہوں

سوداگر : لاکھ اشرفی دو ، کوڑی اگر چاہو تو کم نہیں
چاہے لو چاہے نہ لو ، مجھ کو ذرا بھی غم نہیں

نائکہ : لاکھ اشرفی کو لے کے بھلا اس کو کیا کروں
یہ کب کما کے دے گی ، جو قرضہ ادا کروں

زبانی : سنئے حضور ! میرے نزدیک رشک پری غیرت حور ، ایک سے ایک چھیل چھبیلی رنگیلی نوچی ہے ۔

سر و پا درست ، عیبوں سے بچی ہے۔ صورت لاثانی ہے۔
سیرت لایعنی[1]۔ گانے میں طاق ، شہرۂ آفاق۔ مگر
جس کا ڈیل نہ ڈول ، اُس کا لاکھ اشرف مول !

سوداگر : بری بھی رہی ، میری بھی رہی
یہ جو مول کہے گی وہ ہی سہی

پڑوسی : سو اشرفی پر یہ راضی ہیں ابھی لے آئیے
سستی کہا ہے ، مفت ہے ، لے جائیے

[نائکہ سو اشرفی دے کے مہر نگار کو لے جاتی ہے]

۱۔ گو بے معنی ہے ، لیکن اصل متن میں اسی طرح چھپا ہے ۔

آٹھواں منظر

قید خانہ

[ہامان و شیطان الگ کھڑے ہیں ، مظفر گاتا ہے]

مظفر : **گانا**

میرے نصیب میں تھا لکھا غم زنداں سہنا
ہے بہتر چپ رہنا ، میرے نصیب میں ۔ ۔ ۔
ہیں زندانِ بلا میں ، آب دانے کو ترستے ہیں
ہمارے حال پر اب عشرت و آرام ہنستے ہیں
یہاں رحمت کے بدلے ، ظلم کے بادل برستے ہیں
نہ ہم خاموش رہ سکتے ہیں ، اور نہ بول سکتے ہیں
میرا ہلاک دم ہوا ، رنج کسی کو کیا کہنا
ہے بہتر چپ رہنا ، میرے نصیب میں ۔ ۔ ۔

[شیطان کا ہامان سے کہنا]

شیطان : تم کرو اب بادہ پینے کا سوال
ہامان : آپ کی جانب سے ہو یہ قیل و قال
شیطان : پیارے اب حکمِ پدر تو مان لے
قید خانے میں نہ رہ کر جان دے
مظفر : مہرباں ہم پہ پدر ایسے جو ہاماں ہوتے
کس لیے ہم ، کہو ، پھر قابلِ زنداں ہوتے

ہامان :
گانا

سندر سُن مورے سجن پیارے
ساغرِ شراب سے نہ پھیر نظر کو
——سندر سن

جان کے ہو ہلکان نرے کیوں
جان کے ہم ہیں بچارے
جب تک جدا شراب پینا
کہتے ہیں عاقل سارے
——سندر سن

مظفر :
گانا

یہ والد! ہے کیسا ستم پر ستم
کہ فرزند پر ہے الم پر الم

ہوا کام جم کا ، چھپا جام جم
قدم پر تو خم کے نہ دو اپنا دم

پھراؤں نہ حق کے قلم پر قلم
پیوں مے نہ گر دو قسم پر قسم

ہامان : کروں گا ستم ، جلد مے نوش کر
مظفر : نہ ہرگز پیوں ، مار بھی دو اگر
ہامان : نہیں حکم مرشد کا میرے سنے گا ؟
مظفر : سنوں حکم خالق کا یا پیر جی کا ؟
ہامان : مصفّا ہو قالب ، بنے دل منوّر
مظفر : عوض بادہ پینے کے مر جانا بہتر
ہامان : یہاں کون ہے دیکھتا ، پی لے ساغر

مظفر : خدا کی نظر سے ہے کیا چیز باہر

ہامان : ارے ناداں کہہ دے کہ گُھم میں خدا ہے

مظفر : ستون میں ، شجر میں ، خدا جابجا ہے

ہامان : خدا ہے ستون میں یہی کہتا ہے ناداں

مظفر : وہ ہر شے میں موجود ہے، میرا سبحاں

ہامان : اسی کھم میں کیا ہے ، خدا تیرا پنہاں

[ستون کو لات مارتا ہے ، ستون میں سے سانپ نکل کے ہامان کو ڈستا ہے]

اُف الاماں ! اے سبحاں ! بچا جاں !

[ہامان شور کرتا ہے ، سلطان ہوا کر سنتا ہے ، سب آتے ہیں]

وزیر : حضور خیر ہے ، کیا ہوا؟ کیوں بے قرار ہیں؟ کیسے آثار ہیں ؟

ہامان : ارے مجھے سانپ ڈسا ، خداوندا! خداوندا! خداوندا!

وزیر : جلد جاؤ ، سانپ مہرہ لاؤ ، زخم پر لگاؤ ۔

[درباری جا کے مہرہ لاتا ہے ، وزیر زخم پر لگاتا ہے]

ہامان : افسوس ! صد افسوس ! اے بے ایمان سلطان ! مجھے دنیا سے کھویا ، کشتیٔ عبادت کو بحرِ عصیاں میں ڈبویا ۔ اے وزیر ! تو نے بہت پند سنایا ، مگر میں خاطر میں نہ لایا ، اپنے کیے کی سزا پایا ، آخر یہ دن پیش آیا ۔

(گھبرا کر) وہ مار سیاہ آتا ہے ، وہ لہراتا ہے ، وہ ڈسا چاہتا ہے ۔

(گر کے کہتا) افسوس ! اگر مریدِ شیطان نہ ہوتا تو مرتے وقت بے ایمان نہ ہوتا ۔

[ہامان کا مرنا اور سب کا گانا]

گانا

سب :

ہو بدی سے غم ، ہردم ، ارے آدم
انکار کرو ، بیزار ہو ، بدکاری سے ہردم
ایسے نہ بنو نادان ، کچھ کرو دھیان
کرو غور ذرا ، ہامان موا اور کھودیا ایمان
رکھو ہردم حق سے دھیان ، ملے امان
بدی کرنے والے کو ہو اول آخر ہے نقصان
جو فخر اطاعت نائے ، دنیا میں عزت پائے
عقبیٰ میں راحت پائے ، رہے یاد خدا ہی میں دم
ارے آدم

[سب کا گانا]

شکر خدا ہے کام ہر اک انس و جان کا
سوخی بھرا ہے رنگ بہت آسمان کا
آخر بدی نے کام کیا بد زبان کا
چمکا چمن میں رنگ اک خوش بیان کا
جو چاہے اپنی خواری ، وہ کرے بدکاری
حال دیکھا سب نے جیسا ہامان کا
سلطان مظفر دانا ! یہ سر پہ تاج شاہانہ
رکھو تم ، سایہ ہووے رحمان کا

دوسرا باب

پہلا منظر

نائکہ کا مکان

[نائکہ آتی ہے]

نائکہ : میں نے دن گنوائے ، بال بھی پکائے ۔ بہت سی حسنائیں دیکھیں دکھائیں ، بے حساب خوب روئیں میرے گھر آئیں ، سینکڑوں لڑکیاں پائیں ، اچھی اچھی نوجیئیں نچائیں ، مگر مہرنگار کی جیسی آفت روزگار ، حسین مہ جبین ، خوش رو ، خوش گلو ، سراپا ناز ، قسمت سے میرے ہاتھ آئی ، گویا غیب سے دولت پائی ۔ مگر نیک بخت نادانی کرتی ہے ، بد زبانی کرتی ہے ۔ پارسا عابدہ بنا چاہتی ہے ، اپنی ہٹ دھرمی سے ، ضد سے ، میرا نقصان کیا چاہتی ہے ۔

[مہر نگار کا آنا]

پیاری ! یہ ترس روئی چھوڑ ، تماش بینوں سے دل جوڑ ، آنے والوں سے منہ نہ موڑ ، مجھ غریب کی آس نہ توڑ ۔

مہر نگار : جزاک اللہ ! تم کو اپنے نقصان کا دھیان ہر آن رہتا ہے ، گناہ کا ارمان رہتا ہے ۔ دولتِ ایمان کے نقصان سے ڈرو ، برائی پر نہ مرو ، بدی چھوڑ نیکی کرو ۔

نائکہ : بے شک جب تو اپنے چاہنے والوں سے نہ ہنسے نہ بولے تو میرا نقصان نہیں ، اس بات کا تجھے تو دھیان نہیں ، مگر کیا میں انسان نہیں ؟ تیری شرارت کو سمجھتی ہوں ، نادان نہیں ۔

مہر نگار : خدا را ! مادر ایسی بری باتیں نہ سناؤ ، دیکھو نہ ستاؤ ، مجھ کو بدکاری سے روسیاہ نہ بناؤ ۔

گانا

بنا دل غم سے جنونی
کہیں سکھ بھری باتیں نہ سنی
محفلیں دلوں کی ہیں سونی
رہی بد تری سبھوں میں بسی
سب دنیا گرچہ چھانی
ہو دل سکن حو باب سلونی
چھوڑ دے بد عادت ، ہے زبونی
بنا دل غم سے جنونی

نائکہ : اے نادان ! مجھ کو کیا سمجھاتی ہے ۔ عاقل کو جاہل بناتی ہے ، نئے نئے فقرے سناتی ہے ، اپنی عصمت بتاتی ہے ، ناحق سر پھراتی ہے ۔ بس تجھ کو مان گئی ، علامائے دہر ہے ، جان گئی ۔

مہر نگار : **کبت**

وہ جو ہشیار ہیں ، نیکو کردار ہیں
آپ ہی بیزار ہیں ——ایسے خیال سے
اور جو بدکار ہیں ، زانی فجار ہیں
دنیا میں خوار ہیں ——اپنے اعمال سے

شوکت نہ پائی ، رحمت نہ پائی
جنت نہ پائی ——ایسے افعال سے

شامت نہ جائے ، آفت نہ جائے
زحمت نہ جائے ——شیطاں کی چال سے

جو کارِ بیسوائی پیشۂ ذی شاں سمجھتے ہیں
وہ مال دنیوی کو دولت ایماں سمجھتے ہیں
لعنت ہے ایسی دولت پر
لعنت ہے ایسی عزت پر

نائکہ : بارے یہ تو کہو نیکی سے کس نے عزت پائی ، عصمت والی کون سی مال‌دار ، بےسوا کون سی مفلس و خوار ہے ؟ اگر دیکھی ہو تو دکھا ، سنی ہو تو سنا ۔

مہر نگار : نائکہ کھوئی عزت ساری ، بد کا منہ کالا
نورانی ہیں نیکی والے ، صورت ہے اعلیٰ

بدکاروں کو بدکاری نے آفت میں ڈالا
نیک چلن سے ہر انساں کا رتبہ ہو بالا

نیک بنا دے تجھ کو گر وہ پیدا کرنے والا
نیکی کا ہو پھر ہردم تیرے دل میں اُجالا

نائکہ : اے مکار! تو ناچنے گانے آئی ہے یا سب کو نصیحت کرنے ، عابد بنانے آئی ہے ، کیا تمام عمر یوں ہی رہے گی ، شوہر نہ کرے گی ، کنواری مرے گی ؟

مہر نگار : کنواری کیوں رہوں گی ؟ اگر نیک مرد ، نیک چال ،

نیک خصال ہو ، اُس سے شادی کروں گی ،
خانہ آبادی کروں گی ۔ وصل کا حظ اٹھاؤں گی ،
دو جہاں کی نعمت پاؤں گی ، نیک نت کہلاؤں گی ۔

نائکہ : اے علامہ ! کیا کیا مکر کرتی ہے ، نیکی کا دم
بھرتی ہے ۔ حیلے بتاتی ہے ، مجھ کو دامِ فریب میں
لاتی ہے ۔ سنو ، اس کو کوئی نیک مرد درکار ہے ۔
لو ، یہ نیک بخت کی طلبگار ہے ، نماس بننوں سے
انکار ہے ۔ او خسلا ! تو کہا میرا نہ مانے گی ،
مار کھائے گی ، پچھتائے گی ، مر جائے گی ۔

سہر نگار : نہ مانوں گی ۔ کیا تیری تابعدار ہوں ؟ میں اپنے دل
کی مختار ہوں ، بدی سے بیزار ہوں ۔

میں ہدایت کے لیے تیری دعا کرتی ہوں
بس اسی شغل میں دن رات رہا کرتی ہوں

نائکہ : اری بسوا ! یہ تو اپنا روزگار ہے ، تو کیوں بیزار
ہے ؟ دعا کیا کرتی ہے بیان تو کر ، کس غرہ پر
مرتی ہے ، عیاں تو کر ۔

سہر نگار : **گانا**

یا رب ! اس سے ظلمت جائے ، رحمت آوے قریں
بدکاری سے نجات پا کر ، پائے یہ خلد بریں
مجھ کو گرچہ دکھانی چاہیں اس نے راہیں بری
لیکن ان سب برائیوں پر میرا دھیان نہیں
اس کو ہدایت عطا ہو یا رب ، چاہتی ہے یہ حزیں
خالی ہوں وہ برائیاں سب ، دل میں جو ہیں بھریں

غافل نہ ہو پر یاد سے بندی تیری
خالق میرے اس سے چھوٹے عادت ہر ایک بری
جرم و خطا سے ہو جاوے یہ بالکل بری
گرچہ نائکہ نہیں عضب سے ہرگز ڈری
برائیوں سے کر لے توبہ ، کر لے نس کھری

نائکہ : او خام پارہ کیا ڈال رکھا ہے خسارہ
سہر لگار : خاموس خدا را ، بس سر نہ دھرا ہمارا
نائکہ : کچھ مری بات کا جواب تو دے
رات کی بات کا جواب تو دے

سہر لگار : جواب جاہلاں باشد خموسی - کیا جواب دوں ؟ میری بات تو کچھ اور ہے ، تیرا کچھ اور طور ہے ، یہ جائے غور ہے - تو تو خود سیطان کی خالہ بنتی ہے ، اردر کا نوالہ بنتی ہے -

گانا

چلن چل بھلے ، میرا کہنا تو مان لے
چلن چل بھلے
نیکی بدی دونوں کا اصلا نہیں ہوتا اچھا رہنا
دنیا میں ایک جا
تو یقین جان لے ہوا ، نیکی کرے تو نیکی ملے
چلن چل بھلے

[پردیسی نوکر کا آنا اور کہنا]

پردیسی : ارے رام رام ! تم کیا یہ کرت ہو ، بل جوری کرت

ہو ، مرت ہو ۔ آٹھو ، آؤ ! درواجے پر دو چار سٹھ
سردار کھڑے ، دیر بھئی دیوانخانہ ماں بیٹھن کی رجا
مانگت ہیں ۔ مہر نگار کے کھریدار ہیں ، سہر کے
وجیر جادے طرف‌دار ہیں ، ناہیں ناہیں طلبگار
ہیں ۔ تمھارے نصیب جاگے جو اس بڑے آدمی کے
کدم آئے ۔ تمھارے گھر بھسریت لائے ، ناہیں تسریف
لائے ۔ بھگوان جانے یہ کبکے چرن کی برکت ہے ،
اسی بھگوان نو مہر نگار نجر برت ہے ۔

نائکہ : نو جا ، دیوانخانہ میں آن کو نٹھا ، سب اسباب موقع
سے لگا ۔ میں مہر نگار کو سمجھاتی ہوں ، بنا سنوار
کے اپنے ساتھ لے آتی ہوں ۔

پردیسی : ارے تمھوں کا اسباب اسباب کرت ہو ، کون سا
اسباب ہے ، کا ہم انجان ہیں ، جانت ناہیں ؟ پھکت
پاندان ، عطر دان ، گلاب دان ، چنگیر دان ،
اوگالدان ، پھولدان ، چائے دان ، سبھے دان
ای تھاں ہیں ۔ اسی اسباب لے کے کا کری ہیں ۔
ان لوگن کو تو طبلہ سارنگی ، ستارہ طنبورہ ، مجیرہ
ڈھولک مردنگ ، کا سوک ہے ، مہرنگار کی صورت
کا ذوک ہے ۔ اوہ کی صورت پر ، موہنی مورت پر ،
مرت ہیں ۔ یہ سامان بھی دیوان کھانا ماں سب کچھ
تیار ہے ، پھکت تمرے آنے کی بار ہے ۔ ہم
جاوت ہیں ۔

[پردیسی کا جانا اور نائکہ کا مہر نگار سے کہنا]

نائکہ : سن اے پیاری ! میں تیرے واری ! اب نصیحت

کرنا چھوڑ ، کسی سے منہ نہ موڑ ، چاہنے والوں
سے دل جوڑ ، مگر آس نہ توڑ -

سہر نگار : ہاں میں ان کے رو برو جاؤں گی ، ناچ دکھاؤں گی ،
گانا سناؤں گی - گر بدی کی بات کبھی سن پاؤں گی
خاطر میں نہ لاؤں گی ، یہاں پھر آؤں گی -

لائکہ : اری ایسا کرے گی تو تجھ کو کاٹ ڈالوں گی ،
مار ڈالوں گی - گھر سے نکال دوں گی ، بہت سے وبال
دوں گی - تو مجھے پہچانتی ہے ، میرا غصہ جانتی
ہے - چل -

دوسرا منظر

دیوان خانہ

[تماش بین بیٹھے ہیں ، مہر نگار آتی ہے]

تماش بین: صاحب آئیے آئیے ، ادھر آئیے ، مہربانی فرمائیے ۔

مہر نگار: یہ بندی کی مہربانی کیسی ؟ اگر خدا مہربان ہو تو مشکلیں آسان ہوں ۔ آپ کو گانا سننا درکار ہے ، سنیے بندی گانے کو تیار ہے ۔

مہر نگار: گانا

بدکاری بازی کرنے جو تم آئے ، تم آئے
بد چلن یہ کس نے سکھائے ، بتائے
خطر ہو گھر کا ، سر کا ، زر کا
نظر ادھر جو اٹھائے ملائے — بدکاری

تماش بین: نہ پند و نصیحت چھوڑو ، دلِ عاشق نہ توڑو ۔ ادھر بھی دل لگاؤ ، کوئی چیز گاؤ ، سناؤ ۔ بھاؤ بتاؤ ، دل لبھاؤ ۔

مہر نگار: تمھاری آنکھیں تو ضرور ہیں ، مگر بے نور ہیں ، بصارت سے مجبور ہیں ، کان سماعت سے دور ہیں ، ہمیشہ سے بدکاری کی علّت ہے ، نیک کاموں سے نفرت ہے ، دلوں پر زنگ کی کدورت ہے ، مگر سمجھانے کی ضرورت ہے ۔

گانا

بدکاروں کو ملے ۔ روری ، نیکوں سے ہیں بدی کرتے
کر کے بدی کے کام برے سب ، نیکوں سے ہیں نہیں ڈرتے

کیسے پہلے رہبر تھے ، نیکی پر تھے سر دھرتے
کام نہیں ایسے تھے کرتے ، نیکی کا تھے دم بھرتے

برائی پر ہیں وہ مرتے ، دنیا کا ہیں غم کرتے
نیک برائی کب ہیں کرتے ، کیوں ہو بدی پر دل دھرتے

تماش بین : یہ وعظ ہے گانا نہیں ، نصیحت ہے ترانہ نہیں ۔ نائکہ ! آپ نے تعریف کی تھی کہ بہت عمدہ گاتی ہے ، ناچتی ہے ، بتاتی ہے ۔ پر یہ ہتھیلی پر دوزخ و جنت دکھاتی ہے ، حوروں کی یاد دلاتی ہے ۔

نائکہ : بارہ برس کتے کی دم نلی میں رکھی ، جب نکلی ٹیڑھی کی ٹیڑھی نکلی ، توبہ توبہ ۔

مہر نگار : بدچلنوں کو راہِ نیک بتانا ، پانی پر نقش جمانا ، یا ہوا میں گرہ لگانا ۔

تماش بین : یہی گاؤ گی یا اور کچھ سناؤ گی ؟

مہر نگار : غزل

کیا زنا کاری کا تحفہ دارِ فانی کے لیے
ہدیۂ طاعت ہو رب کی شادمانی کے لیے

کیوں بدی کیجے دو روزہ زندگانی کے لیے
نیک نامی بس ہے عیش جاودانی کے لیے

عمر آبِ نہر سے سرعت میں افزوں ہے رواں
حشر میں ترسیں گے پیاسے ، بوند پانی کے لیے

سنو ! جو بدکار ہے، داخلُ النّار ہے، جو نیک کردار ہے
اُس کے لیے خلد کا گلزار ہے - نیکی چھوڑ بدی کرنا،
خدا کی نافرمانی کرنا ، دین دار ہو بے ایمانی کرنا ،
تھُو تھُو ہے ، تُف ہے ، لعنت ہے ایسی سمجھ پر -

تماش بین : (نائکہ سے) یہ تو کوئی بلائے نا گہانی ہے ، آفت
آسمانی ہے - ارے اس عابدہ کو مکان سے نکال دے ،
سر سے آفت کو ٹال دے ، جو تیرے سر پر ٹوٹی
ہے ، تیری قسمت پھوٹی ہے - یہ عشقیہ غزل نہ
گائے گی ، فقط وعظ و نصیحت سنائے گی ، رندوں کو
عابد بنائے گی ، کڑے فقرے سنائے گی ، اپنا غصہ
دکھائے گی -

مہر نگار : تم لوگوں کی کیسی چال ہے ؟ کیسا خیال ہے ،
نا حق کو حق جانتے ہو ، بدی کو نیکی مانتے ہو -
بدی سے کیا آبرو نہیں جاتی ؟ بد فعل کرنے سے شرم
نہیں آتی ؟

نائکہ : اسی کے پاس مسلمانی ہے ، کسبی کے مکان میں ایک
بڑی ایمانی[1] ہے -

تماش بین : یہ تیری بدقسمتی ہے - اری کم بخت تو دیوانی ہے -
کدھر ہے خیال - بہرحال اس کے ٹکے کر ڈال ،
نکال نکال ، بکھیڑا ٹال -

نائکہ : سچ کہتے ہو میاں ! میں خوشنود ہوں ، بیچنے کو
موجود ہوں - کوئی خریدار بڑی تو ہو ، ایسا زردار
بھی تو ہو -

---

۱ - ایماندار کے معنوں میں - قافیہ پیمائی نے یہ گل کھلایا ہے - (وقار)

تماش بین : یارو وعظ بہت سنے، چلو جائیں ، کسی ڈیرے دار کے مکان پر دل کو بہلائیں ۔

[نائکہ سے]

کسی طرح سے تو اس بلا کو نہ اپنے سر سے جو ٹال دے گی
یقیں ہے تیرے یہ مال دھن کو بہت ہی جلدی زوال دے گی

جو اور تیری سب نوچیوں کو سکھا یہ اپنی ہی چال دے گی
تو اس کے جیسے جواب تجھ کو ، ہر ایک صاحب جمال دے گی

گنوا کے آخر یہ سارے گاہک ، تجھے شہر سے نکال دے گی

[تینوں تماش بین جاتے ہیں ، روشن ضمیر نائکہ سے کہتا ہے]

روشن ضمیر: حکم دو تم نائکہ تو اس کو سمجھاتا ہوں میں
میٹھی میٹھی کرکے باتیں راہ پر لاتا ہوں میں
تم الگ ہو جاؤگی تو گفتگو کا لطف ہے
کچھ ہنر تسخیر کا یاں اپنی دکھلاتا ہوں میں

نائکہ : خوب ہے ، اس کو آپ سمجھائیں
مری مرضی ہے راہ پر لائیں

آپ کا میں نہ بھولوں گی احسان
جاتی ہوں میں نہ آپ شرمائیں

[نائکہ جاتی ہے]

روشن ضمیر: (مہر نگار سے)

تم کو انکار ان کمینوں سے
میں بہت خوش ہوں ان قرینوں سے

سن نصیحت کو آپ کی بخدا
میرے دل میں ہوا اثر پیدا

مہر نگار : مرحبا آپ نیک باطن ہو
حد سے افزوں خوشی ہوئی دل کو

روشن ضمیر : کیوں نہ اس بات کا تاسف ہو
اسیرِ زنداں میں تم سا یوسف ہو

مہر نگار : میری تعریف کیا حضور کی ہے
میری توصیف کیا حضور کی ہے

روشن ضمیر : چلیے گھر کو مکان حاضر ہے
اور چاہیں تو جان حاضر ہے
آپ پر کر کے مال و زر قرباں
نائکہ سے چھڑاؤں جانِ جہاں

مہر نگار : مہرباں آپ ہر خدائے انام
سوچیں آغاز کا مگر انجام
وصل کے بعد مجھ سے گھبرائیں
والدین آپ کے جو پھر جائیں

روشن ضمیر: **گانا**

سن اے غم خوار ، گل رخسار ، جانِ من
پری اطوار ، خوش گفتار ، جانِ من
ہوئی مشکل کہ دل مائل ہوا تجھ پر
گلِ گلزار ، خوش رفتار ، جانِ من
پدر مادر اگر جی کا بتائیں ڈر
نہ چھوڑوں گا تجھے زنہار ، جانِ من

مہر نگار :

گانا

جدا ہو ہم سے ، رہو حزیں سفر کے غم سے
یہ نہ ہوگا ہم سے

رتبہ تمھارا کمتر ہم سے، ہووے برا ہے سم سے
جو تم پوچھو ہم سے ——— جدا ہو

بدتر ہو برتر بہتر سے، کیوں نہ خفا ہو دم سے
سدا ارہم سے ——— جدا ہو

تانبانہ ہووے بہتر زر سے، سنگ برا ہےدرہم سے
مریں ہم غم سے ——— جدا ہو

کچھ آپ پر آفت نہ آئے ، کنبہ چھٹے عزت نہ جائے ۔ دور اندیشی ضرور ہے ، آغاز میں انجام نہ سوچنا عقل سے دور ہے ۔

روشن ضمیر :

اے گلبدن ، اے جانِ من ، گھر بار کی پروا نہیں
اے سیم تن ، سن یہ سخن ، یہ ڈر مجھے اصلا نہیں
بگڑیں اگر سب اقربا ، والد چھٹیں یا والدہ
چھوڑوں تجھے اے دلربا ، میں بے وفا ایسا نہیں

مہر نگار : خدانخواستہ آپ کے والدین آپ کو گھر سے نکال دیں یا کسی آفت میں ڈال دیں تو یہی آپ کا جی کہے گا کہ اس رنڈی کا نحس قدم ہوا ، گھر میں لاتے ہی گرفتارِ غم ہوا ۔ والدین سے دور ہوا ، سخت مجبور ہوا ۔ اجی نکالو بھی ، اس غم کو ٹالو بھی ۔ رنڈی سے دل لگانا مصیبت اٹھانا حاصل، گھر چھوڑنا بزرگوں کا دل دکھانا حاصل ۔

روشن ضمیر: تم کو چھوڑوں نہ میں خدا کی قسم
منہ کو موڑوں نہ میں خدا کی قسم
ہے قسم والدین کی جاں کی
ہے قسم اپنے دین و ایماں کی
ہے قسم تیری پارسائی کی
ہے قسم تیری خوشنمائی کی
مصحفِ رخ کی ہے قسم تیرے
دل سے بندے ہوئے صنم تیرے

مہر نگار : **گانا**

دل آرا تو ہے گا میرا
دل میں یہی ارمان ہے پیارے
ہووے وصال اب میرا تیرا
دل آرا تو ہے گا میرا
تم پہ مصیبت آئے قضا را
رنج سے دم جائے گا ہمارا
چرخِ حسن کا روشن تارا
پیارا تو ہے گا ہمارا
چھن چھن دل جاں تجھ پر واروں
دھن من تن اس قد پر ہاروں
دل آرا تو ہے گا میرا

روشن ضمیر: **گانا**

بات کے واری واری سن سن اے دلبر

کاہے کاہے پیاری منہ کا ہے نن من سب تج دینو
بات کے ..

سجن سکھی تورا سن سن، اُسی آن واروں جان پیاری،
جان واروں جان سن سن

پل چھن، سدن ، ہردم گن گن ہر باری ، اے پیاری
جان کروں نثاری، پیاری

دل جانی، جانی موری بات تو نے مانی ، توری دھن
میں نے مانی پیاری ساری ساری

بات کے واری واری

[مہربندر کا روس ضمیر کے گلے ملنا ، نائکہ کا آنا
اور مہرنگار سے کہنا]

نائکہ : کیوں ری مجھ کو سانی بھی کیا ، اپنی عصمت جتاتی بھی کیا ۔ پایا جو یہ جوان اچھا ، چھوڑ عصمت لٹ گئی ستنا ۔ کر دکھائے جو حسن کو زر بیچا ، لڑے بول کا سر نیچا ۔

روس ضمیر : نائکہ جی تمھارا کدھر خیال ہے؟ ان سے بھلائی جانا محال ہے ۔ ان پر تم جو برے کام کا طوفان دھرتی ہو ، برا کرتی ہو ، انصاف سے گزرتی ہو ۔

نائکہ : واہ میاں جی چھبل چھبیلے ، خوب کھیل کھیلے ۔
ادھر کی تو رہی، اُدھر کی کہی ، خیر یوں ہی سہی ۔
دانا دام میں آ جاتا ہے ، سیانا کوّا کتا کھاتا ہے ۔
لازم تو ہے ہوئے جنی ، سیکھی کرے انسان آنی ۔

مہر نگار : کیا کہتی ہے پھاپھا کُٹنی ، ویرانے کی کالی بُھتنی ۔
چڑکے دیتی ہے ، باتوں میں طعنے دیتی ہے ۔

گھانوں میں چیل کی جیسی چلاتی ہے ، کتیا بن کر گھڑکاتی ہے - بد ملتے ہیں بدکاروں سے ، اچھوں سے ہیں اچھے ملتے -

روشن ضمیر: نائکہ جی ! باتیں نہ بنائیے ، جھگڑا مٹائیے ، ان کی کہا قسمت لیں گی ، سنائیے -

نائکہ : قیمت جو دینا ہو مجھے، بہتر ہے لائیے
پھر خدا بلا ہے یہ ، مجھ کو چھڑائیے

روشن ضمیر: اے نائکہ جی اشرفیاں سو اُٹھائیے
پھر سواری جلد میانہ منگائیے

نائکہ : (اشرفیاں اُٹھاتے ہوئے)

سواری ہے تیّار بھی بھی پائی
مگر مہر جائے تو دولت بھی پائی

[نائکہ جاتی ہے]

روشن ضمیر: گانا

ہے نو زینت چمنی، لالہ بدنی ، غنچہ دہنی
چشم غزال ایسی نہ بنی
چہرے سے ہے خجل چاندنی

ہے نو زینت ——

تو ہے نظروں بی بنی
تیری عصمت بنی، تیری حرمت بنی
تیری عزت بنی

ہے نو زینت ——

اے مہرِ پُر نور ! رشکِ پری ، غیرتِ حور !

خاص آپ کے لیے الگ مکان رسکِ گلزار ہوگا ،
موجود لونڈیاں خدمت گار ہوگا ۔ میانہ در پر موجود
ہے ، حاصل مقصود ہے -

گلرار و قصر تجھ سے ہو دلدار کے لیے
حاصر ہر ایک چیز ہو سرکار کے لیے

لیکن یہ راز باپ سے خونخوار کے لیے
ساری چھپانا چاہیے ، ہر بار کے لیے
قاصی جو آئے عقد میں ، وہ جانتا نہ ہو
ہم تم کو جانتا نہ ہو ، پہچانتا نہ ہو

مہر نگار : **گانا**

واروں جانی سنو یہ میری زبانی
حکم تیرا دل سے ہوں مانی

——واروں جانی

حکم تیرا جان ، مانوں میں ہر آن
حوروں میں بھی ہو لاثانی

——واروں جانی

دوسرا باب

تیسرا منظر

وزیر کا مکان

[وزیر اپنے پسر روشن ضمیر کا شکوہ کرتا ہوا آتا ہے]

وزیر : میرا فرزند سوفین ہے ، تماش بین ہے ۔ رنڈیوں میں جاتا ہے ، زر و جواہر اڑاتا ہے ۔ خدا خیر کرے ، کہیں ذلت نہ پائے ، عزت نہ جائے ۔ نہایت دل گھبراتا ہے ۔ مجھ کو صحبح خبر ملی ہے (سامنے دیکھ کے) وہ روبرو کون آتا ہے ؟ ہاں ہاں نساط علی ہے ۔

[نشاط علی آتا ہے]

نشاط علی: خداوند آقا کو ہے بندگی

وزیر : رہو خوش سدا اے نساطِ علی
کہو کیا خبر پائی اُس بات کی

نشاط علی: خبر پوچھیے (گا) نہ کل رات کی
تامل ہے اس سے گنہگار کو
کہیں رنج و غم ہو نہ سرکار کو

وزیر : مجھے رنج ہو (یا) نہ ہو مجھ کو کیا
بتا حال جو کچھ ہے تو نے سنا
مرے رنج اور غم کی پروا نہ کر
مرے دل کے دکھنے سے ہرگز نہ ڈر

نشاط علی: کروں عرض گو ہے طبع کے خلاف
وزیر : جو کہنا ہے کر دے بیاں صاف صاف
نشاط علی: ہوا بیاہ کسبی سے فرزند کا
وزیر : بیاں یہ نو کر ، کس کے فرزند کا ؟
نشاط علی: پسر ہیں جو حضرت کے روسن ضمیر
وزیر : پھنسا جا کے کسبی سے روشن ضمیر؟
نشاط علی: مگر پاکدامن ہے وہ شک نہیں
وزیر : بھلا رنڈی بھی پارسا ہے کہیں ؟
نشاط علی: یہ سچ بات ہے پاکدامن ہے وہ
وزیر : مگر یہ تو سچ ہے کہ کسبی ہے وہ
مکرّر تو احوال آ دوچھ کر
نشاط علی: وہ لیجے کہ تشریف لائے ادھر
مجھے اب اجازت ہو اے نامور !

[نشاط علی کا جانا اور روس صمیر کا آنا]

روشن ضمیر: بندگی لیں قبلۂ امن و اماں
بندگی لیں حامیٔ درماندگاں
بندگی لیں ظلِ سحانی مرے
بندگی لیں بندگی ، اے بابا جاں

وزیر :

ذلت دہِ کل خانداں	بس بند کر اپنی زباں
گم کردۂ نام و نشاں	بس بند کر اپنی زباں
صورت نہ دکھلا اب مجھے	یہ صاف کہتا ہوں تجھے
نفرت ہوئی ہے شکل سے	جب سے قرینے سب سنے

روشن ضمیر: خدمت میں ہے کچھ عرض حال
سن لیجیے یہ قیل و قال

وزیر :

ذلت دہِ کل خانداں بس بند کر اپنی زباں
ہے تیری صورت سے ملال بھاتا نہیں ہے قیل و قال

روشن ضمیر: لایا ہے گھر میں نیک کو
بس عفو یہ تقصیر ہو

وزیر :

کسبی تجھے منظور ہو چل سامنے سے دور ہو

روشن ضمیر:

کسبی نہیں، وہ پاک ہے وہ صاحبِ ادراک ہے

وزیر :

تیری سمجھ پر خاک ہے کسبی کو کہتا پاک ہے

روشن ضمیر:

وہ شیر ہے گی، ستم نہیں ہے پارسا، کچھ غم نہیں

وزیر : ابیات

اس خانہ آبادی کو بری آگ لگا دوں
اس کسبی سے شادی کو بری آگ لگا دوں
گفتارِ جہالت ملے، انصاف سے کیوں کر
پیوند کمینے کا ہو اشراف سے کیوں کر

روشن ضمیر: ہو عفو خطا میری، کمنی وہ نہیں ہے
اشراف ہیں ہم، ہم سے بھی اعلیٰ وہ کہیں ہے
تھا ابر کے پردے میں نہاں مہرِ منوّر
ہے گھر میں وہی جلوہ کناں مہرِ منوّر

وزیر : ہو نیک کام کیسا بدی کے مکان میں
رنڈی کے گھر میں رہ کے رہے حق کے دھیان میں
ممکن نہیں وہ نیک ہو عورت جہان میں

روشن ضمیر: نیک رن جو ہے ، نہ ہوگی بسوا کے گھر خراب
خاک پر گرنے سے ہو سکتا نہیں گوہر خراب

وزیر : ہے غرق تو سباب کی بالکل ترنگ میں
کیا فرق پائے گا تو لعل و سنگ میں
مکّارہ تجھ کو اُلّو بنانا ہے چاہتی
غارِ بلا میں تجھ کو گرانا ہے چاہتی

روشن ضمیر: بے ادبی معاف ہو ۔
وہ نیک رہ پہ مجھ کو چلانا ہے چاہتی
غارِ بلا سے مجھ کو بچانا ہے چاہتی

وزیر : سچا ہے تو ۔
راضی نہیں ہوئی ہے وہ دلبر کے واسطے
یا جاں کے واسطے مری یا زر کے واسطے
کیا نیک چاہتی ہے یہ شوہر کے واسطے

روشن ضمیر: خیر جو ہونا ہوگا وہ ہوگا ۔
کی شادی اس سے آبروئے گھر[1] کے واسطے
نام آوریٔ والد و مادر کے واسطے
پیدا ہوا تھا میں اسی دلبر کے واسطے

وزیر : بیسوا سے شادی ہے کرنے کو تو راضی ہوا
نام کنبے کا مٹا ، مرنے کو تو راضی ہوا
زندگی بھر اس کا دکھ بھرنے کو تو راضی ہوا

---

۱ ۔ 'آبروئے گھر' کی ترکیب بھی اُن کئی غلط ترکیبوں میں سے ایک ہے جو ڈرامے میں جا بجا استعمال ہوئی ہیں ۔ (وقار)؟

روشن ضمیر: شادی اس سے اے پدر کرنے کو میں راضی ہوا
نام کنبے کا مٹا مرنے کو میں راضی ہوا
عمر کے دن عیش سے بھرنے کو میں راضی ہوا

وزیر : کسبوا سے گھر بسانا ، نیک سمجھا ہے پلید
نام کو بٹا لگانا ، نیک سمجھا ہے پلید
تو نہیں فرزند میرا لا کلام
میرے گھر میں اب نہیں ہے تیرا کام

چوتھا منظر

مہر نگار کا مکان

[مہرنگار بیٹھی ہے ، روشن ضمیر کی یاد میں گاتی ہے]

مہر نگار : غزل

صد شکر کہ گلزار محبت کا کھلا گل
کیا بلبلِ شیدا کو مصیبت سے ملا گل
اک سروِ وزارت سے ہوئی ہے مری شادی
میری تو مصیبت سے ، اذیت سے ، ملا گل
صیّاد وزیری سے ہے ترساں دلِ بلبل
شکوہ کرے گر باغ کا مالی تو چھٹا گل
گل کھائے بدر اس کا د. . ادی سے ہماری
مرجھائے نہیں ہو کے شگفتہ نہ مرا گل

[روشن ضمیر کا آنا اور مہر نگار کا جدا ہو کے کہنا]

کہیے صاحب کس لیے دیری ہوئی
کیا نئی سوکن کوئی میری ہوئی

روشن ضمیر: توبہ توبہ آپ یہ کہتی ہو کیا ؟
ہوش رکھیے ، کون سوکن کیا بلا ؟

مہر نگار : جانتی ہوں کوئی تازہ گل کھلا
واہ صاحب آفریں ! صد مرحبا !

روشن ضمیر: آپ کے کہنے کو میں سمجھا نہیں
راز کیا ہے، کیجیے افشا کہیں

مہر نگار : آپ کا بھولا پنا میں جان لی
آپ کے افعال سب پہچان لی

روشن ضمیر: مجھ پہ کرتی ہو عبث بہتان تم
کیا غضب کرتی ہو مری جان تم

[روشن ضمیر مہرنگار کا ہاتھ پکڑتا ہے۔
مہر نگار خفا ہو کر کہتی ہے]

مہر نگار : پکڑو نہ ہاتھ میرا، نہ نزدیک آؤ تم
اب تک تھے جس کے پاس اسی پاس جاؤ تم
لپٹو اسی کو، اپنے گلے سے لگاؤ تم
یہ لفظ 'میری جان' اسی کو سناؤ تم
ہٹ جاؤ دور ہو، نہ خدا را ستاؤ تم

روشن ضمیر: دشمن بنے جس دوست کی خاطر ہیں پدر کے
اب مورد بہتاں ہیں اسی رشک قمر کے
غم کھانا پڑا آپ سے شادی ہمیں کر کے
قابل رہے اس در کے، نہ ماں باپ کے گھر کے
افسوس رہے ہم نہ اِدھر کے نہ اُدھر کے

خیر صاحب! گناہ گار ہوں، تقصیر وار ہوں۔
اب یہاں سے جاتا ہوں، کوہ و صحرا بساتا ہوں۔
آخر مر جاؤں گا، آپ کو منہ نہ دکھاؤں گا۔

بیت

ہو مبارک گھر تمھیں جاتے ہیں ہم
آ کے ملنے کی قسم کھاتے ہیں ہم

[روشن ضمیر تنگ ہو کر جانا چاہتا ہے ،
مہر نگار گلے سے لپٹ کر کہتی ہے]

مہر نگار: نامِ شادی سن کے والد آپ کے مسرور ہیں
یا کہو ناشاد ہیں ، غمگین ہیں ، رنجور ہیں

گانا

روشن ضمیر: ہاں جو کر چکی صنم تو ہم سے
حکم وہی ہے سجاں کا
جھڑکا ، گھڑکا ، لپکا ، جھپکا
بیری پدر ہے اب جاں کا

——— بیان جو

راہ کرم کی چھوڑ ، خفا ہو
حکم سنایا غصے میں
ٹل جا ، ہٹ جا ، ٹل جا ، چل جا
باپ نہیں میں مجھ ناداں کا

———بیان جو

بسر بدیس میں کروں میں جا کر
حکم اگر ہو دلبر کا
اختر چمکا غم کا کیا کہنا
رنگ یہی ہے دوراں کا

——— بیان جو

عجب تعصب نے گل یہ کھلایا
باغِ مرادِ ویراں کا

نالہ کرنا ڈرنا مرنا
پایا ثمرہ یہ ہجراں کا

——بیان جو

روشن ضمیر: مجھ کو سفر ضرور ہے اس کام کے لیے
یعنی کہ تیری راحت و آرام کے لیے
آغاز رنج عیش ہے انجام کے لیے
جانا ہے روزی و درم و دام کے لیے
کچھ کام بھی ہو اس دلِ ناکام کے لیے

مہر نگار : **گانا**

کب تک جان رہے نالاں
نالاں ، نالاں ، رہے نالاں
تم بن جان پہ آفت آئی
جان مجھے کیسے جاناں
جان میں جان کہاں آئی
ہردم تم بن رہے نالاں
یاد میں کب تک جلیں جاناں
گھڑی بریاں ، گھڑی نالاں
مجھ سے پدر نے تجھ کو چھڑایا
بہتر اب رخصت ہے
ہنسنا ، کھیلنا ، کھانا ، پینا
بر میں ہمارے کب ہے آنا

[دونوں جاتے ہیں]

تیسرا باب

پہلا منظر

مظفر کا دربار

[مظفر شاہ تخت پر بیٹھا ہے - اہل دربار قرینے سے کھڑے ہیں ، طوائف مبارک باد گاتی ہے]

طوائف : **گانا**

ہوگی سبھا میں دونی گانے سے ہر اک شان
سہاوے رے سگروا ہنساوے
رلاوے ، رجھاوے ، سناوے سوہنی تان
——ہوگی سبھا میں

نال سروں سے صدا یہ جاری
گھنگرو کی آواز پیاری
حیوان ، انسان ، دیو پری ، جان ،
غلمان ، رضوان ، سب حیران
——ہوگی سبھا میں

گانا

بہتر سب سے شان ہے رب کی
کاہے کو سمرن جان بسرنا

آنکھ ہے جب جھکی سب کی
بہتر سب سے شان ہے رب کی
رب کی پائی نہ کوؤ کھبریا
ہے وہ تو سج مج اپنے ڈھب کی

ـــــــ بہتر

مظفر : اے وزرائے روشن ضمیر ! و اے امرائے برنا و پیر ، اراکینِ سلطنت ! رونقِ بزم حکومت !

کبت

تم مشورۂ نیک بتانے میں ہو یکتا
اور رمز و کنایات کے پانے میں ہو یکتا
ہر بات میں اک بات سنانے میں ہو یکتا
کسبی کوئی ایسی ہے کہ گانے میں ہو یکتا
اور ہووے حسیں ایسی زمانے میں ہو یکتا
سب ہو، مگر عصمت کے بچانے میں ہو یکتا

درباری : سلطان کا جاہ و جلال نیّر اقبال برقرار ، دشمنوں کا زوال بہرحال نگوں سار ۔

گانا

پُر فن زن بے یار نہ ہو کوئی جہاں میں
رہزن بلا ہتھیار نہ ہو کوئی جہاں میں
یکتا ہو جو گانے میں ، زمانے میں وہ مہ رو
جز عورتِ بدکار نہ ہو کوئی جہاں میں
جو ناچ کے عصمت کے بچانے میں ہو یکتا
ایسی زنِ ہشیار نہ ہو کوئی جہاں میں

مظفر : سب امیروں نے دیا مجھ کو جواب
اپنی اپنی عقل سے با آب و تاب
کس لیے خاموش ہے روشن ضمیر؟
غم سے ہم آغوش ہے روشن ضمیر

وزیر : پشیماں ہیں ، منہ کو چھپائے ہوئے ہیں
جو خاموس سر کو جھکائے ہوئے ہیں،

درباری : شاید کسی کسبی کی عصمت کے قائل ہیں ، معلوم ہوتا ہے جواب صداقت پر مائل ہیں ۔
اسی بحر میں غوطہ کھائے ہوئے ہیں
جو خاموش سر کو جھکائے ہوئے ہیں

روشن ضمیر: نہ ہر زن زنست و نہ ہر مرد مرد
خدا پنج انگشت یکساں نہ کرد
یہ مضمون دل پر کھدائے ہوئے ہیں
جو خاموس سر کو جھکائے ہوئے ہیں

درباری : وہ زمانہ اور ہی تھا ، یہ زمانہ اور ہے
سوچ کر کہنا کہ صاحب ، خوب جائے غور ہے
یہ مضموں گلستاں سے پائے ہوئے ہیں
حو خاموس سر کو جھکائے ہوئے ہیں

وزیر : صاحب عقل ہیں یہ ، سیر جہاں کیے ہیں
زر کو لگا کسوٹی پر ، امتحاں کیے ہیں
کوئی بیسوا آزمائے ہوئے ہیں
جو خاموش سر کو جھکائے ہوئے ہیں

مظفر : اے وزیر روشن ضمیر! ان صفات[1] کی عورت کہیں
دیکھی ہو تو دکھا دے یا سنی ہو تو سنا دے۔

روشن ضمیر: **گانا**

ہو نورا نگہبان کرد گار
نو پہ رہے نت آس کی نجروا
نگر نگر پھرے تورا ڈھنڈروا
——ہو تورا نگہبان

عشرت کر تو شام و سحروا
حکم پھرے تورا سارے نگروا
چین و امن سب پائے شہروا
نو پہ رہے نت آس کی نجروا
– —ہو نورا نگہبان

حضور پُرنور قدرت کردگار ہے، ان صفات[2] کی عورت
ہونا کیا دشوار ہے۔ جو عام ہیں اُن میں سے خاص
انتخاب ہوتے ہیں۔ انتخاب کیا، لاجواب ہوتے ہیں۔

بقول میر درد :
تر دامنی پہ شیخ ہماری نہ جائیو
دامن نچوڑدوں تو فرشتے وضو کریں

وزیر : سوا خدا کے کسی کا یہاں جواب نہیں
دروغ گوئی کا صاحب کوئی حساب نہیں

روشن ضمیر: ایک جا پر آب و آتش کیوں رہے
جسم میں ہیں آپ کے یہ دونوں شے

۱، ۲ - اصل میں دونوں جگہ 'صفاتوں' تھا - (وقار)

وزیر : آپ سے بجھتی ہے آتش ، بات کہیے غور سے
گانے والی صاحبِ عصمت رہے کس طور سے

روشن ضمیر: ایک جا ہر برق و باراں رہتے ہیں جس طور سے
گانے والی صاحبِ عصمت رہے اس طور سے

وزیر : آگ شہوت کی کبھی دبتی نہیں
روشن ضمیر: یہ مثل تو خاص پر پھبتی نہیں

وزیر : ناچ گا کر کس طرح عصمت بچائے
روشن ضمیر: کیا عجب ، جس کی خدا حرمت بچائے

وزیر : کسبیوں میں کب ہوئی بوئے وفا ؟
روشن ضمیر: تم نے گل دیکھا نہیں ، سونگھو گے کیا

وزیر : کب یقیں جانیں اسے اہل خیال
روشن ضمیر: آپ سا عاقل نہ جانے کیا مجال

مظفر :کر دے بیاں نیکو خصال ، کوئی مثال بے مثال۔
ہے مطربہ وہ کون سی ، افعال بد سے جو بچی۔
آنکھوں سے دیکھا ہو تو دکھا ، کانوں سنا ہو تو
سنا۔

روشن ضمیر: سنو اے شہنشاہ والا حشم !
سدا تم پہ ہو حق کا فضل و کرم
کہ بی بی میں میری یہ اوصاف ہیں
یہ فضلِ خدائے مجسمہ شم

وزیر : نہیں پارسا یوں بھید پائے ہوئے ہیں
یہ عورت پہ ایرا کے آئے ہوئے ہیں

روشن ضمیر: ہزاروں طرح آزمائے ہوئے ہیں
یقیں جب کہیں اس پہ لائے ہوئے ہیں

درباری :

کسی رنڈی سے دل لگائے ہوئے ہیں
اُسی کے یہ فقروں میں آئے ہوئے ہیں
کہیں عقل کو بیچ کھائے ہوئے ہیں
جہالت کو پانی پلائے ہوئے ہیں
رہا ہو یہاں، واں سے آئے ہوئے ہیں
مگر دل وہیں پر پھنسائے ہوئے ہیں
یہ بھولے بنے پر بھلائے ہوئے ہیں
سمجھ نیک بد کو یہ آئے ہوئے ہیں
بہت خوبصورت جو پائے ہوئے ہیں
یقین اُس کی غیرت پہ لائے ہوئے ہیں
بگڑ کے جو فقرے سنائے ہوئے ہیں
اُسی بیسوا کے بنائے ہوئے ہیں
یہ گنجینۂ زر اُڑائے ہوئے ہیں
یہ ننگ عشق سے ہو کے آئے ہوئے ہیں

روشن ضمیر : یہ لن ترانی کب تلک، یہ بد زبانی کب تلک
بے آزمائے آپ کو ہے شادمانی کب تلک

وزیر : منسوب آپ ہو چکے جس بیسوا کے ساتھ
واصل میں جا کے ہوتا ہوں اُس بے حیا کے ساتھ

[مظفر شاہ سے مخاطب ہو کر]

خداوند اس بات کا بیڑا اُٹھاتا ہوں، جناب کے وطن کو جاتا ہوں، اُس رنڈی کو اپنے دام میں پھنساتا ہوں، خرچی دے کے زیر مشق بناتا ہوں اور اُس کے ہاتھ کی نشانی لاتا ہوں۔

مظفر : اگر یہ کام نہ ہوا ، نا کام پھرا تو تیرے لیے کون سی سزا ؟ جلد بتا ۔

وزیر :
گر نہ ہو یہ کام تو جھوٹا ہوا
سر مرا تن سے اتارو برملا
پوچھ کے ان سے مجھے دیجیے رضا
پھر شہنشہ لیجیے مجرا مرا

روشن ضمیر : مجھ کو قبول ہے ، جائیے ، دیر نہ فرمائیے ، ٹھنڈی ہوا کھائیے ، جو کچھ کہا ہے کر آئیے ۔

دوسرا منظر

نائکہ کا مکان

[وزیر بھڑوے کے ساتھ آتا ہے ، بھڑوا وزیر سے مخاطب ہے]

بھڑوا : سرکار ! یہی نائکہ جی کا مکان ہے ، دیکھیے کیا عالی شان ہے ، اس پر ایوان کسریٰ قربان ہے - یہ پاکٹ لیجیے ، مزدوری دیجیے ، بندے کو رخصت کیجیے -

وزیر : ذرا دم لیں گے دیں گے ، دلائیں گے ، بن دیے یہاں سے نہ جائیں گے -

بھڑوا : اپنا کام نائکہ جی سے بنا لیجیے ، پہلے میری مزدوری ادا کیجیے -

وزیر : صبر کر شتابی کیا ہے ؟ ٹھہر جا اضطرابی کیا ہے ؟ میاں ذرا نائکہ جی کو آنے دے ، ملاقات ہو جانے دے - شتاب دو ، شتاب دو ، یہ کیا -

بھڑوا : کیا پیچھے پیچھے دوڑا کروں ، اپنا دھندا چھوڑ دوں - اگر تم دو گے روپیہ یا آٹھ آنے ، اس میں کیا پیٹ بھروں -

وزیر : تو مزدور ہے ، تیرا کیا مقدور ہے کہ ہم سے تین پانچ کرے ، خاموش رہ !

بھڑوا : کیا آپ میرے مالک و مختار ہیں ، تم جیسے ہزاروں گاہک طلبگار ہیں ۔ لاکھوں جوڑ توڑ کرتا ہوں ، کیسہ زر و گوہر سے بھرتا ہوں ۔ تشنہ کو پانی پلاتا ہوں ، جانی جاناں کو باہم ملاتا ہوں ، آگ دل کی بجھاتا ہوں ۔ عاسق انتظاری میں ہوں گے ، معشوق بیقراری میں ہوں گے ۔ میری آواز پر کان لگائے ہوئے ، دروازوں پر آنکھ جمائے ہوئے ۔

چوں گوش روزہ دار بر اللہ اکبر اسب
اب میرے دام دیجیے ، مہربان !

[نائکہ آتی ہے]

نائکہ : کیوں اچھے رہے ملاؤ خان ۔ جانی کے دین ، جاناں کے ایمان ۔ بتلاؤ میرے مہربان ۔ پہلے جو آ کے دی تھی خبر ۔ کیا یہ وہی ہیں صاحبِ زر ؟
(وزیر سے مخاطب ہو کر) فرمائیے کیا کار ہے ، بندی تیار ہے ۔ مگر حق ہمارا نہ بھولیں ۔ یاد رکھیں ، میں ہشیار ہوں ، تابعدار ہوں ۔

وزیر : سنیے ایک کام ہے ، بنا دیجیے ، بندہ غلام ہے ۔

نائکہ : سردار بندی کا تو یہی کار ہے ، یہی روزگار ہے ۔ اسی پر دار و مدار ہے ، معشوقانِ شہر پر اختیار ہے ۔ جو آپ سا زردار ہے ، اُسی کا ہمیں انتظار ہے ۔

[نائکہ جاتی ہے]

بھڑوا : میرا یہی دستور ہے کہ کام کر دیا حق محنت مانگ لیا اور چل دیا ۔ جو حق میرا ہوا ہے ، وہ ادا کرنے

میں دیر کیا ہے ؟

وزیر : کیا ہی بے صبرا ہے۔ میں کچھ کہتا ہوں آپ کچھ کہتا ہے ، بڑا بے ادب ، بے وقوف ، گدھا ہے ۔

بھڑوا : واہ ! بیوقوف کی دم ، خچر کے کان ، گدھے کے سُم ، میں ہوں یا تم ؟

وزیر : بس اے بدلگام ! اپنی زبان تھام ۔

بھڑوا : بچھیرا تو ہے ، ٹاپتا ہے ، ہنہناتا ہے ۔

وزیر : کیا چالاکی بتاتا ہے ، فقرے سناتا ہے ، آپ بگڑ کے ہمیں بناتا ہے ۔

بھڑوا : مزدوری میری ڈبویا چاہتا ہے ؟

وزیر : میں کون ہوں ؟ وزیر ہوں تو جانتا نہیں

بھڑوا : میں بھڑوا رنڈیوں کا ہوں ، تو مانتا نہیں

وزیر : بھڑوا ہے ، بے حیا ہے ، بڑا سینہ زور ہے

بھڑوا : تو ٹھگ ہے ، راہ زن ہے ، اُچکّا ہے ، چور ہے

وزیر : بھڑوائی کر کے کہتا ہے، میں بھی شریف ہوں

بھڑوا : تو ہے شریف زادہ ، تو تیرا حریف ہوں

وزیر : بھڑوائی کارِ عیب نہیں اے کمینے کیا ؟

بھڑوا : اور ہیں حرام کاری کے جائز ورنہ کیا ؟

وزیر : اس گفتگو کی تیری سزا دوں ابھی تجھے

بھڑوا : وہ ماروں جوتیاں کہ گرا دوں ابھی تجھے

وزیر : بس موت تیری آئی ہے ناپاک بے حیا

بھڑوا : بک بک سوائے اور ہمارا کرے گا کیا

وزیر : پنجہ ملے تو ہڈیاں سب تن کی توڑ دوں

بھڑوا : وہ مرد ہوں کہ دام ابھی لے کے چھوڑ دوں

[دونوں کندھوں پر ہاتھ رکھ کے گاتے ہیں]

گانا

وزیر : تجھ کو سزا تو دیں گے ہم، ہاتھ ملا جو ہو سو ہو
بھڑوا : بندہ نہیں ہے تم سے کم، دیر ہے کیا جو ہو سو ہو

وزیر : میں تیری آنکھ پھوڑ دوں
بھڑوا : میں تیری ناک توڑ دوں
وزیر : پیسے تیرے چھوڑ دوں
بھڑوا : چھوڑ دیا جو ہو سو ہو
وزیر : مرنا کیوں ہے؟ مان لے
بھڑوا : مجھ کو بھی تو پہچان لے
وزیر : بات کو میری چھان لے
بھڑوا : چھان لیا، جو ہو سو ہو
وزیر : میں ہوں وزیر نیک فال
بھڑوا : رنڈیوں کا میں ہوں دلال
وزیر : کہتا ہے کیا اے بد خصال!
بھڑوا : خوب کہا، جو ہو سو ہو
وزیر : مار بہت سی کھائے گا
بھڑوا : تو بھی نہ جیتا جائے گا
وزیر : جان یہاں گنوائے گا
بھڑوا : آئی قضا جو ہو سو ہو
وزیر : ہم سے شریف تجھ سے لڑیں، فائدہ نہیں
بھڑوا : بھڑوے کا حق ادا نہ کریں، قاعدہ نہیں
وزیر : ہم نے ڈبویا کس کا کہ تیرا نہ دیویں گے
بھڑوا : میرا ڈبو کے آپ یہ عزت نہ کھوویں گے؟

وزیر : تجھ سا رذیل دیکھا نہیں بد زباں کبھی
بھڑوا : گر آپ نیک ہوتے نہ آتے یہاں کبھی
[نائکہ آتی ہے]
وزیر : کیا بد سلیقہ ، بد زبان ، پاجی کمینہ ہے
نائکہ : بھڑوے سے آپ لڑتے ہو یہ بھی قرینہ ہے ؟
وزیر : معلوم ہو چکا ، یاں کمینے ہی آتے ہیں
نائکہ : شرفا یہاں کے آنے سے آنکھیں چراتے ہیں
وزیر : مطلب کچھ آپ سے ہی مجھے لا کلام ہے
نائکہ : کچھ تو زباں سے کہیے، وہ کیا ایسا کام ہے
وزیر : تم اک پری کو دام میں لاؤ تو ہے مزا
نائکہ : یہ تو بتاؤ نام ہے آخر پری کا کیا
وزیر : اک پارسا کی چادرِ عصمت اتار لو
نائکہ : ہے سہل مجھ کو کیسا ہی مشکل وہ کار ہو
وزیر : اُس حوروش کا نام ہے بشک مہر نگار
نائکہ : جو لیوے نام اُس کا بدی سے ، خدا کی مار
وزیر : نام اُس کا سنتے ہی تجھے کیا نائکہ ہوا
نائکہ : دیوانے ہو ، سڑی ہو ، بھلا تم کو کیا ہوا
وزیر : اس فن میں آپ کو تو حاصل کمال ہے
نائکہ : ہر ہر قدم پہ جوتا پڑے یہ وہ چال ہے
وزیر : سوراخ کرکے چرخ میں پیوند کرتی ہو
نائکہ : کاٹو زبان اُس کی جو اس سے مکرتی ہو
وزیر : لانے سے حور ، پریوں کے ، مشکل یہ کام ہے ؟
نائکہ : اس بات میں کلام نہیں ، لا کلام ہے
وزیر : کوئی صلاح ملنے کی اُس کے بتاؤ گے ؟
نائکہ : ہے اصل یہ کہ جان سے تم اپنی جاؤ گے

وزیر : افسوس کس بلا میں گرفتار ہو گیا
نائکہ : تم سے ہزاروں آ کے یہاں پا گئے مزا
وزیر : ممکن نہیں وصال تو دیدار ہو نصیب
نائکہ : طاقت فرشتوں کی نہیں انسان ہے کیا غریب
وزیر : کیا ایسی نیک چال ہے صاحب ! مہر نگار ؟
نائکہ : پھر کیا کہوں چھنال ہے ، صاحب ! مہر نگار
وزیر : کیا جانتا تھا میں کہ یہ پرہیز گار ہے
نائکہ : پرہیزگاروں کی بھی تو وہ تاجدار ہے
وزیر : اس کو نگوڑ آنے کا بیڑا اٹھایا ہے
نائکہ : تم نے تو جان گنوانے کا بیڑا اٹھایا ہے
وزیر : جان بچے کی اے نائکہ حکمت بتائیے
نائکہ : پانی میں ڈوب مریے ، یا زہر کھائیے
وزیر : کہیے نہ ایسا ، کوئی تو صورت نکالیے
نائکہ : سر پر سوار موت ہے ، کس طرح ٹالیے
وزیر : مجھ کو غلام اپنا سمجھ کر بچاؤ تم
نائکہ : میں کیا کروں ، خدا را نہ مجھ کو ستاؤ تم
وزیر : بے طرح جان پر ہے بنی ، کہیے کیا کروں
نائکہ : بہتر ہے آپ کیجیے وہ ، جیسا میں کہوں
وزیر : کیا مکر ہے ، فریب ہے ، مجھ کو سنائیے
نائکہ : بہتر یہی ہے ، دل سے وطن کو بھلائیے
وزیر : کہیے تو جورو بچوں کو کس طرح چھوڑیے
نائکہ : پھر شیشۂ حباب کو بھی اپنے پھوڑیے
وزیر : کچھ مال و زر کے صرف سے مطلب بر آئے گا
نائکہ : بیشک ہو صرف مال تو مقصد بر آئے گا
وزیر : حاضر یہ دس ہزار اشرفی ہے ، لیجیے

نائکہ : بہتر ہے لائیے گا ، نہ اب فکر کیجیے
وزیر : وہ کام کیا ہے ، بات ہے کیا ، ذکر کیجیے
نائکہ : سن لیجیے ، نہ دل میں کوئی فکر کیجیے

بندی بے دام کسی کا کام کرتی نہیں ، مشکل ہو کسی بھی ، ڈرتی نہیں ۔ غرض جس کا کھاؤں اسی کا گاؤں ، مفلس کو سیڑھی نہ چڑھاؤں ، آنکھ نہ ملاؤں ، منہ نہ لگاؤں ۔ آپ چلیے، اپنے گھر لے جاتی ہوں ، صورت نجات کی بناتی ہوں ؛ یعنی خاص رومال ، انگشتری ، کٹاری مہرنگار کی پیاری پیاری نشانی ، جو کہ معشوق کی طرف سے عاشق کو ملا کرتی ہیں ، اور تصویر بے نظیر جو غیر کو نصیب نہ ہو ، یہ چار چیزیں لا دیتی ہوں ۔

وزیر : بس بس یہی ضرور ہے ، یہی منظور ہے ۔ برائے خدا جلد جائیے ، شتاب لائیے ۔

نائکہ : مارے خوشی کے نہ مر جائیے، آئیے آئیے میرے گھر قدم رنجہ فرمائیے ۔

[دونوں جاتے ہیں]

تیسرا منظر

مظفر کا دربار

[دربار میں ناچ ہو رہا ہے ۔ وزیر آتا ہے ،
مظفر اس سے مخاطب ہوتا ہے]

مظفر : اے وزیر آفرین ! بہت جلد آیا ، بیان کر مرادِ دل
پانا یا نہیں ، جو کہتا تھا کر آیا یا نہیں ۔

وزیر : خداوند کا نیّرِ اقبال درخشاں ہو ، جاہ و جلال
دو چنداں ہو ! فضلِ سبحان سے ، اقبالِ سلطان سے ،
زیرِ مشق بنایا ، مرادِ دل پایا ، سرخرو ہو پھر آیا ۔

مظفر : کیا تو زوجۂ روشن ضمیر سے واصل ہوا ؟ جس لیے
گیا تھا وہ مقصود حاصل ہوا ؟

وزیر : اگر فدوی کا یہ کام نہ ہوتا تو اس آغاز کا انجام
نہ ہوتا ۔ ڈوب مرتا ، زہر کھاتا ، مگر یہاں نہ آتا ۔
یہی مصلحت تھی ، ناکام آنے میں اور آفت تھی ۔

مظفر : جائے حیرت ہے، کار دقّت ہے ۔ دل حیران و پریشان
ہے ۔ یہ کیا کہتا ہے ، میں کیا سنتا ہوں ۔

وزیر : حضور! کہنا میرا یقینی ہے ، کسی کا اعتبار نہیں ،
یہ فرقہ بے وفا ہے ، بے حیا ہے ، پیسے پر فدا ہے ،
ان کی بے حیائی کا شمار نہیں ۔

مظفر : اپنا احوال بیان کر ، شہر کی خوبی عیاں کر ۔ مفصل حال سنا ، کچھ نشانی بھی بتا ۔

وزیر : خداوند ! شہر عظیم الشان ہے ، جنت نشان بلند ایوان ہے ، منقّش ہر ایک مکان ہے ۔ پختہ دیوار ہے ، وسط شہر میں بہت ہی بڑا بازار ہے ۔ دو رویہ دکانیں صاف ، گلی کوچہ شفاف ۔ لاکھوں خریدار ، کروڑوں کا بیوپار ۔ گویا رئیس و نواب ہر ایک دکاندار ۔ اس طرف ایک جوہر بازار ، اُس طرف جوبن نگر نام ایک محلہ ہے ، اس کے چوک پر ان حضرت کی دولت سرا چہار منزلہ ہے ۔ مگر زیب و زینت اُس کی رشک دہِ قصر جنت ، ڈیوڑھی پر سنتری کا پہرہ ہے ۔ افسروں کی نشست گاہ عمدہ عمدہ بنی ہے ، چوتھی منزل پر سرا پردہ اُس مسیحا کی خواب گاہ ہے دریچے میں ایک پنجرا سونے کا لٹک رہا ہے ، اُس میں ہیرا من چہک رہا ہے ۔ کیوں صاحب صحیح ہے یا نہیں ؟

روشن ضمیر : کہیے کہیے ، مفصّل حال کہیے ، خاموش نہ رہیے ۔

وزیر : سنیے ، جب میں درسان چوراہا کھڑا ہوا ، میرے حسن کا تمام شہر میں شہرہ ہوا ۔ ہر ایک مجھے دیکھ کر کہتا تھا ، چشم بددور :

> تُرا دیدہ و یوسف را شنیدہ
> شنیدہ کے بود مانندِ دیدہ

غرض سنتری نے شتابی جا کر ، خادمہ سے خبر ، اُس رشکِ قمر کو دی کہ ایک جوان حسین پر ارمان ، مہ جبین معشوق صفت ، عاشق طبیعت ،

بقول انشا اللہ خاں :

اکڑ کے پنجوں کے بل یہ چلنا، نہ کیونکہ کشتہ ہوں اس ادا کا
سجا سجایا کسا کسایا ، یہ دھج تو دیکھو غضب خدا کا

یہ میری تعریف ، وہ میری توصیف ، جو سن پائی
خود کوٹھے سے نیچے اتر آئی اور بہ زبان شیریں یہ
فرمائی : "آئیے تشریف لائیے ۔ بندی کے مکان کو
زینت دیجیے ، بندی کو راحت دیجیے ۔" پھر یہ راگنی
گائی مجھے سنائی :

گانا

جاؤ جاؤ نہ جاں ، آؤ دیکھو نار نئی
مکھ تورا گورا ، موہنی کی من سے آنکھ لڑی
کام نہ آئے سنگی ساتھی ، کیونکہ رہے بے یار کوئی
آؤ آؤ سیاں ، ہمری تمری پریت لگی

بعد اس کے ہمراہ گیا ۔ شب بھر وہیں جلسہ رہا ۔
جامِ شراب کا دور تھا ، مستی سے عجب طور تھا ۔
صبح کو بہ آرزوے سسار چند اشیاء خاص پیش کر
کے رخصت فرمایا ، لیجیے مفصل حال کہہ سنایا ۔

روشن ضمیر : سراسر بد گمانی ہے
یہ جھوٹی لن ترانی ہے

پہلا درباری : جو ان کی خوش بیانی ہے
یہ جھوٹی لن ترانی ہے

دوسرا درباری : گواہی ہے ، نشانی ہے
یہ جھوٹی لن ترانی ہے

تیسرا درباری : یہ کیا عمدہ نشانی ہے
یہ جھوٹی لن ترانی ہے

وزیر اعظم : بتلائیے نشانی کہ حیرت کہاں ہے
ہونا نشانیوں کا بہت احتمال ہے

وزیر : ہاں لیجیے کہ خاص یہ اُن کا رومال ہے

[وزیر اعظم رومال لیتا ہے]

روشن ضمیر :

یہ احمقوں کو دام میں لانے کا جال ہے
یہ کون سی دوکان پہ پایا رومال ہے

مظفر :

روشن ضمیر تیرا صحیح قیل و قال ہے ۔
ہر لفظ لفظ اس میں غرض بے مثال ہے
اک شے کی جیسی دوسری مل سکتی ہے ضرور
اس گفتگو سے صاف عیاں ہوتا ہے فتور
کہنا درست راست ہے روشن ضمیر کا
بالکل دروغ کہنا ہے دویم وزیر کا

وزیر : اک نشان اور بھی ہے، لو یہ کٹاری دیکھو

درباری ۱ : کیا ہیں الماس جڑے ، نقش و نگاری دیکھو

" ۲ : قبضہ کیا خوب ہے، کیا آب ہے پیاری دیکھو

" ۳ : میان پرپھول زری کے بھی ہیں بھاری دیکھو

" ۴ : لطف اس یار کا اور جان نثاری دیکھو

روشن ضمیر : عقل پرّاں نہ ہو ، اتنی تمھاری دیکھو
کسی جانباز سپاہی کی کٹاری دیکھو

[وزیر سے مخاطب ہو کر]
جناب من! یہ کٹاری آپ کہاں پائے ہو ؟ کیا کسی
افسر سے مانگ لائے ہو ؟

مظفر : دنیا میں اس کٹار جسی کٹار نہیں ؟ ایسی نشانی کا
اعتبار نہیں ۔ ایک ہتھیار کے جیسا دوسرا بنانا آسان
ہے ، معلوم ہوا اُس صاحبِ عصمت پر بہتان ہے ۔

وزیر : اے ماہِ برجِ برتری ، اے مہرِ چرخِ انوری ، لیجیے
نشانی ہے کھری ، اُس مہ رو کی انگشتری ۔

مظفر : (انگشتری ہاتھ میں لے کر)

اس سے نہیں ثابت ذری ، کی اُس نے تیری دلبری
ایسے نگینوں سے بھری ، ہے ہر دکانِ جوہری

وزیر : اثبات میں ان چیزوں کے ہے آپ کو تقریر
پر لیجے کہ ہے اُس مہ الور کی یہ تصویر
جز یار کے اغیار کو دیتی نہیں کسبی
رومال ، کٹار اور یہ انگشتری ، تصویر

مظفر : (تصویر کو دیکھ کر)
کیوں کر ہو یقیں ہم کو کہ یہ اُس کی ہے تصویر

وزیر : فرمائیں گے حضرت ہی کہ یہ کس کی ہے تصویر

[تصویر کا ہاتھوں ہاتھ روشن ضمیر تک جانا ،
اس کا شرم سے منہ پر ہاتھ رکھ کے کہنا]

روشن‌ضمیر : افسوس اے مہر نگار ، بے وفا ! یہ تو نے کیا
غضب کیا ، شرم کا پردہ اُٹھا ، دامنِ عصمت پر داغ

لگا لیا ۔ مجھے دونوں جہان سے اٹھا دیا ، نام میرا
صفحۂ ہستی سے مٹا دیا ۔

مظفر : شاباش اے وزیر ! واہ جو کچھ کہا بھا کیا ، تیری
اس کوشش سے ہمارا دل بہت خوش ہوا ۔

شک نہیں اس بات میں کہنا ترا اثبات ہے
خود وہ جھوٹا ہے ، کہے جو ، تیری جھوٹی بات ہے

درباری ۱ : یہ وزیر شاہ کیا ہی رافع الدرجات ہے
درباری ۲ : واہ وا کیا بات ہے ، واہ وا کیا بات ہے
سب : واہ وا کیا بات ہے ، واہ وا کیا بات ہے
مظفر : زوجۂ بدکار کو تو بولا عالی ذات ہے
وزیراعظم : واہ وا کیا بات ہے ، واہ وا کیا بات ہے
سب : واہ وا کیا بات ہے ، واہ وا کیا بات ہے
وزیر : حکم برداری میں بندہ آپ کی دن رات ہے
درباری ۳ : واہ وا کیا بات ہے ، واہ وا کیا بات ہے
سب : کیا بات ہے ، کیا بات ہے ، کیا بات ہے
وزیر : لے چکے پیا دین، بازی زچ ہوئی، نہ مات ہے
درباری ۴ : کیا بات ہے ، کیا بات ہے ، کیا بات ہے
درباری ۵ : واہ وا ، واہ وا ، واہ وا ، واہ وا
سب : کیا بات ہے ، کیا بات ہے ، کیا بات ہے
مظفر : ہو گیا معلوم ، یہ بد اصل ، بد اوقات ہے
درباری : کیا بات ہے ، کیا بات ہے ، کیا بات ہے

سب : ہو ہو ہو ہو ، کیا بات ہے، کیا بات ، ہے کیا بات ہے

مظفر : روسن ضمیر نے دربار میں جھوٹ کہا ہے ، اس واسطے واجب السزا ہے ۔ مگر طبیعت نہیں چاہتی ہے ۔ سزا کا حکم دیتا ہوں ، زبان بند ہو جاتی ہے ۔ فی الحال اس کو قید کرنا بہتر ہے ۔ اے چوبدار اس کو لے جا ، زندانِ بلا میں چھوڑ آ ۔

[سپاہی اور چوبدار روشن ضمیر کو لے جاتے ہیں]

تیسرا باب

چوتھا منظر

سہر نگار کا مکان

سہرنگار : گانا

دل‌دار غم خوار کوئی نہیں
اپنا طرف دار کوئی نہیں
—— دلدار

ہم سا الم میں، زندانِ غم میں
گرفتار کوئی نہیں
ہائے، ایسا گرفتار کوئی نہیں
ہے دردِ ہجراں، کیا کیجے درماں
آزار کوئی نہیں
ہائے، ایسا آزار کوئی نہیں

[خادمہ روشن ضمیر کا خط لاتی ہے اور کہتی ہے]

خادمہ : لو خط اپنے پیارے کا، شادی مبارک
اے بی‌بی! ملاقات آدھی[1] مبارک

سہرنگار : (خط لے کر)

نامہ دلدار مسرت آثار سے عاشق کو سرور ہوتا ہے،
رنج کا وفور غم مفارقت دور ہوتا ہے۔ مگر اس کے

---

۱ - متن میں اس جگہ 'نصف' ہے۔ (وقار)

برخلاف نمودار ہے ، دل بے قرار ہے ، بلبلِ جان قفس تن سے اڑ جانے پر تیار ہے ۔ (خط کو بغور دیکھ کے)

وائے قسمت یہ کیا غضب ہوا ، کیا جانوں کیا سبب ہوا ۔ (خط پڑھتی ہے)

گانا

اے مہر ! کیا سمایا تھا سر میں خیال خام
جو کی حرام کام
کیونکر نہ میں جلا کروں ، اس غم سے صبح وشام
لے لے کے تیرا نام
——اے مہر

دنیا سے تو اٹھا چکی ، عاشق کو جور سے
کر عیش اور سے
دامن پہ داغ کھا ، چکی پی کر بدی کا جام
عصمت ہوئی تمام
—— اے مہر

شہ نے کہی تھی یہ سرِ دربار مجھ سے بات
نہ ہو کسبی نیک ذات
نیکی میں شہ کے روبرو تیرا لیا ہوں نام
افسوس بد خرام
——اے مہر

دویم وزیر شاہ کا ، خلوت میں تجھ سے مل
پھر آیا شاد دل

لا کے نشانیاں تری دکھلائیں لا کلام
لیتا ہوں اُن کے نام
اے مہر ———

انگشتری ، رومال ، کٹاری یہ سب وزیر
تصویر بے نظیر
دربار شہ میں جمع تھے، جس وقت خاص و عام
دکھلایا لا کلام
اے مہر ———

ایسے چرتروں میں بہت تو جو طاق ہے
یہ خطِ طلاق ہے
ایواں کا عیش تجھ کو ، زنداں مرا مقام
گر ہے تو لے سلام
اے مہر ———

مہرنگار :

یا پروردگار! یہ کیسا رنج و غم ہے ، کیا ستم ہے ؟ مجھے مصیبت اٹھانے کے لیے پیدا کیا ، غم کھانے کے لیے پیدا کیا ۔ توبہ توبہ ! یوں کہنا بھی گناہ عظیم ہے ، وہ مالک میرا غفور الرحیم ہے ۔ ضرور میرا امتحان کرتا ہے ، حیران و پریشان کرتا ہے ۔ خیر میں راہِ مصیبت میں ثابت قدم رہوں ، دامنِ صبر نہ چھوڑوں ، کمرِ ہمت محکم باندھوں ، نیکی سے نہ گزروں ۔ سفر اختیار کروں ، وہاں جاؤں اُسے چھڑا لاؤں ۔ ارے کوئی حاضر ہے ! جاؤ جلد کرو سامانِ سفر کی تیاری ، لاؤ ہمارا رومال انگشتری ، تصویر اور کٹاری ۔

خادمہ : (ہاتھ جوڑ کے) اے بی بی! جان کی امان پاؤں تو زبان ہلاؤں ۔

مہرنگار : تمھاری جان تم کو مبارک ۔ کیا کہنا ہے؟ کہو بلا شک ۔

خادمہ : خدا بی بی کی عمر دراز کرے ۔ ایک روز نائکہ آئی اور کہنے لگی کہ میں سب اپنی برائیوں سے ہاتھ اٹھائی اور تمام نوچیوں کو بھی عذاب شدید سے چھڑائی ۔ مثل مہرنگار عصمت سعار ہر ایک کو نکاح پڑھوا دیتی ہوں ۔ چنانچہ ایک نوچی کا آج نکاح ہے ۔ سب سامان تیار ہے ، مگر رومال ، انگشتری ، کٹاری درکار ہے ۔ مہرنگار تو حمام میں ہیں ، شاید ان کے آنے میں دیر ہوگی ۔ میرا کام ہرج نہ کرو ، یہ تین چیزیں تم لا دو ۔ میں ابھی واپس لا دیتی ہوں ۔ میں یقین جان کے ، بغیر حکم آپ کے ، وہ سامان دیا ۔ مگر وہ مکار بدکار اب تک نہ آئی ، نہ وہ چیزیں لائی ، نہ کالا منہ دکھائی ۔

مہرنگار : ہاں میں اس مکار کو خوب جانتی ہوں ، اس کے فریب کو مانتی ہوں ۔ اس نے یہاں بھی پیچھا نہ چھوڑا ، جو کچھ کرنا تھا کیا ، اس بات سے منہ نہ موڑا ۔ خیر میں تمھاری خطا معاف کرتی ہوں ۔ مگر جلد سامان سفر تیار ہو ، یہاں سے کوچ یک بار ہو ، اور میرا حال کسی پر ظاہر نہ کرو ، دیکھا کرو ، کسی بات میں دخل نہ دو ۔

[خادمہ جاتی ہے]

سہرنگار : (اپنے آپ) میں لباس میں کسبی کے جاتی ہوں۔ اپنے دلدار غمخوار کو چھڑا لاتی ہوں۔ مگر اس دروغ گو کا کسی سے پتا لگا ، اس بہتان کا مزا چکھاتی ہوں۔

گانا

سیّاں کو چھڑانے میں جاؤں گیّاں
چھوڑوں اب گھر ، جاؤں در در پھریّاں
برس برس رہے ، نین ہر دم
آن بن جلے نسدن تل چھن ہم
تج کے گھر در ، آن بن جاؤں مر
سیّاں کو ——————

[سہرنگار جاتی ہے]

———————

پانچواں منظر

مظفر کا دربار

[رامشگر گاتے ہیں]

رامشگر : گانا

سرور عالی ، توری شان ہے بھاری
راج کرت دنیا کہت پُن توری نیاری
سخن سخن تیرے جیسے گُہروا
حکم تورا ہر نگر میں جاری
نجر کجب جب برت ہے کوئی پر
ہوئے جان سہائی بھاری

——سرور عالی

[چوبدار آتا ہے]

چوبدار : سلطان فریدوں شان ، فلک کیوان ! ایک مطربہ ، حسین ، طنّاز ، خوش آواز ، خوش انداز ، سراپا ناز ، تازہ وارد ہے ۔ اگرچہ اُس کے حسن و کمال پر تمام شہر اُس کا مشتاق ہے ، ہر فرد بشر کو اُس کا گانا سننے کا اشتیاق ہے ، مگر پہلے حضور کا مجرا بجا لانا ، پھر شہر میں گانا اُس کی مراد ہے ۔ حکم پائے تو دربار میں آئے ، اپنا جوہر دکھائے ۔

مظفر : اے وزیر ! اس مطربہ کو آزمانا چاہیے
چوبدار ! اس کو حضوری میں بلانا چاہیے
پاک دامن ہو وہ کسبی ، یہ تو ممکن ہی نہیں
پر مرے دربار میں اس وقت آنا چاہیے

[مہرنگار چوبدار کے ساتھ آتی ہے]

مہرنگار : شہنشاہ کا جاہ و جلال ہمیشہ رہے ، نیّر اقبال بےزوال ہمیشہ رہے۔

گانا

روٹھے کو مورے دیوے کوئی ایسا سنائے
سنائے رے سنائے سنائے ۔
—— روٹھے
کہہ دے توری بندی آئی ناچ کینو
اچھی پھبن دکھائے ، رجھائے
—— روٹھے
رہے پاک عصمت گر ناچ گا کے
وہی بڑی عزت پائے
—— روٹھے

مظفر : اسی کا نام گانا ہے ، کیا عمدہ ترانہ ہے

وزیراعظم: ستم کا دل نشانہ ہے ، کیا عمدہ ترانہ ہے

وزیر : ابھی تو دل دکھانا ہے ،کیا عمدہ ترانہ ہے

مہرنگار : **گانا**

سنو سنو دھن، برست رحمت ۔ چمکت گن، سے من من
بسے ، دھن دھن سے ، تن دھن سے پائے عشرت ،

رہے جب پاک صاف ہے عصمت ، یہ ہوئے ہر آن
پل۔ چھن شہرت ۔

تن من نس دن پاوے راحت
کرت یہی من عادت ـــــ سنو سنو
شہا تم کو شاہی مبارک مدام
میں کسبی مرا ناچ گانے کا کام
جو مانگوں وہی پاؤں دربار سے
نہ مایوس پھر جاؤں دربار سے

مظفر : گانا تیرا مرغوب ہے ، کیا شے تجھے مطلوب ہے ؟
ہم قول دیتے ہیں تجھے، کہہ دے زباں سے خوب ہے ۔

مہرنگار :

یک بندۂ خاص ، فدائے انام ، مبتلائے آلام ، روشن‌ضمیر نام ، قہرِ سلطانی میں گرفتار ہے ۔ بے قصور ہے ، زندانِ بلا میں مجبور ہے ۔ سختیاں اٹھا رہا ہے ۔ اس کو دربار میں آنے کا حکم ہو ۔ اس بات کا اظہار لازم ہے ۔ دریافت کریں بے قصور ہے یا مجرم ہے ۔

مظفر : (اپنے آپ سے) نہیں معلوم کہ اس کی محبت میرے دل میں کیوں جوش کرتی ہے ـــــ ارے کوئی حاضر ہے ، جاؤ ، اور روشن ضمیر کو زندان سے چھڑاؤ ، لباسِ وزارت پہنا کے دربار میں لاؤ ۔

[چوبدار جاتا ہے ، مہر نگار گاتی ہے]

مہر نگار :

گانا

اے شاہا برا یہ زمانہ ہے
کچھ جور کا اس کے ٹھکانا ہے

نادان رہے ایوان میں خوش خوش
زنداں میں ہے، جو دانا ہے
اے ———

ہڈی ہے ہما کے نصیبوں میں
حلوان کوے کو کھانا ہے
اے ———

حصوں میں گدھوں کے ملیدہ ہے
تازی کو نہ گھاس، نہ دانہ ہے
اے ———

یک شمع جو زنداں میں روشن ہے
تاریک میرا کاشانہ ہے
اے ———

گلشن میں ہے آلو کا شور بپا
بلبل کا بند ترانہ ہے
اے ———

[روشن ضمیر کا آنا، مہرنگار کو حسرت سے دیکھنا،
مہرنگار کا روشن ضمیر سے مخاطب ہو کر گانا]

گانا

مہر سے بدلی کیوں نجر توری
مہر سے دو ہی دن میں انکھیاں پھیریں
آئے آپ نہ موہے بلائے
کن سوتن سے من کو لگائے
——— نجر توری مہر سے بدلی

رنڈی سے کاہے کو دل جوڑے
ہم کو دیو بسرائے
بیری نے شاید کی ہے برائی
موہے دیکھ نجریا چرائی
——نجر توری مہر سے بدلی

مظفر :
اے مطربہ ! برائے خدا جلد بیان کر کہ یہ کیا ماجرائے حیرت افزا ہے۔ تیرا کیا مدعا ہے ؟ کس شے کی طلب ہے ؟ کیا مطلب ہے ؟

مہر نگار : خداوند ! یہ کنیز امداد چاہتی ہے ، اک ظلمِ ناروا کی داد چاہتی ہے۔ سنیے یہ وزیر ایک شب میرے ہم بستر رہے ، مگر خرچی کے دام نہ ادا کیے ، چل دیے۔ حضور انصاف فرمائیں ، اس بیکس کے دام دلوائیں۔

وزیر : ناحق نہ نام لیجے مرا شاہ کے حضور
شہ کے حضور ہوتا ہے ثابت مرا قصور

مہر : باتوں کو بھول کہہ کے نہ بیداد کیجیے
خرچی ڈبو کے آئے مری یاد کیجیے

وزیر : باتیں تمام اس کی ہیں بہتان ، جھوٹ ہیں
خرچی کے دام سرورِ ذیشان ، جھوٹ ہیں
واللہ بیسوا تجھے پہچانتا نہیں

مہر : دلبر کو اپنی کہتے ہیں میں جانتا نہیں

مظفر : اوروں کو چھوڑ تیرا ہی کیوں لیتی نام ہے ؟
شاید کہ اے وزیر ! تری عقل خام ہے ؟

وزیر : واقف ہمارے زہد سے ہر خاص و عام ہے
بدکاریوں سے دور مبرّا غلام ہے

مہر نگار : نیکی بدی سے آپ کی کیا مجھ کو کام ہے
تحقیق آپ پر مری خرچی تمام ہے

وزیر : خرچی کے دام مجھ پہ ہیں اس کی سند ہے کیا
بتلا ، ذلیل ہو گی وگرنہ ، اے بیسوا

مہر نگار : جاتی رہے گی آبرو ، نقصان ہے آپ کا
بہتر ہے دام رنڈی کے جلدی کرو ادا

وزیر : کہتا ہوں بار بار ، تجھے جانتا نہیں
میں جانتا نہیں ، تجھے پہچانتا نہیں

مہر نگار : اک رات میری نیند کو کھویا ہے آپ نے
محنت کا میری حق بھی ڈبویا ہے آپ نے

وزیر : صورت سے رنڈیوں کی ہے نفرت رہی مجھے
نیکوں سے، پاکبازوں سے صحبت رہی مجھے

مہر نگار : پیش نظر تمھاری جو عزت رہی مجھے
مانگوں میں دام تم سے نہ جرأت رہی مجھے

درباری : شابا بدی سے پاک ہیں یہ نیکو کار ہیں
زاہد ہیں ، پاکباز ہیں ، پرہیزگار ہیں

مہر نگار : رنڈی کے دام کھاتے ہیں ، یہ نیکوکار ہیں؟
زاہد ہیں ، پاکباز ہیں ، پرہیزگار ہیں ؟

درباری : مولا کے صبح و شام اطاعت گزار ہیں
زاہد ہیں ، پاکباز ہیں ، پرہیزگار ہیں

مہر نگار : بدکاریوں میں فخر دہِ روزگار ہیں
زاہد ہیں ، پاکباز ہیں ، پرہیزگار ہیں

درباری : مقروض نہ کسی کے ، نہ یہ دین دار ہیں
زاہد ہیں ، پاکباز ہیں ، پرہیزگار ہیں

مہر نگار : اوروں کے ہوں نہ ہوں ، نہ مرے دین دار ہیں
زاہد ہیں ، پاکباز ہیں ، پرہیزگار ہیں

مظفر : جائے حسرت ہے ، مقام عبرت ہے ۔ یہ عورت بے چاری ، ستم کی ماری دوسروں سے سائل نہیں ، آخر وزیر دوم سے کیا دشمنی ہے ، جو اس پر اپنے دام ثابت کرتی ہے ، پر یہ قائل نہیں ۔ وزیر اعظم اس گفتگو کا خیال ، جھگڑا انفصال کر ۔

وزیر اعظم : اس مدعی کی گفتار ، رفتار ، اطوار سے ظاہر اور یہی مفہوم ہوتا ہے ، کچھ دال میں کالا ضرور معلوم ہوتا ہے ، ابھی سب کچھ معلوم ہوتا ہے ۔ سچا شاد اور جھوٹا مغموم ہوتا ہے ۔

وزیر : اہل دربار جس کو چاہتے ہیں بنا دیتے ہیں ، جس کو چاہتے ہیں بگاڑ دیتے ہیں ۔ شام کو صبح ، صبح کو شام کر دکھاتے ہیں ، غرض اپنا کام کر دکھاتے ہیں ۔

مظفر : اہل دربار کا کیا مقدور ہے ، یہ بات عقل و دانش سے دور ہے ، سیاہی سیاہی اور نور نور ہے ۔ اے عورت ! تیرے دعوے کے اثبات کو گواہی ضرور ہے ۔ بغیر گواہ کے دعویٰ کرنا تیرا قصور ہے ۔

مہر نگار : تین چار گواہوں سے جھگڑا توڑوں گی ، دعویٰ سے

خرچی کے منہ نہ موڑوں گی ۔ سب لوں گی ، ایک
کوڑی نہ چھوڑوں گی ۔

وزیر : بلوائیے گواہ نہ باتوں میں ٹالیے
اور اپنی ڈوبی خرچی کو باہر نکالیے

مہر نگار : صاحب ابھی معمّا کھل جائے گا
شہ کے رو برو میرا روپیہ مل جائے گا

وزیر : او بہتانی چپ !

مہر نگار : ابھی معمّا کھل جائے گا ، صاحب ! ابھی معمّا کھل
جائے گا ۔

دیکھیں بغور ان کے ذرا عزّ و جاہ کو
جو داغ کر چکے مری عصمت کے ماہ کو

وزیر : واللہ شرم ہی نہیں اس رو سیاہ کو
بدنام کرنے آئی ہے اک نیک خواہ کو

مہر نگار : ابھی معمّا کھل جائے گا، صاحب! ابھی معمّا کھل
جائے گا ۔

پہچانو شکل سے مری اور قیل و قال سے
گر بھولے ہو تو یاد کرو تم خیال سے

وزیر : منسوب ہیں جو زوجۂ نیکو خصال سے
کرتے نہیں حرام وہ ہرگز چھنال سے

مہر نگار : ابھی معمّا کھل جائے گا، صاحب! ابھی معمّا کھل
جائے گا ۔

وزیر : او بہتانی چپ !

مہر نگار: کہنا ہمارا مان تم اے مہربان لو
ورنہ تمھاری جان ہی جائے گی ، جان لو

وزیر : کیا بک رہی ہے منہ سے ، کہا میرا مان لو

مہر نگار: جائے گی جان مجھ پہ ستم کر کے جان لو

وزیر : او بہتانی چپ !

مہر نگار: ابھی معمّا کھل جائے گا ، صاحب ! ابھی معمّا
کھل جائے گا ۔

مظفر : لاریب اس وزیر کا اقرار ہو چکا
وعدہ ثبوت ہو چکا ، انکار ہو چکا

مہر نگار: ثابت ہوئے جو دام تو پائے گا یہ سزا
ہو جائے گر قرار تو جھگڑا ہی مٹ گیا

وزیر : ثابت اگر ہو، سر کو مرے دار ہو نصیب
گردن کو میری خنجرِ خونخوار ہو نصیب

مہر نگار: **گانا**

کیوں کیا بشر کو داخلِ زنداں
کیا تھا اُس نے کیا نقصاں

کس کو پھنسایا ، کس کو رلایا ، کس کی ستائی جاں
کیوں کیا بشر کو داخلِ زنداں

آگ لگائی ، خون بہایا ، دام بچھایا اُس نے
کیوں کیا بشر کو داخل زندان

وزیر : سلطان کے روبرو جھوٹ کہنے کی سزا پایا ، فاحشہ
کو نمک بتلانے کی جزا پایا ۔

مہر نگار : کیا کیا سنایا جھوٹ؟ مفصل سنائیے
کس کو بنایا صاحبِ عصمت؟ بتائیے

وزیر : کسبی ہے اس کی جورو ، اُسے پارسا کہا
پیشِ حضور جھوٹ کہا سارا ماجرا

مہر نگار : ثابت ہوا کیونکر، وہ نہیں صاحبِ عصمت
کس نے اُسے دیکھا ہے بیاں کیجیے حضرت!

وزیر : خود میں ہی جا کے اُس سے ملا عیش بھی کیا
خرچی کے دام جتنے تھے وہ بھی چکا دیا

مہرنگار : خرچی بھی دیا تم نے ، کیا عیش بھی شب بھر
اور اُس نے نشانی بھی تو دی ہوگی مقرر

وزیر : کہتا ہوں سنیے سرسری ، کھوٹی نہیں بالکل کھری
دی ہے نشانی وہ پری ، دیکھو کٹار ، انگشتری
خاص اُس کا یہ رومال ہے ، جو اب ہمارا مال ہے

مہرنگار : اس سے تو وہ بدکار زن ثابت کبھی ہوتی نہیں
اس کے سوا کچھ ہو نشاں ، بندی کو تب آوے یقیں

وزیر : (تصویر دے کر)

اور اپنی اک تصویر بھی
تھی وصل کی شب اُس نے دی

مہرنگار : مالک تو اس تصویر کی
ہے روبرو بندی کھڑی

[وزیر کا مہر نگار کو غور سے دیکھ کے گھبرانا]

گانا

میں وہی کسبیِ خوش کردار ہوں
صاحبِ تصویر بے تکرار ہوں
مال میرا ہے کٹار انگشتری
مالکِ رومال اے سردار ہوں

میں وہی ——

ہے یہ زندانی مرا شوہر حضور
گل ہے وہ ، میں عندلیبِ زار ہوں

میں وہی ——

[وزیر سے]

رنڈی کے بار قرض کو سر سے اتاریے
پہلے تو میری خرچی کے سب دام لائیے
پھر رخش بر اجل کے عدم کو سدھاریے
اور چڑھ کے دار ، جا کے جہنم بسائیے

مظفر : اے بی‌بی عصمت دار ، نیک شعار ، نیک اطوار ، نیک گفتار ، تجھے دیکھ کر خون جوش کرتا ہے ۔ خدا جانے محبت کیوں آتی ہے ؟ عنانِ صبر ہاتھ سے نکلی جاتی ہے ۔ اپنا حسب و نسب بتانے میں الزام کیا ہے ؟ بتا ! شہر اور والدین کا نام کیا ہے ؟

مہرنگار : **گانا**

میرا سنیے فسانہ ہوں غم کا نشانہ

اے شاہ ذیشان !

کہا کے ہوں زخمی غمِ جاوِ دانہ
اے شاہ ذیشان!

دوہا[1]

پدر تھا عابد و زاہد میرا ، نام اُس کا ہامان
مہر ہوں میں بیٹی اُس کی ، بھائی مظفر ہے سلطان
ہوئی مادر نادینہ جگ سے روانہ
غم کا نشانہ ، اے شاہ ذی شان!

دوہا

جنت کو جب ماں نہی سدھاری بھائی بہن تھے نادان
بھائی جو بچھڑا راہ میں میرا ، غم سے ہوئی حیران
بن گئی رسوائی بہانہ
غم کا نشانہ ، اے شاہ ذی سان!

دوہا

بھائی بھائی کہتی بھرتی ، جنگل کوہستان
پتہ نہ پایا کچھ بھائی کا ، ڈھونڈی ہندوستان
چھوڑا نہ کوئی ویرانہ
غم کا نشانہ ، اے شاہ ذی شان!

دوہا

مایوسی تھی مجھ کو پھراتی جنگل میں ویران
دستِ ستم میں اک تاجر کے میری پھنسی تھی جان

---

[1] ۔ ان سب کو دوہا کہنا ہرگز درست نہیں ۔ دوہا ہندی کی ایک مخصوص صف ہے ، جس میں بعض خاص طرح کے عاشقانہ اور اخلاق مضامین نظم ہوتے ہیں ۔ (وقار)

نائکہ سے پھر سیکھی ترانہ
غم کا نشانہ ، اے شاہ ذی شان !

دوہا

بدکاری کو کہتی تھی مجھ سے وہ نائکہ بے ایمان
مال و جواہر دے کے اس کو اپنی چھڑائی جان
سادی سے واقف ہے زمانہ
غم کا نشانہ ، اے شاہ ذی شان !

دوہا

بی‌بی ہوں میں اس کی اور یہ شوہر ذی شان
ان صاحب کے کرم سے اس کو ملا زندان
داد مجھے اے شاہ دلانا
غم کا نشانہ ، اے شاہ ذی شان !

[مظفر مہر سے لپٹنا چاہتا ہے ، مہر نگار الگ ہو کر کہتی ہے]

مہرنگار : حضور کی کیا حالت ہے ، ایسی بدی پر کیا عنایت ہے - دور ہی سے کرم فرمائیے ، اس غم دیدہ کو نہ ستائیے -

مظفر : شکر جناب باری ہے ، یہ مہر دکھیاری ہمشیرہ ہماری ہے - اے وزیرو ، امیرو ، درباریو ! خوشی کا مقام ہے -

مہرنگار : کون ؟ مظفر ، میرے جان و جگر ! تیری یہ شان و شوکت ! یہ لیاقت ! اللہ تا قیامت رکھے !

[دونوں آپس میں ملتے ہیں]

مہرنگار : آج آنکھوں میں روشنی آئی ، دل کو سرور ہوا -

رنج و غم دور ہوا ۔ ہزار ہا شکر کردگار ہے کہ
بعد مدت کے بھائی سے ملایا ، غم جدائی دل سے
بھلایا ، برسوں نامراد پھرایا ، آخر کو یہاں لایا ۔
دل کا بلبل گلزار جہاں میں گل مراد پایا ۔

مظفر : (وزیر سے) اے سیطان بے ایمان ! سچ بتا یہ چیزیں
کیوں کر پائیں ؟ کس نے دیں ؟ کس سے لیں ؟

وزیر : بچا لے خدایا! بے سک پیام موت آیا ۔ اب باتیں نہ
بناؤں ، صحیح صحیح احوال سناؤں ۔ سنیے حضور !
سہر یمن میں گیا تو نائکہ سے ملا ۔ جب ان کی
عصمت اور پاک دامنی کا حال سنا تو مجبور ہو کر
دس ہزار اسرفی نائکہ کو دے کر یہ سامان لے آیا ۔
آخر اس آغاز کا بد انجام پایا ۔ ظاہر فریب غلام ہوا ،
زندگی سے ہاتھ دھویا ، قصہ تمام ہوا ۔

وزیراعظم : صاحب عصمت پہ بہتاں ، تھو تری اوقات پر
جھوٹی باتیں پیس سلطاں ، تھو نری اوقاب پر

پہلا درباری: ہو گے انسان ، کار شیطاں تھو نری اقات پر

دوسرا ،، : کھا نمک، پھوڑے نمک داں، تھو نری اوقاب پر

تیسرا ،، : جھوٹا خوش ہو، سچا نالاں، تھو نری اوقاب پر

چوتھا ،، : زندہ کیوں ہے؟ مار دے جاں، تھو نری اوقات پر

پانچواں ،، : دانا ہو کہلایا ناداں ، تھو تری اوقاب پر

مظفر : او بد کردار ! تیرے کام پر پیزار
تجھ سا پاجی دنیا میں ہو ، جھوٹا ناہنجار

ہے کوئی دربان ؟ لے جائے اسی آن
اس کو چڑھا کے دار پہ کردے جلدی سے قی النار

[سب کا گانا]

سب : **گانا**

نیکوں کو حق سے بدلا ملا
بدوں نے پائی سزا

آئی صبا ، حسن دھلا ، رنگ بھرا
دشت میں سارے چھائی گھٹا
چلی ہوا ، نغمہ سرا

مژدہ یہ حق سے سب کو ملا
حکم خدا سے آئی قضا

صحن چمن سے، گوشۂ بن سے، آئی صدا
نیکوں کو حق سے بدلا ملا

[پردہ گرتا ہے]

☆ ☆ ☆

فرہنگ خاندانِ ہامان

پہلا باب : دوسرا منظر

چرن = پاؤں ۔
سیس = سر ۔
دھیر = دھیرج ، صبر ۔

چوتھا منظر

آن = اناج ۔
جل = پانی ۔
آن جل = کھانا پینا ۔

پانچواں منظر

آس = اُمید ۔
نراس = ناامیدی ۔
جیت ہے = جیتا ہے ۔
ماچھری = مچھلی ۔
بن ساگر = سمندر بغیر ، مراد پانی کے بغیر ۔

چھٹا منظر

ماں جایا = بھائی ۔

دوسرا باب : پہلا منظر

چلن چل بھلے = نیک چلن اختیار کر ۔

کرت ہو = کرتے ہو ۔
مرت ہو = مرتے ہو ۔
بل جوری = زور آزمائی ۔
ماں = میں ۔
بیٹھن کی = بیٹھنے کی ۔
رجا = رضا ، اجازت ۔
مانگت ہیں = مانگتے ہیں ۔
کھریدار = خریدار ۔
وجیر جادے = وزیر زادے ۔
بھسریت = یہ 'تشریف' کی خرابی ہے ۔
نجر پرت ہے = نظر پڑتی ہے ۔
تمہوں = تم بھی ۔
کا = کیا ۔
سبھے دان = سب دان ، یعنی ہر دان، مراد ہے عطردان، گلاب دان ، اگالدان ، پھول دان ، غرضیکہ ہر ''دان'' (موجود ہے) ۔
ای تھاں = یہاں ۔
کا کری ہیں = کیا کریں گے ۔

سوک = شوق -

تمرے = تمھارے -

اوہ کی = اُس کی -

دوسرا منظر

تج دینو = تج دیا ، قرباں کر دیا -

نس دن = رات دن -

تیسرا باب : دوسرا منظر

سگروا = سب کو -

نجروا = اصل میں نجریا ، مراد نظر - ڈھنڈروا ، سجروا ، نگروا ، یہ چاروں لفظ قاعدے کے خلاف بنائے گئے ہیں - صرف خوش آہنگی کے لیے قاعدے سے یہ انحراف جائز سمجھا گیا ہے -

پانچواں منظر

ناچ کینو = ناچ کیا ، ناچی -

کن = کس نے -

دیو بسرائے = (بسرانا = بھلانا، دیو = دیا) بسرا دیا = بھلا دیا -

چترا بکاولی

تبصرہ

چترا بکاؤلی کی بنیاد جس قصے پر رکھی گئی ہے اس کا موضوع بقول ڈاکٹر عبدالعلیم نامی ''بہت ہی فرسودہ ہے''۔ (اردو تھیٹر، جلد دوم، صفحہ ۱۰۰) ۔ نامی صاحب نے یہ بات اس لیے کہی ہے کہ اس قصے کو متعدد ڈراما نگاروں نے اپنے ڈراموں کی بنیاد بنایا ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اردو تھیئٹر کے حصہ اول میں اردو کے قدیم ڈراموں کو موضوع کے اعتبار سے جن مختلف حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے ان میں سے ایک حصے کا عنوان ''حکایات'' ہے۔ حکایات کے تحت وہ تمام ڈرامے آتے ہیں جن کے پلاٹ نثر اور نظم کے ان حصوں سے ماخوذ ہیں جنھیں ہم عام طور پر داستانیں کہتے ہیں۔ انھی داستانوں میں سے ایک داستان بکاؤلی کی ہے جسے عزت اللہ بنگالی نے ۱۷۲۲ء میں فارسی نثر میں لکھا۔ اسی کا ترجمہ نہال چند لاہوری نے اردو میں کیا اور ''مذہبِ عشق'' نام رکھا۔ یہی قصہ ۱۸۳۷ء میں دیا شنکر نسیم نے مثنوی کی صورت میں نظم کیا اور ''گلزارِ نسیم'' نام رکھا۔ ان معروف متون کے علاوہ بھی اردو نثر اور نظم میں اس قصے کی مختلف صورتوں کا ذکر ادب کی تاریخوں میں آتا ہے۔ اردو کے ڈراما نگاروں نے بھی اس قصے میں دلکشی محسوس کی اور کئی ڈراما نگاروں نے اسے اپنے مخصوص انداز میں ڈرامائی شکل دی۔

حکایات کے تحت آنے والے ڈراموں میں نامی صاحب نے جس جگہ مختلف ڈراما نگاروں کے ان ڈراموں کا ذکر کیا ہے جن کی بنیاد بکاؤلی کا قصہ ہے ، وہاں اُن کے الفاظ یہ ہیں :

"ظریف نے 'بکاولی' ، رونق بنارسی اور طالب بنارسی نے 'سنگین بکاؤلی' ، ظریف اور کریم بریلوی نے 'چترا بکاؤلی' حافظ عبداللہ نے 'بکاؤلی و تاج الملوک' اور 'چندراولی' اسٹیج کے لیے لکھے۔ منظر بریلوی اور احسن لکھنوی نے 'چندراولی' کے نام سے ڈرامے قلم بند کیے ۔"

(اُردو تھیٹر ، جلد اول ، صفحہ ۲۹۲)

اسی طرح کا ایک اور اندراج اُردو تھیٹر حصہ دوم کے صفحہ ۱۰۰ پر رونق کے ذکر کے تحت آیا ہے ۔ اس سے بھی بعض نئی باتیں معلوم ہوتی ہیں ۔ عبارت یہ ہے :

"بکاؤلی کا موضوع بہت ہی فرسودہ ہے ۔ متعدد ڈراما نویسوں نے اس پر خامہ فرسائی کی ہے ۔ غلام حسین ظریف نے 'بکاؤلی عرف غنچۂ عشق' کے نام سے ۱۸۸۷ع میں ایک ڈراما لکھا ۔ حافظ محمد عبداللہ اور نظیر اکبر آبادی نے ۱۸۹۴ع میں 'چترا بکاؤلی' کے نام سے ڈرامے لکھے ۔ منظر بریلوی نے اسے 'چندراولی' کا نام دیا ۔ حافظ عبداللہ نے 'چندر بکاؤلی' سے موسوم کیا ، مولوی الٰہی بخش نامی (۱۸۹۲ع) اور وحشت دہلوی نے 'گل بکاؤلی' کے نام سے یاد کیا ۔ حافظ عبداللہ نے گل بکاؤلی عرف 'ثمرۂ نیک و بد سلوک' کے نام سے اس کو لکھا ۔"

"رونق کے اس ڈرامے میں طالب بنارسی نے حسب منشا کتر بیونت کی ۔ طالب بنارسی کے نام سے جو ڈراما شائع

ہوا ہے ، اُس میں دو جگہ رونق تخلص آیا ہے ، دو جگہ طالب بھی آیا ہے ۔ یہ ڈراما ۱۹۰۰ع میں شائع ہوا تھا۔"[1]

دوسرے ڈراما نگاروں کے لکھے ہوئے ڈراموں کی فہرست پر نظر ڈالیے تو پتا چلتا ہے کہ جن لوگوں کے نام نامی صاحب نے لکھے ہیں پرانے ڈراما نگاروں میں اُن کے علاوہ بھی ایسے لوگ ہیں جنھوں نے 'گل بکاؤلی' کے قصے کو اپنے ڈرامے کا موضوع بنایا ہے ۔ خود نامی صاحب کی کتاب میں آرام کے ڈراموں میں 'گل بکاؤلی' کا نام موجود ہے ۔

نامی صاحب کے دونوں بیانوں میں 'چندراولی' کا نام اس طرح لکھا گیا ہے جیسے اس میں بھی بکاؤلی کا قصہ بیان ہوا ہے ۔ لیکن احسن لکھنوی کے ڈراموں میں 'چندراولی' کا جو نام آیا ہے اُس کا پلاٹ بھی صفحہ ۱۹۳ اور ۱۹۴ (اُردو تھیئٹر حصہ دوم) پر درج ہے ۔ یہ پلاٹ بکاؤلی کے پلاٹ سے بالکل مختلف ہے ۔ قیاس ہے کہ حافظ محمد عبداللہ اور منظر بریلوی کے ڈراموں میں بھی 'چندراولی' کا نام 'بکاؤلی' کے لیے استعمال نہیں ہوا ۔ اس طرح منظر بریلوی کا نام اس فہرست سے نکل گیا ، لیکن اس میں آرام کے نام کا اضافہ ہوگیا ۔ یوں گویا جن ڈراما نگاروں نے بکاؤلی کے قصے کو ڈرامے کی شکل دی اُن کے نام یہ ہیں :

آرام، ظریف ، رونق بنارسی، طالب بنارسی، حافظ محمد عبداللہ ، کریم الدین مراد ، مرزا نظیر بیگ اور الٰہی بخش نامی ۔

یہ سب لکھنے والے انیسویں صدی کے معروف و مقبول ڈراما نگار ہیں ۔ ان سب نے 'گل بکاؤلی' کے قصے کی مقبولیت

---

۱ ۔ اُردو تھیئٹر حصہ دوم ، صفحہ ۱۰۰ ۔

دیکھ کر اُسے اپنے ڈراموں کی بنیاد بنایا ، لیکن جو شہادتیں تحریری شکل میں ہم تک پہنچی ہیں اُن سے اندازہ ہوتا ہے کہ جو مقبولیت مراد کے لکھے ہوئے انارکلی کو حاصل ہوئی ، وہ دوسروں کے حصے میں نہیں آئی ۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت وہ واقعہ ہے جو احسن لکھنوی کے سلسلے میں بیان کیا جاتا ہے ۔

۱۸۹۷ع میں احسن لکھنوی نے مرزا شوق کی مثنوی 'زہرِ عشق' کو ڈرامائی شکل دی ۔ جب یہ ڈراما لکھنؤ میں کھیلا گیا تو شائقین نے بہت پسند کیا ۔ کہا جاتا ہے کہ اس ڈرامے سے ''لکھنؤ میں تہلکہ مچ گیا'' ۔ جن دنوں 'زہرِ عشق' لکھنؤ میں چل رہا تھا آردشیر دادا بھائی ٹھوٹی کی بمبئی ناٹک منڈلی واردِ شہر ہوئی اور احسن لکھنوی کی شہرت سن کر اُن سے چترا بکاؤلی (مصنفہ مراد بریلوی) کے طرز پر 'چندراولی' لکھنے کی فرمائش کی ۔ احسن نے 'چندراولی' لکھا جو لکھنؤ ہی میں پہلی بار اسٹیج ہوا اور بہت کامیاب رہا [1] ۔ چترا بکاؤلی کی مقبولیت کا اندازہ مرزا نظیر بیگ کے ایک بیان سے ہوتا ہے ۔ اُنھوں نے اپنے ڈرامے 'چترا بکاؤلی ، عرف گلزار عاصمی' کے دیباچے میں ایسے ڈرامے کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :

''اس ناٹک میں وہ طرزیں ہیں جو نئی الفریڈ کے ناٹک میں گائی جاتی ہیں ۔ مثلاً ناٹک الہ دین علی بابا ۔ چترا بکاؤلی آب ابلیس و خاندانِ ہامان تالیف جناب منشی محمد مراد و سیٹھ دادی کریش جی بمبئی کے ناٹکوں میں طرزیں ہیں ۔ ان طرزوں کے وزنوں پر یہ چیزیں بنائی ہیں'' ۔[2]

---

۱ ۔ اُردو تھیئٹر ، جلد دوم ، صفحہ ۱۹۳ ۔

۲ ۔ اُردو تھیئٹر ، جلد دوم ، صفحہ ۱۷۷ ۔

اس اعتراف میں جن ڈراموں کے نام ہیں ، اُن سے دو 'چترا بکاؤلی' اور 'خاندانِ ہامان' مراد کے ہیں۔

آردشر دادا بھائی ٹھونٹی اور مرزا نظیر بیگ کے بیانات کو ایک ساتھ ملا کر دیکھا جائے تو یقین ہو جاتا ہے کہ گو 'خاندانِ ہامان' کو بھی بہت مقبولیت حاصل ہوئی ، لیکن 'چترا بکاؤلی' کی مقبولیت اُس کے مقابلے میں زیادہ ہے اور اس مقبولیت کی بنیاد دوسری چیزوں کے مقابلے میں گانوں پر زیادہ ہے اور اسی خیال کی تائید 'چترا بکاؤلی' کے مطالعے سے ہوتی ہے۔

گلستانِ خاندانِ ہامان کے مطالعے سے مراد کے فن کی یہ خصوصیت ہمارے سامنے آ چکی ہے کہ اُنھوں نے ڈرامے میں اور خصوصاً ڈرامے کے مکالموں میں نثر اور نظم کے بڑے متوازن امتزاج سے کام لیا ہے۔ یہی صورت 'چترا بکاؤلی' میں بھی ہے ، اس فرق کے ساتھ کہ یہاں نظم مقابلتاً زیادہ ہے اور اس کی وجہ چترا بکاؤلی کی کہانی کی مخصوص نوعیت ہے۔ اس میں زیادہ کردار پریوں کے ہیں اور ہماری ڈراما نگاری کی روایت اس بات کی شاہد ہے کہ پریاں قصوں میں آتی ہیں تو گاتی ضرور ہیں۔ امانت کی 'اِندر سبھا' سے اس روایت کا آغاز ہوا اور ہمارے ڈرامے کے ابتدائی ادوار میں بڑے اہتمام کے ساتھ اس روایت کی پابندی کی گئی۔ مراد اس لحاظ سے دوسروں سے مختلف ہیں کہ اُنھوں نے اپنے ڈراموں کے مکالموں میں نثر سے زیادہ سے زیادہ کام لیا ہے۔ 'چترا بکاؤلی' میں بھی اُن کے فن کی یہ خصوصیت موجود ہے ، لیکن یہاں نثر مقابلتاً کم ہے اور جو ہے بھی اُس میں قافیوں کی مدد سے خوش آہنگی پیدا کی گئی ہے۔ نظم کے استعمال میں بھی مراد نے یہ کوشش کی ہے کہ جس حد تک ممکن ہو نظم کا استعمال اس طرح کیا جائے کہ شعروں اور گیتوں

کی کثرت سے آکتا دینے والی یکسانی پیدا نہ ہونے پائے۔ یہ بات مراد نے جس جس طرح کی ہے اُس کا اندازہ 'چترا بکاؤلی' کے ایک منظر (پردہ) کا تجزیہ کر کے کیا جا سکتا ہے۔ اس مقصد کے لیے میں نے پہلے باب کے پانچویں پردے کا انتخاب کیا ہے۔ یہ باب 'چترا بکاؤلی' کے طویل ترین بابوں میں سے ہے اور متن کے تقریباً دس صفحوں میں پھیلا ہوا ہے۔ یہ منظر جنگل کا ہے، جہاں تاج الملوک بکاؤلی کو تلاش کرتا ہوا پہنچتا ہے، اور بکاؤلی راجا اندر کے حکم سے ایک مندر میں قید ہے۔ وہ اسٹیج پر آتا ہے تو اُس کی زبان سے یہ جملہ نکلتا ہے :

''یا الٰہی، یہ کیسا خوف ناک، سنسان، ہُو کا مکان ہے؟''

اس کے بعد تحت اللفظ میں دو شعر پڑھے جاتے ہیں۔ اس کے بعد چھ مصرعوں کا ایک چھوٹا سا گانا گایا جاتا ہے اور تاج کی یہ ملی جلی تاثراتی اور نغماتی خود کلامی مندرجہ ذیل نثر پر ختم ہوتی ہے :

''بکاولی! بکاؤلی! یہاں ہے تو بری یا بھلی، خبر ملی، جواب دے کہ جائے میرے جی کی بے کلی۔''

اس کے جواب میں بکاؤلی، مندر کے اندر گاتی ہے۔ گانے کا پہلا شعر ہے :

میں بے چاری، من ماری، دکھیاری بے نین
اندھیاری پائی رہی میں اُجیاری دن رین

گانے کے بعد ایک آواز کے ساتھ مندر کا دروازہ کھلتا ہے۔ تاج گھبرا جاتا ہے۔ اس جگہ اُس سے ایک گانا گوایا گیا ہے جس کے سارے بول ہندی کے ہیں۔ گیت کے فوراً بعد تاج الملوک نثر میں اپنے دل کی بات یوں ادا کرتا ہے :

"اہاہاہا ، اہوہوہو ، یہ تو دروازہ کھلنے کی آواز تھی ۔
یا پروردگار! یہ کیا ہے اسرار! نہ وہ حور ہے نہ وہ نور
ہے ، نہ وہ نورِ ظہور میں چور ہے ۔ یہ حیران ہوں دیو
ہے یا جن ہے ، پلید ہے ، کون ہے ؟ اے آفت کی
مبتلا ! تو کوئی انسان ہے یا انسان کے لیے بلا
ہے ۔ بلا خوف بیان کر تو کون ہے ؟"

جواب میں بکاؤلی ایک چھوٹا سا گانا گاتی ہے جس کے بول
روزمرہ کے سیدھے سادھے الفاظ ہیں ۔ اس کے بعد وہ دو شعر
تحت اللفظ میں پڑھتی ہے ۔ اس پر تاج الملوک ایک چھوٹا سا
گانا گاتا ہے اور بکاؤلی اس کی آواز پہچان کر کہتی ہے : "ہیں!
کون ؟ تاج !" تاج اس کا مختصر سا جواب دیتا ہے :

"ہاں ! وہی محتاج ، پر حیران ہوں، اے جان! دیکھ کر
پتھر کا بدن آج ۔"

اس کے بعد بکاؤلی اور تاج الملوک کے درمیان مکالموں کا ایک
سلسلہ شروع ہوتا ہے جو منظر کے آخر تک جاری رہتا ہے ۔
منظر کے اس طویل حصے میں ، جو پورے چھ صفحے کا ہے ،
نثر بہت تھوڑی سی ہے ، جس کا مقصد نظم کے مکالموں میں
تسلسل اور روانی پیدا کرنے کے علاوہ یہ بھی ہے کہ شعروں
اور گیتوں سے اُن میں تکلف اور تصنع کی جو کیفیت آ جاتی
ہے اُسے کم کر کے جس حد تک ممکن ہو ، اُنھیں فطری اور
غیر رسمی بنایا جائے ۔ نثر کے جو جملے مختلف مقامات پر آئے
ہیں وہ یہ ہیں :

تاج : ہاں! وہی محتاج ۔ پر حیران ہوں ، اے جان ! دیکھ کر
پتھر کا بدن آج ۔

بکاؤلی : اے میری جان! مجھے دیکھ کر حیران ہوں اس آن!
یہ وہ جگہ ہے جہاں آ نہیں سکتا کوئی انسان ۔

تاج : کر حیرت ہے مجھ کو جان! خبر ہوگی تم کو صبح
کی نہ شام کی ، پھر کس طرح یہ مدت تم نے تمام
کی ؟

بکاؤلی : ارے رے ! ہائے ہائے ! افسوس ، صد افسوس !
تاج : ارے کیا ہوا ؟ کیوں خیر تو ہے !

بکاؤلی : صاحب ! جو اندر مہاراج کی بد دعا میرے حق میں
ہے ، شاید اس سے آپ خبردار نہیں ، لو سنو ۔

بکاؤلی : آپ کو مجھ پری ، دکھ بھری کی ہجری سطور ہے
یا بدذری ؟

تاج : دل نہیں مانتا کیا کیجے ۔
بکاؤلی : جائیے ، باہر اب دوا کیجے ۔

تاج : اے میرے دامِ محبت میں اسیر ، کس لیے ہے تو
اس قدر دلگیر ؟ خیر تیری مرضی اسی میں ہے تو
لے جاتا ہوں ، میں بھی سننے کو پھر آٹھاتا ہوں ۔
پر اس ملک میں کسی سے جان نہ پہچان ، نہ کھانے
پینے کا سامان ، نہ ٹھہرنے کے لیے مکان ، اس پہ
طرّہ یہ تیری جدائی کا خلجان ۔

بکاؤلی : اچھا میری جان پہنچا برے مطلب پر میرا دھیان ،
دیتی ہوں تجھ کو اپنے کان کا گوہرِ درخشاں، تو
اس سے بنا اپنے خرچ کا سامان ۔
تاج : خیر جاتا ہوں ، مگر اپنی سنانا ہوں ۔

ان چھ صفحوں میں نظم کا جو حصہ ہے اُس کی تفصیل
یہ ہے :

بکاؤلی اور تاج کا ملا جلا گانا— ایک
بکاؤلی کے گانے چار
تاج کے گانے چھ

۱۔ یہ گانے بہت چھوٹے چھوٹے ہیں ، کسی میں چار شعر
سے زیادہ نہیں ہیں ۔
۲۔ گانوں میں جو اشعار استعمال کیے گئے ہیں اُن کی بحریں
سیدھی سادھی اور رواں ہیں اور ان کی دھنیں آسانی
سے بنائی اور گائی جا سکتی ہیں ۔
۳۔ بحریں زیادہ تر تو چھوٹی ہیں ، لیکن گانوں میں جہاں
نسبتاً لمبی بحریں آئی ہیں تو اُن کے مصرعوں کو ٹکڑوں
میں تقسیم کر کے ترنم کی کیفیت کو جاری و ساری
رکھنے کی کوشش کی گئی ہے ۔
۴۔ اشعار کی زبان عموماً آسان اور سلیس ہے ۔

چھوٹی بحر کے نمونے کے طور پر تاج کا گایا ہوا یہ گانا
ملاحظہ کیجیے :

ہم نہیں ہرگز جانے والے
ہم ہیں یہاں مر جانے والے

اپنی حان گنوانے والے
نام و نسان مٹانے والے

ہم ہیں فرہاد زمانے کے
سر پر تیسہ کھانے والے

تم نے تو ہے پتھر اٹھایا
ہم ہیں پہاڑ آٹھانے والے

نسبتاً لمبی بحر کی مثال کے لیے تاج کا یہ گانا پیش کیا جا سکتا ہے :

آپ کی خاطر مری دنیا میں نہ تدبیر ہو
طوق ہو گردن میں مری ، پاؤں میں زنجیر ہو
تیر ہو آنکھوں کی خاطر ، چلتی گلے شمشیر ہو
سولی ملے، پھانسی چڑھے اور موت دامن گیر ہو
مر کر بھی سایہ جان پر ، سختی بلا تاخیر ہو
میری خاطر خاص کر دوزخ نیا تعمیر ہو

مکالموں میں کبھی اشعار استعمال کیے گئے ہیں اور کبھی مصرعے ۔ مکالموں میں مصرعوں سے جس خوش اسلوبی اور خوش ادائی سے کام لیا گیا ہے اس کی مثال تاج اور بکاؤلی کا وہ ملا جلا گانا ہے جس پر یہ منظر ختم ہوتا ہے :

تاج : ہم دل کسی پری سے نہ ہرگز لگائیں گے
بکاؤلی : ہم بھی پری رخوں سے پرے گھر بنائیں گے
تاج : مندر میں بت کو پوجنے ہرگز نہ آئیں گے
بکاؤلی : ہم دور ڈیرھ اینٹ کی مسجد بنائیں گے

تاج : ہم اس جگہ سے ہل کے کہیں کو نہ جائیں گے
بکاؤلی : جن کو عرض ہو، دوڑے ہوئے آپ آئیں گے
تاج : مر جائیں سر کو پھوڑ کے فرہاد بن کے ہم
بکاؤلی : سیریں کی تلخ بات نہ لیکن اٹھائیں گے
تاج : فرہاد سر پٹکتا ہوا پیچھے آئے گا
بکاؤلی : ہم جانِ سیریں پہلے ہی اپنی گنوائیں گے

ایک خاص منظر کو سامنے رکھ کر مراد کے لکھے ہوئے گانوں اور اُن کے مکالموں کے جو نمونے پیش کیے ہیں اُن کی بنا پر قیاس کیا جاسکتا ہے کہ 'چترا بکاؤلی' کے گیت اور گانے کس طرح کے ہیں اور یہاں مکالمہ نگاری کا کیا انداز اختیار کیا گیا ہے۔ جو باتیں اس خاص منظر کے مطالعے سے سامنے آتی ہیں وہی پورے ڈرامے میں ملتی ہیں اور ہم انھیں پڑھ کر یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ 'چترا بکاؤلی' کے گیتوں اور گانوں کی نمایاں خصوصیت اُن کا سیدھا سیدھا اور چلتا ہوا ترنم ہے، اور یہ ترنم کبھی مناسب بحر کے انتخاب سے پیدا کیا گیا ہے، کبھی مصرعوں کو دو یا زیادہ ٹکڑوں میں تقسیم کر کے اور ان سب موقعوں پر ترنم اور خوش آہنگی کی کیفیت کو ابھارنے میں ہم وزن اور ہم قافیہ الفاظ کو نمایاں دخل حاصل ہے۔ اشعار کی زبان عموماً روزمرہ کے قریب ہے اور اس طرح کی تعقید سے قطعاً محفوظ ہے جو اس عہد کے ڈراما نگاروں کے اشعار میں قدم قدم پر ملتی ہے۔ مکالموں میں مصرعوں اور شعروں کے استعمال میں بھی قافیوں کی مدد سے خوش آہنگی کا وصف برابر قائم رکھا گیا ہے۔

مکالموں میں استعمال ہونے والی نثر بھی سلیس اور سادہ ہے ۔ جملوں کی ساخت میں ہر جگہ چھوٹے چھوٹے ہم وزن یا ہم قافیہ فقروں سے مدد لی گئی ہے اور اس طرح نثر میں بھی نظم کا سا خوش‌گوار اور مترنم تاثر پیدا ہو گیا ہے ۔ سادگی کے علاوہ ان جملوں میں جابجا زبان کا چٹخارہ بھی ملتا ہے اور بیان کا لطف بھی ۔

مختصر یہ کہ ڈراما 'چترا بکاؤلی' انیسویں صدی کے آخر کے ڈرامائی ادب میں ایک ایسے کامیاب عملی تجربے کی حیثیت رکھتا ہے جس میں نثر اور نظم کے امتزاج سے ایک فنی وحدت کی شکل عمل میں آئی ہے ۔ مراد کے فن کی یہی خصوصیت اُن کے ڈرامے 'دستان خاندان ہامان' میں بھی نمایاں تھی۔ 'چترابکاؤلی' میں اس امتزاج نے زیادہ واضح اور نکھری ہوئی صورت اختیار کی ہے ۔ مراد نے اس ڈرامے میں نظم کا استعمال نثر کے مقابلے میں زیادہ کیا ہے ، اس لیے کہ قصے کی حیثیت سے 'چترا بکاؤلی' کا مزاج اس بات کا تقاضا کرتا تھا ۔ لیکن اس فنی تقاضے کو مراد نے جس خوش اسلوبی کے ساتھ نباہا ہے اُس سے اُن کے متوازن فنی احساس کا اندازہ ہوتا ہے ۔ اس فنی احساس کا ایک عملی کرشمہ یہ بھی ہے کہ ڈرامے میں نظم کی زیادتی کبھی ایسی شکل نہیں اختیار کرتی کہ طبیعت کو گراں گزرے ۔ مصرعوں، شعروں اور نظموں (جن کی شکل کبھی غزلوں کی سی ہے اور کبھی ہندی کے گیتوں کی) کے باہمی میل سے وہ ہر جگہ ایسی فضا قائم کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں جو اس مخصوص ڈرامائی عمل اور صورتِ حال سے ہم آہنگ ہوتی ہے جس کے لیے یہ فضا بنائی گئی ہے ۔

ایک اور بات جس کی طرف میں 'گلستانِ خاندانِ ہامان' کے حوالے سے اشارہ کرنا چاہتا ہوں ، یہ ہے کہ 'چترا بکاؤلی' کی زبان اور اُس کی قواعد میں (ایک دو مقامات کو چھوڑ کر) ویسی غلطیاں نہیں ملتیں جیسی 'گلستان خاندانِ ہامان' میں التزاماً ملتی تھیں اور اس کی وجہ یقیناً اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ 'چترا بکاؤلی' کا جو متن شاملِ اشاعت ہے ، اُس نے پہلے گجراتی میں منتقل ہو کر پھر اُردو کا روپ نہیں دھارا ، ورنہ آواگون کے مختلف مرحلے اس پر بھی جگہ جگہ گجراتی قواعد و انشا کے رنگ چڑھا دیتے اور ہمارے لیے یہ بات ایک معمہ بن جاتی کہ عبدالکریم مراد کی صاف ستھری اور صحیح نثر میں اور اُن کے سلس اور رواں شعروں میں تذکیر و تانیث کی یہ غلطیاں کیسے پیدا ہوگئیں ۔

یکم جنوری ۱۹۷۲ع سید وقار عظیم

چترا بکاولی

باب پہلا

پردہ پہلا

دربار

[اہلِ دربار کا اپنے اپنے قاعدے سے کھڑے رہنا اور آنا
اِندر مہاراج کا]

درباری : **کبت**

راجوں کے راج آئے جگ کے سرتاج آئے
اِندر مہاراج آئے عالی دربار ہے .
بادل کی فوج پر پانی کی موج پر
رہیے میں اوج پر جگ کا سردار ہے
گرجے گرجائے ابر نوبت بجائے ابر
کڑکا سنائے ابر بندہ سرکار ہے
بجلی تلوار ہے نور الانوار ہے
دم میں اسرار ہے دم میں اطہار ہے

[آنا راجہ اِندر کا]

سب درباری : **گانا**

روم جھوم سنا نا نا نا ،
ڈالی دھوم سنانا نا نا ناآنا ، جی مبل ملانا
سرگم ، ہردم گائیں بجائیں دوچند ، ماپا دھا ، کڑکڑ
دھا ، کڑ کڑ دھا ، کڑ کڑ دھا ، جھٹ پٹ گھنا

کڑ کڑ دھا ۔ مکھڑا چمکت ، دسن دمکت ، جگ
دھر دڑے ، جگ دھر بڑے ، جگ دھر ، روم
جھوم - - - -

اِندر : اے سبھا میں راگ رنگ کا رنگ جاننے والیو ! یہ
رنگ زمانہ ہیں ۔ ظاہر ہے کہ وہ دو جہاں کا رنگ ریز
اس دو رنگی سرائے میں رنگا رنگ کی رنگیں نہ
دکھاتا تو ہم سے رنگیلوں کو سوائے ایک رنگ کے
ہرگز رنگ برنگی مزا نہ آتا ۔ اب تم اپنے فکر کے
رنگ سے داس و فرہنگ سے :

بتاؤ مجھ کو رنگینی سے رنگا رنگ عالم میں
زیادہ سب سے ہے خوش رنگ کس کا رنگ عالم میں

گانا

سب پریاں : کیا سہائے رنگ سو مورا رنگ،
مورے رنگ سے کھیل رہو سب رنگ

نیلم پری : نیلم کا ہے رنگ نرالا ، برکھا کی رت میں چمکے
سومورا رنگ
کیا سہائے . . .

پکھراج : پکھراج ہے ہر رنگ سے بالا ، فصلِ خزاں پر دمکے
سومورا رنگ
کیا سہائے . . .

لال : لال رنگ سے ہے جگ گلِ لالہ ، فصلِ بہار پر چمکے
سومورا رنگ
کیا سہائے . . .

سبز : سبز رنگ ہے سب سے اعلا رت بے رت میں چمکے
سومورا رنگ
کیا سہائے . . .

اِندر : اے ہمارے پرستان کی پرستارو ، گلعذارو ! اگر بکاؤلی
اس رنگ ڈھنگ کا سوال سن لیتی تو ہر رنگ تم
سے خوش رنگ جواب دیتی ، مگر نہیں معلوم بکاؤلی
کس آرام گاہ کی بارہ دری میں ہے ، کس کاروبار
سرسری میں ہے ، جو دربار میں ننھ تک دکھانا
بھول گئی -

نیلم : اے ابر رحمت !
کیا جانے آس میں کون سی دھن ہے سما گئی

پکھراج : زیرِ زمیں گئی ہے کہ فوقِ سما گئی

لال : یا چرخِ چنبریں پہ وہ خورسید چھا گئی

سبز : یہ لو حضور ، عمر بڑی ہے ، وہ آ گئی

[آنا بکاؤلی کا ناچتے ہوئے]

جے راجن کے راج تم جگ جگ کریو راج
حاضر ہے دربار میں یہ تیری محتاج
کوئی ہری ، کوئی لال ہے ، کوئی نیلم پکھراج
میں عاجز ہوں خاک سے رکھیو موری لاج

راجہ اِندر : **گانا**

اے رنگ رنگیلی موری رنگت ، نت رنگ راگ رنگت
چمکت ، کہو دنیا میں کون اعلیٰ اے رنگ رنگیلی!
رنگے تو رنگ رنگ برنگی ، ہر ہر رنگن دن رینا
نظر پڑت ہے ، تو ہے رنگیلی کیا رنگوں میں رنگ نرالا
——— اے رنگ رنگیلی

بکاؤلی : مہاراج ادھیراج ! عالم کے سرتاج ! ہر ایک اپنا اپنا رنگ لاتا ہے ، نرالا ڈھنگ دکھاتا ہے ، خوبی پر اِتراتا ہے ، لو بھئی، نیل کنٹھ کی مادہ بولی :

کبت

''رنگت میں نیلی دیکھو ، چنچل چھبیلی دیکھو ،
بانکی حٹکیلی دیکھو ، چتون نکیلی دیکھو''
اس کے بعد ہلدی کی گانٹھ نے دل کی گرہ کھولی :
''صورت جو پیلی دیکھو ، سیرت رسیلی دیکھو ،
ہر ایک رنگیلی دیکھو، تن میں گٹھیلی دیکھو''
اس کے بعد یہ گیروا مٹی چلائی :
''لالوں کی لال ہوں ، صاحب جمال ہوں ،
خوبی کا مال ہوں ، رکھتی کمال ہوں''
پھر تو یہ گھاس تک اِترائی :
''ہری ہری ڈال ہوں ، ہرا بھرا مال ہوں
کھڑی ہر سال ہوں ، پری بے مثال ہوں''
مگر بندی کے گمان میں نہیں ، دنیا میں کوئی سفید کے ثانی رنگ ، کیونکہ وہ ہے اصل نور کی صورت ، اور سب بنی ہوئی مورت ۔

اِندر : آہا ! واہ ! سب سے اعلیٰ بات کہی ۔ سفید کا ثانی کوئی رنگ نہیں ۔

بکاؤلی : اور وہ سفید رنگ نورانی حضرت انسان میں ہے ، اس کی مثال زمین میں نہ آسمان میں ہے ۔ نظر اٹھاتی ہوں تو اس کے مقابل میں کوئی نہیں پاتی ہوں ۔ انصاف پر آتی ہوں تو پری ہو کر شرماتی ہوں ۔

اِندر : آہا جوڑ تو خوب ملایا جو سب پریوں کو شرمایا ۔

بکاؤلی : **گانا**

آدم میں یہ صفت سنا کے ، راجہ کے گلشن میں پسند آئی ہوں
آج میں لالوں کی لال بنی ہوں ، صاحب ِ حسن و جمال بنی ہوں
بشرکا رنگ ، نیا ڈھنگ بنلا کے راجہ کےگلشن میں پسند آئی ہوں

نیلم : آہا آتے ہی چھیڑ چھاڑ ہے تو پھر ہمارا کیا بگاڑ ہے

بکاؤلی : ایک طرف سب رنگ ہیں ، میں ہوں الگ مہاراج
تیوری اُن کی چڑھ گئی ، رکھیو موری لاج

نیلم : رکھیو اس کی لاج ضروری ، اے جگ کے راج
عاجز ہے یہ خاک ہے ، بے شک رکھیو لاج

سب پریاں: **گانا**

اے مہاراج ! سنیے کہانی
عشق میں یہ ہوئی ہے دوانی
غیر جنسوں سے پریت ہے ٹھانی
جانا انسان کو اس نے جانی
کیا ہوا تجھ کو اے بدقرینہ
ہم سمجھتے تھے دانا و بینا
سردار اس کا مشکل ہے جینا
بخشیو اس کی تقصیر کتنا

اِندر : **نظم**

مور کو ہونے لگی افسوس الفت مار کی
نور ہوکے رکھتی ہے جلنے کو رغبت نار کی
زور والی کو پسند آئی ہے صورت زار کی
دور ہو مردار ! کہلاتی ہے غیرت دار کی

گانا

دور دور دور دور او ناری ناکاری آزاری بازاری !
بری کے بن کا نور کیا نہیں ملا؟ جیوں کا جینا نور کیا نہیں ملا؟
برس برس سر کے بن ،، سر کے دہن ،،
خود پسند ، جائے کری، دہائی بڑی، دور دور دور دور ..
ارے کوئی لے جاؤ ، اس بدکار سردار کا سر کاٹ کے
الٹا لٹکادو ۔

سبز پری :
حضور فیض گنجور ! کچھ عرض کروں ، گر معاف ہو قصور :

پری نے خود بخود سایہ نہ خاکی نور پر ڈالا
بد قدرت نے دل اس کا اسی دستور پر ڈالا
رہے جن و پری حور و فرشتہ کون گنتی میں
خدا نے بھی تو اپنا نور کوہِ طور پر ڈالا

بکاؤلی پری ہماری سردار ، زینتِ دربار ہے ، اگر یہ
چاند غضب کے بادل میں چھپایا جائے گا تو بندہ پرور
ہم جیسے ستاروں کا لشکر بغیر سردار کے ابتر
ہو جائے گا ۔

سزا کوئی ایسی نکالی رہے کہ زندہ رہے اور جلتی رہے
یہ بوساک حرمی بدلتی رہے تو پھر نوری سانچے میں ڈھلتی رہے

اِندر : ٹھیک ہے یہ ہمری بھی رائے ، ضرور یہ ایسی ہی
سزا پائے ۔ ارے کوئی لے جاؤ ، آگ میں جلاؤ ۔
یونہی جلایا کرو اور جلایا کرو ، بعد پاک کر کے
ہمارے حضور میں لایا کرو ۔

[جیوں کا بکاؤلی کو جلانا]

سب : گانا

چندے ماہتاب ڈوبی گندے تالاب میں
الاماں الاماں الاماں الاماں ، ہائے ہائے ہائے ہائے
سرور ، بربر ، اختر ، انور سونی بے جوہر ،
گری اتر بر ، اندر پری دلبر ، مہا سندر ، پریوں
کی افسر ، گری کمتر پر، ہم زادوں سے ناتا توڑا،
جناتوں سے منہ کو موڑا، کیا ہم حوروں کو چھوڑا،
بے نوروں سے رشتہ جوڑا ، ہائے ہائے ہائے ہائے

[کالی کا .....ظاہر ہونا]

اندر : نظم

اے نور نارِ عشق سر میں جلی ہوئی
تو پاک نارِ نور سے ہوکر بھلی ہوئی
شعلے اڑا کے راگ کے محفل کو گرم کر
سانچے سے نور کے ہے تو نکلی ڈھلی ہوئی

بکاؤلی : گانا

یا رب حال کھل جاوے عشق کا کیوں تو نے سدا
کانوں نے سنا الزام
دھوم دھام سے سن سن ہوئے ہوش گم ، ہوش گم
حال کھل جاوے ۔ ۔ ۔ ۔
پیٹ میں سلگا دن جل جل کے ، جان پڑی ہے اب بل کے
دل ہے دشمن، جان ہے بیرن، پُرغم ہوئے ہم، ہمدم ہوئے کم
حال کھل جاوے ۔ ۔ ۔ ۔

ابیات

اِندر : اے سمع رو وہ سوز ترا ٹل نہیں گیا
رسّی تمام جل گئی پر بل نہیں گیا
افسوس عشقِ زلفِ مسلسل نہیں گیا
تو جل گئی ، وہ شوق ترا جل نہیں گیا

بکاؤلی : حضور پر نور! بندی فرماں بردار ہے ، مگر اس کم بخت دل سے لاچار ہے ، عجب نابکار ناہنجار ہے۔ نیک و بد پہچانتا نہیں ، سمجھانے سے مانتا نہیں۔

اگر رضا ہو گنہگار پُر خطا کے لیے
نکالوں دِل کو بدن سے ابھی سزا کے لیے

پہلا درباری : تو اسے دل کو دے دیتی ہے سزا کے لیے
مگر دکھائے گی کیا ، جا کے دلربا کے لیے
رکھا ہے لا کے پرستاں میں جو دلبر کو
تو اس کے واسطے کیا کہتی ہے ، خدا کے لیے

اِندر : (خفا ہو کے)
ہیں کیا سبب ؟ او بے ادب ، تجھ پر ٹوٹے غضب ، اب یہاں تک اترائی کہ ہمارے بغیرِ فرمان انسان کو پرستان میں لائی ، ہوا میں خاک اُڑائی ، نور میں کیچ ملائی۔

گانا

کوئی لینا بیگی خبریا ، جیا مورا ستاوے انسان رے ،
ہاں ایسے بن میں اٹھاؤ ، جھٹک پھٹک ڈالو رے
بن دیکھے چین نا ——— کوئی لینا . . .

کوئی جاؤ ، اٹھاؤ ، اٹھاؤ دکھ جھیلے دن رینا
کوئی لینا . . . .

اِندر : نظم

او بے غیرت ، نوری صورت ، خاکی مورت جا کر بن جا
خاکِ جہاں سے خاک میں مل کر خاک کے اندر کنکر بن جا
آنکھ لڑاوے پھر نہ کسی سے ، آنکھوں سے بھی پتھر بن جا
میں نے تجھ کو قوم پری سے دور کیا ، بے نور ہوئی
آج سے تو جاپ نگر اور اِندراسن سے دور ہوئی
مرے دم تک تیری جدائی اب مجھ کو منظور ہوئی
اور دوسری سزا نہ ہے :

خمسہ

ایک سمے وہ تیرا دلبر ، بپتا میں آ کر پھنس جاوے
اُس کی قوم کی عورت کا دل ، اُس کی خاطر للچاوے
جب تک تجھ سے شادی کی وہ لینے اجازت نا آوے
اور تو اپنی مرضی کا اقرار نہ اُس کو بتلاوے
جیتے جی اس جرم سے تو چھٹکارا پھر نا کبھی پاوے

بیت

سن سن یہ بھید تو جو اُسے کہہ سنائے گی
مانند اپنے اُس کو بھی پتھر بنائے گی

گانا

او بدکار ! او مغرور ! او بدنام ! او بے نور !
دور دور ، یہاں سے دور

درباری : دور دور او مردار

پریاں : دھو ہے نجھ نہ نانکار

اِندر : سنگ بن ، حرام کار

آدھے بن سے ہو دور

پردہ دوسرا

جنگل

[آنا تاج الملوک کا ، فراق بکاولی میں گانا]

تاج : گانا

کوئی حال کہو جا کے میری پری کو سمجھا کے
اپنے عاشق و شیدا کے پری دیکھے تو حال آ کے

میری خبر دے کون مجھے اور لاوے کون نشان
مجھے کہاں میں پاؤں جان یہی ہے دھیان رہا حیران
کوئی حال کہو . . . .

اے پنکھ پکھیرو اڑے پھرو تم جگہ جگہ ہر دور
کہیں نظر پڑے وہ حور، سراسر نور ، جو ہے مجبور
کوئی حال کہو . . . .

سنو سنو اے بن کے درختو ، سنو میری فریاد
کہاں گیا میرا شمشاد ، کرو امداد ، میں ہوں برباد
کوئی حال کہو . . . .

زمیں پھٹ جا ، ذرا تو ہٹ جا ، نظر پڑے اسرار
کہاں چھپی ہے وہ دلدار ، گلِ بےخار، میری غمخوار

کوئی حال کہو . . . .

ہوا سلام و پیام ، رہے جہاں میں تیرا نام
جہاں ہے میرا گل اندام ، تو دے جا کر پیغام

کوئی حال کہو . . . .

———

پردہ تیسرا

باغ یا جنگل

[چار :ریوں کا آنا]

پریاں : **گانا**

ہل مل روم جھوم کرو جی سیر !
دیکھنا بھالنا قدرت نگار پیاری پیاری
ہے دھری ہر بڑھتی پروردگار کی گل کاری
——— کرو جی سیر !
گھوم گھوم گلوں کی سیر کرت جات لیل و نہار
داؤدی اور جوئ دل جوئ ہر جاں نثار کی ہر باری
——— کرو جی سیر !
سیوتی ، موگرا ، مدن بان کی مہک عجب عجب آئی
باغ کی پھول کی کلی نے چٹک چٹک غضب ڈھائی
گلشن ہے عشرت افزا ، موہن جوبن فرحت افزا
——— کرو جی سیر !

نیلم : کیا قدرتی چمن نظر آیا ، ہرا ہوا
کملائے دل نے اس کو جو پایا ہرا ہوا

سبز : ہائے اندراسن میں جب کہ حکم راجہ کا ہوا
یہ جو آدم ہے ارم کے پھول پر شیدا ہوا

اس کے نیچے ڈال دو بن بن پھرے بھٹکا ہوا
ہائے پیو ! کیا کہوں جو کچھ مجھے صدمہ ہوا
حکم سے راجہ کے میں بندی وہاں مجبور تھی
ورنہ ایسی بات جانو دل سے کب منظور تھی

پکھراج : آہا ! بندی حکمِ راجہ سے وہاں مجبور تھی

لال : کیوں نہیں کہتی کہ میں الفت میں چکنا چور تھی

نیلم : یہ وہی ہے دیکھو جی نکوں میں جو مشہور تھی
گندے قطرے کی محبت بندی کو منظور تھی

سب : بے حیا چل دور ہو، غیرت تجھے آتی نہیں
دشمنوں پر تو ترس کھاتی ہے، شرماتی نہیں

سبز : کور تو آئے نظر کب شکل اہلِ کار کی
حور تو کیا ہو شبیہ بے کس و لاچار کی
کور ہے آخر حویلی شاہ و خدمت گار کی
دور کر دو دل سے دا ہی غیرت و پندار کی

سب : بے حیا چل دور ہو، غیرت تجھے آتی نہیں
دشمنوں پر تو ترس کھاتی ہے، شرماتی نہیں

پکھراج : انجان ہے ذی شان نبی جان کو جانا

نیلم : کیا سمجھے وہ انسان سے نادان کو دانا

لال : ہے خاک اور پانی سے جو انسان کو سانا

سبز : پھر کس لیے ہے تم نے سلیمان کو مانا

سب : ہیہات یہ بدذات نے کیا بات نکالی
اس خاک کے پتلے میں کرامات نکالی

سبز : جھیپی ہو تو انسان کو دشنام نہ دینا
اس عشق کے سلطان کو الزام نہ دینا

دنیا میں کہو عشق سے کیا چیز ہے خالی
عشاق کا درجہ ہوا آفاق میں عالی

[اندر سے تاج الملوک کا گانا]

تاج : گانا

دل جانی کو پائے خدایا میرا بیڑا کیسے؟
بار الم کا اٹھا کے سر پر جنگل جنگل بھٹکے
کہاں تک غم کھاؤں میں، بہتر ہے مر جاؤں میں
کہاں تک . . . .

لیلم : ہم مدام اس مقام پر صبح و شام آرام پانے ، دل بہلانے مزے اڑانے ، آئے دن آتے رہے ، بلبلوں کی آواز کوئل کی کوکو کا انداز ، پپیہے کا سیٹی بجانا ، دادر و مور کا شور مچانا ، غرض ہر جانور کا گنا سانا ، ترانے پر ترانہ سب کچھ سنا سنایا ، پر آج آواز کا انداز نرالا پایا . کبھی سننے میں نہ آیا ۔

لال : عجب گانے میں ہم نے دردناک آواز جانی ہے
ترانہ ہے کہ کوہ طور کی یہ لن ترانی ہے

سبز : اف ، میرا تو ہائے ہائے کلیجہ نکل گیا
دل مثلِ موم اس کی صدا سے پگھل گیا
انجام اس کا کام کروں میں جو ہو سکے
خوفِ خدا سے دل ہے ہمارا دہل گیا

پکھراج : ہاں ہاں حضور کا ہے کلیجہ نکل گیا
دل چکنی مٹی دیکھ کے جھٹ پٹ پھسل گیا
بندی پہ بھی حضور کے جوہر کھلے ہیں آج
غیرت کا پانی آنکھوں سے اک بار ڈھل گیا

سبز : ہاں صاحب سچ ہے، درد والے کو کون پہچان سکتا ہے،
جس کے دِل کو لگی ہے وہی جان سکتا ہے ۔

بکھراج : ہر ایک جانتا ہے بری ڈھنگ آپ کا
بے سک گواہی دینا ہے یہ رنگ آپ کا

نیلم : کیوں بولا ہائے ہائے دلِ تنگ آپ کا
گلفام نام سے ہے رہا سنگ آپ کا

لال : کسی سے دل ان کا ملا چاہتا ہے
اُدھر رکھ کے تہمت گلا چاہتا ہے
نیا یہ سگوفہ کھلا چاہتا ہے

بکھراج : کیوں جی! دل میرا پھسلا یا ان کا؟ کس پر سایہ
ہے عشق کے جن کا ؟ چور کی داڑھی میں تنکا ۔

[اندر سے]

تاج : مجھ کو بنا کے باؤلا ، آپ بنی ہے باؤلی
کیوں نہیں جواب دیتی منہ سے ذرا بکاؤلی

نیلم : آہا یہ تو وہی بکاؤلی کا طلب گار ، ذلیل و خوار
معلوم ہوتا ہے ، جو برسان سے نکالا گیا ۔

ہائے پری بکاؤلی ، کیسی ہوئی ہے باؤلی
ایسی ذلیل قوم پر نام بگاڑنے چلی

[اندر سے آکر تاج کا بکھراج کو پکڑ کے کہنا]

تاج : ہائے میری بکاؤلی پیاری ہائے میری بکاؤلی پیاری

بکھراج : نہیں تیری بکاؤلی پیاری نہیں تیری بکاؤلی پیاری

یہ لو ہوا یہ تو ہمارے ہی سر ہوا ، دونوں جہان سے
گئی گذری ، اس نے مجھے چھؤا ۔

لال : اری بھاگ بھاگ ، کہیں سو نہ جائیں تیرے بھی بھاگ
اگر ہوگئی اس سے لاگ تو اور بھی ہوگی آگ

سبز : اری او ڈسے تجھے کالا ناگ ، یہ کیسا ہے کھٹراگ
کہ پھر جائیں بھاگ ، کیا یہ جیسا ہے یا باگ جو
کھا جائے بے لاگ ۔

نیلم : الٰہی ناگ ہو تو اسے ڈسے ، باگ ہو تو اسے کسے
آناً فاناً میں چل بسے ، پھر کبھی کسی پر نہ ہنسے

پکھراج : اے سروروں کے شاہ سلیماں دو امان
اس گندے قطرے سے مرے داماں کو امان

تاج : اے پری ! ہر قوم میں نسبت ہے تن کو جان سے
جان کو لازم نہیں ہے بھاگنا انسان سے

پکھراج : للہ رحم کھاؤ ، تم آن کر بچاؤ

لال : کیوں ؟ ہم نہ کہہ رہے تھے نزدیک نہ جاؤ

تاج : سوگند خدا پاک کی یہ دھیان نہ چھوٹے
انسان سے داماں پری جان نہ چھوٹے
جب تک کہ نہ دو قول مرے کام کی خاطر
دم چھوٹے، مگر پریوں کا داماں نہ چھوٹے

سب پریاں : مشکل نری آساں کریں ، ہم سے تو بیان کر
ہم کھاتی ہیں سب تختِ سلیماں کی سوگند

تاج و پریاں : **گانا**

تاج : مہر جو کوئی حور شمائل تم میں سے مجھ پر کردے
عجب نہیں شامِ ظلمت کو میری صاف سحر کردے

سب پریاں : ہم سے ہاں جو صاف تو اپنا حالِ دلِ مضطر کردے
شاید شب ،مہ کو روشن تیرے کوئی اختر کردے

تاج : بکاؤلی کے پاس ہماری جو کوئی جلد گذر کردے
خاک سے گویا ہمیں اٹھا کر نوری پر افسر کردے

پریاں : سنگل میں ہے جاں تمہاری کون واں سنی نظر کردے
راحت اندر سن پائے تو ہم کو بھی پتھر کردے

تاج : چاہے کوئی خوشی سے یا چاہے کوئی ڈر کر دے
جامِ عشرت تم میں سے جو دیتی ہو بھر کر دے

پریاں : آدم تو دلگیر نہ اتنی باتوں سے یکسر کردے
تھام لے دامن تختِ رواں کا اللہ تجھ پہ کرم کردے

باب پہلا

پردہ چوتھا

جنگل

سب جوگی : گانا

خدا کو دن رات جپتے رہو خدا سے دن رات ڈرتے رہو
نام اس کا ہردے میں جپو ، چت دھرو ،
سدھ کرو ، تن ہرو ، بہترو ابترو !
خدا کو دن رات جپتے رہو خدا سے دن رات ڈرتے رہو
انُرد جتن کر ، ہر بھجن کر ، ہر بھجن کر ،
گھر کا ، در کا ، زر کا نرگن کر
خدا کو دن رات جپتے رہو خدا سے دن رات ڈرتے رہو
کر سمُرنی سدھرنی ، دن دونی چاہے جو اے گُنی ،
چھوڑو جہاں کی بات کو ، مت بھولو اس بات کو ،
خدا کو دن رات جپتے رہو ـــــ

[تاج کا آنا]

تاج : سادھو پنتھ آدیس !

گرو : جیو بچہ آدیس !

تاج : کس منڈپ استھان ہے کون نگر میں دیس ؟

گرو : ہر سے اپنا دھیان ہے ، ہر سے اپنا گیان

جوگی : جس جا میں ہم جا بسے ، وہی منڈپ استھان

تاج : باوا جی دنیا کسی ؟

گرو : کیا بتلاؤں ہے بیٹا جسی

عجب یہ سطرنج کا سا نقشہ بچھا ہے دن اور رات اس جا
جو چاہتا ہے کہ مات ہووے نہ آوے بُرد اُس کے ہات
—— اس جا
ہزاروں منصوبے دل مں ٹھانے یہ سوچ چالوں کی گھات اس جا
نہیں ہے اک چار چوک قائم سبھوں کی بازی ہے مات
—— اس جا
بڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروڑوں پنڈت ہزار سیانے
جو خوب دیکھا تو پیارے آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

تاج : باوا جی دنیا کی راہ تو بتائی ، اب سہر کی کرو رہنمائی

گرو : دیا دیپ میں دیا نہیں ، سر اندیپ میں حیا نہیں
جمورا ایسا نیا نہیں ، کنک دیپ کو گیا نہیں

پہلا جوگی : دیپ کو آنھل بتھل دیکھا ، بالکل جنگل ہے
چھوں دیپ سے بہتر برتر دیپ یہ پیارا سنگل ہے

تاج : اور مہاراج کیسے ہیں !

دوسرا جوگی : چھین کوٹ کٹک دل ساجا سبھی چھتر پت اور
گڑھ راجا
نگر نگر بھرے ، دھرم کا راجا ، ہر کا پیارا ہے ،
مہا راجا

گرو : حال سن اُس کے نگر میں اک نئے اسرار کا
آیا ہے اوتار بن کر کے کرم کرتار کا

تاج : کیا سبب ثابت ہوا ہے آپ کے اوتار کا

تیسراجوگی: انک مندر خود بخود نکلا ہے جیسے دوارکا

تاج : آہا اور بھی فرماؤ کچھ تو اس کی بات کو

چوتھاجوگی: کھلتا ہے دروازہ اس مندر کا آدھی رات کو

تاج : کب تلک پھر در مندر کا کھلا رہتا ہے

پانچواں جوگی: جب تلک پردے میں یہ سورج چھپا رہتا ہے

تاج : وہ جو مندر ہے کوئی اندر بھی جاسکتا ہے

پہلا جوگی : نور سورج کا بھی اندر نہیں آ سکتا ہے

دوسراجوگی: رات کو بھی جانے والا وہاں نہیں جاسکتا ہے

تاج : باوا جی اس مندر کی طرف جانے کی راہ تو بتاؤ ، مہربانی فرماؤ ۔

گرو : بیٹا ادھر اتر کے ، اوپر اونچے ٹیلوں کی چوٹی سنسان بیابان ہے ، باگھ چیتوں کے رہنے کی جھاڑی ہے ، آگے کالی پہاڑی ہے ، اس میں دیوتا کا استھان ہے ۔ مورت جاندار وہ مندر اپنے اندر رکھتا ہے ، یہ بات عجائب پاکر ہر کوئی جانے کو ڈر رکھتا ہے ۔

تاج : گروجی اجازت دیجیے ۔

[سب جوگیوں کا گانا]

گانا

خوش رہو خوش رہو جاؤ عیش مناؤ
سجن سنگ بیٹھو ، گن بھری بات سناؤ

خوش رہو ۔ ۔ ۔ ۔

خوش رہو بیارے ، میت ہمارے ، راج دلارے جاؤ
حگ سالاری اور سرداری برخورداری پھل بھلواڑی پاؤ
خوش رہو ۔ ۔ ۔ ۔

اے سرور! دل جانی ہمارے ہر سمرن گن گیانی پیارے
گل رخ یوسف ثانی ہمارے ہو تجھ کو سلطانی پیارے
خوش رہو ۔ ۔ ۔ ۔

تاج الملوک : گانا

اے پیر ذی سان اس احسان پر قربان
یہ غمگیں حیران ، رہا ہر آن
ذی شان ، تم نے کی مشکل آسان
میری جان ، بھی مہمان ، کوئی آن
سبحان ، مہربان ، بے پایاں کیے احسان
اے پیر ذی شان ۔ ۔ ۔

پہلا باب

پردہ پانچواں

جنگل

تاج : یا الٰہی! یہ کیسا خوف ناک سنسان، ہُو کا مکاں ہے ؟
یہ جھٹ پٹا اندھیرا ہے ، مجھے حیرت نے آن گھیرا ہے۔
یہی دل میں کامل گمان ہے، یہ بُرج دو نیک ساروں
کے ملنے کا مکان ہے -

گانا

مدتوں بن میں پھرا وبس کبھی بن بن کر
سر ہوا کوہ کے فرہاد سا دشمن بن کر
حرمِ عشق میں کرتا رہا اللہ اللہ
اب تو مندر کے ہوں جگر میں برہمن بن کر
ہائے دن کیوں کر گزاروں کیا کروں ؟
سر درِ مندر نہ ماروں ، کیا کروں ؟
بکاؤلی ! بکاؤلی ! یہاں ہے تو بری یا بھلی ، خبر ملی ،
جواب دے کہ جائے میرے جی کی بے کلی -

[مندر میں سے بکاؤلی کا گانا]

بکاؤلی : **گانا**

میں بے چاری ، من ماری ، دکھیاری بے نین
اندھیاری پاتی رہی میں اُجیاری دن رین

چم چم یہ کیا چیز چمکی جیسے برقِ نور
جس کو دل کی آنکھ نے سمجھا اپنا شعلۂ طور

[ایک آواز کے ساتھ درِ مندر کا کھلنا ، تاج کا گھبرانا]

تاج : گانا

مورا من لاگو دھڑکن رے کاہے بن لاگو لرجن رے
ہوت سن سن مچی ہے دھوم زور شور ، بن بن گونجتا
دہلتا رے
بھر بھر بن میں ، سن سن من میں، ہم نے خبر جانی
نہ جانی
مورا من لاگو دھڑکن——
اکیلے اکیلے چلے ہم بھلے دم
الم بلا بلا کے پالے، لے لے کے گلے ڈالے
در در بھرنا سدھارنا دن بن من چھوڑے ، یہاں یہ
کڑ کڑ دھوم
کڑ کڑ کڑ کڑ بک کڑا بک دھوم کڑ کڑ آجھی
جانی نہ جانی ——
مورا من لاگو دھڑکن——

اہاہاہا ، اوہو ہو ہو ! یہ تو دروازہ کھلنے کی آواز
تھی ، یا پروردگار ! یہ کیا ہے اسرار ، نہ وہ حور ہے ،
نہ وہ نور ہے ، نہ وہ نور ظہور میں چور ہے ، یہ
حیران ہوں دیو ہے ، یا جن ہے پلید ہے ، کون ہے ؟
اے آفت کی مبتلا ، تو کوئی انسان برملا ہے ، یا انسان
کے لیے بلا ہے ۔ بلا خوف بیان کر، تو کون ہے ؟

بکاؤلی : **گانا**

مٹی پڑی ، پہاڑ سا یہ ڈیل ملا کون سے سکھ دیکھے
اندراسن نگری سے ، باندھی گئی پتھری سے
——مٹی پڑی ، بہاڑ سا

ذات گھٹی آنکھوں میں — بات متی سکھوں میں
پھانسی گئی اُلفت میں — جان پر دکھ جھیلے
——مٹی لڑی ، پہاڑ سا

ابیات

کیوں کر کہوں دری ہوں ، آفت میں پھنس رہی ہوں
نامی بکاؤلی ہوں ، مٹی میں دھنس رہی ہوں
اِندر کی بد دعا سے قید نفس[1] رہی ہوں
زریں بدن کو اپنے پتھر نہ گھس[2] رہی ہوں

تاج : **گانا**

ہائے یہ روگ پری کو ہے کیسا ، دشمن کو بھی ہووے نہ ایسا
ہم پر روگ پری کا جو ڈارے ، کوئی نہیں ایسا تیسا
——ہائے یہ روگ

ہائے الٰہی کہاں کو جاؤں ، کس کو حال سناؤں
جی میں آتا ہے یہی ، سنگ سے سر ٹکراؤں

بکاؤلی : ہیں ! کون ؟ تاج !

---

۱ ۔ معنی فی بطن شاعر ۔ ۔ ۔ غالباً ''قید نفس بھگت رہی ہوں''
کہنے کی کوشش کی گئی ہے ۔
۲ ۔ ماہیے کے جبر نے گھِس کو گھ‌َس سا دیا ۔ (مرتب)

تاج : ہاں ! وہی محتاج - پر حیران ہوں ! اے جان ، دیکھ
کر پتھر کا بدن آج -

بکاؤلی : گانا

چاند پہ گہن عجب پڑا	کیسا سنگین غضب پڑا
جگر جان کیوں کر بھلا ؟	تن پہ پری کے پتھر دھرا
نیا روگ نظر پڑا	جگر جان کیونکر بھلا ؟

تاج : گانا

ہے ہے بھاری آفت گزری کیسی تیری صورت آپری
تو بن گئی پتھری
ہائے کہاں سے بید کو لاؤں دشمنِ جاں ہے ساری نگری
ہے ہے بھاری آفت گزری
یا الٰہی کدھر کو جاؤں ؟ کس بدھ ڈھونڈوں پیاری نگری؟
ہے ہے بھاری آفت گزری

بکاؤلی :

اے میری جان ! تجھے دیکھ کر حیران ہوں اس
آن ، یہ وہ جگہ ہے جہاں آ نہیں سکتا کوئی انسان -

بیت

مجھ کو حیرت ہے یہاں ہووے گزر آدم کا
یہ ترا نور جو چمکا ہے تو کیوں کر چمکا ؟

تاج :

تجھ کو تقدیر جب اس قید کے اندر لائی
مجھ کو قسمت اسی صحرا میں سراسر لائی

کئی پریوں کو ہوا کھینچ وہاں پر لائی
میں نے چھبڑا نو ہر اک رنگ مٹک کر لائی
آنسو الف سے بری ایک پری بھر لائی
رحم کھا کر وہ مجھے شہر کے باہر لائی
اب دلربا ملی نو بھلا اور کیا ملے
حیرت ہے نیرے درد کی کیوں کر دوا ملے

بکاؤلی :

نقدیر سے کسی کو دوا اور سفا ملے
کامل دوا نو یہ ہے کہ تم ہم سے آ ملے

تاج : پر حیرت ہے مجھ کو جان ! خبر ہو گی نم کو صبح کی نہ سام کی ، پھر کس طرح یہ مدت تم نے تمام کی ؟

بکاؤلی :

کیا بتاؤں تم کو ، مجھ پر جیسا گزرا وقت ہے
یہ کہو اٹکل سے تم اب رات کا کیا وقت ہے

تاج :

صبح کے ہونے میں شاید اب نو تھوڑا وقت ہے

بکاؤلی : ارے رے ! ہائے ہائے ! افسوس صد افسوس !

تاج : ارے کیا ہوا ، کیوں خیر تو ہے !

بکاؤلی : گانا

پیارے جاؤ رین تھوڑی باقی ہے
صبح پیارے کوئی دم میں ہوتی ہے
بیری آیو رے سویرا ، آن غموں نے دل گھیرا

——پیارے جاؤ

جیوں‌جیوں رین کٹتی‌جاتی ہے   جان موری گھٹتی جاتی ہے
——بیری آیو رے سویرا

لاچاری ہے کیا کیجے ، آدھی رین پھیرا کیجے
——بیری آیو رے سویرا

تاج : **گانا**

کیسے ہو جانا ، او مرے جانا
ہر گز نہیں ہوں گا روانہ
جوگی بن کے درشن پایا
روپ مٹا کے پُن لینے آیا

دل میں ہے ٹھانی مر کے ٹلیے
یہاں سے تجھ کو لے کر ٹلیے
——روپ مٹا کے

بکاؤلی : مان لے اے جان کہنا مان لے
بات یہ اچھی نہیں ہے جان لے

تاج : ہم نہیں ہرگز جانے والے
ہم ہیں یہاں مر جانے والے

اپنی جان گنوانے والے
نام و نشان مٹانے والے

ہم ہیں فرہاد زمانے کے
سر پر تیشہ کھانے والے

تم نے تو ہے پتھر اٹھایا
ہم ہیں پہاڑ اٹھانے والے

بکاؤلی : صاحب ! جو اِندر مہاراج کی بد دعا میرے حق میں ہے ، شاید اس سے آپ خبردار نہیں ، لو سنو ۔

گانا

جان کی دو امن ، پیارے جاؤ رے
مت کرو نہ ظلم ، پیارے جاؤ رے

دوہرا

پتھر تن کا نہ ٹلے میں کیا جانوں سال
بھور تلک جو سنگ رہے دگنا ہو جنجال

تاج : اے صنم ! مجھ کو بھی پتھر یہاں بن جانے دو

بکاؤلی : فائدہ کیا جو یگانے سے ہوں بیگانے دو

تاج : خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو

بکاؤلی : آپ کو مجھ پری دکھ بھری کی بہتری منظور ہے یا بدتری

تاج : آپ کی خاطر مری دنیا میں یہ تدبیر ہو
طوق ہو گردن میں میری ، پاؤں میں زنجیر ہو
آنکھوں کی خاطر تیر ہو ، چلتی گلے شمشیر ہو
سولی ملے ، پھانسی چڑھے اور موت دامن گیر ہو
مر کر بھی شاید جان پر سختی بلا تاخیر ہو
میری خاطر خاص کر دوزخ نیا تعمیر ہو
اس سے بھی بڑھ کر اگر ، وہم وگماں سے دور ہے
منظور ہے ، منظور ہے ، منظور ہے ، منظور ہے

بکاؤلی : اب شبشہٗ دل سنگ جدائی سے کرو دور
تم ٹوکرا تشریف کا لے جاؤ کہیں دور

تاج : دل نہیں مانتا کیا کیجے -

بکاؤلی : جائیے ، باہر اب دوا کیجے -

تاج : گانا

مجھے نادان تو اے جان نہ جان
پیاری کہنا مان ، کہنا مان ، کہنا مان
دل ہے پریشان ، جان ہے لب جان
آسان ہے یاں رہ جانا ، دشوار ہے
باہر جانا ، جانا ، جانا مت کہہ جاناں !
جانے میں کیا ہے پہچانا
جان ، جی، جان ، قربان ، پہچان پہچان !
مجھے نادان تو اے جان نہ جان

بکاؤلی : گانا

ہے ہے یہ بدن جو تھا نگوڑا پتھر
پھوڑا تھا بدن اور نہوڑا پتھر
ہے ہے مرے دل پہ تو نے توڑا پتھر
پتھر پھوڑے پہ اور پھوڑا پتھر
ہے ہے اِندر نے تن سے جوڑا پتھر
جوڑے نے بھی میرے تن پہ چھوڑا پتھر
تھا تن پہ عذاب یہ نگوڑا پتھر
ہر شیشے پہ دل کے تو نے چھوڑا پتھر

تاج :

اے میرے دامِ محبت میں اسیر ، کس لیے ہے تو اس قدر دل گیر ؟ خیر تیری مرضی اسی میں ہے تو لے جاتا ہوں ، میں بھی سینے پر پتھر اٹھاتا ہوں ۔ پر اس ملک میں کسی سے جان نہ پہچان ، نہ کھانے پینے کا سامان ، نہ ٹھہرنے کے لیے مکان ، اس پہ طرہ یہ تیری جدائی کا خلجان ۔

بکاؤلی :

اچھا میری جان ، پہنچا تیرے مطلب بر میرا دھان ، دیتی ہوں تجھ کو اپنے کان کا گوہرِ درخشان ، سو اس سے بنا اپنے خرچ کا سامان ۔

تاج : خیر جاتا ہوں مگر اپنی سناتا ہوں :

گانا

تاج : ہم دل کسی پری سے نہ ہرگز لگائیں گے
بکاؤلی : ہم بھی پری رخوں سے پرے گھر بنائیں گے
تاج : مندر میں بت کو پوجنے ہرگز نہ آئیں گے
بکاؤلی : ہم دور ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنائیں گے
تاج : ہم اس جگہ سے ہل کے کہیں کو نہ جائیں گے
بکاؤلی : جن کو غرض ہو ، دوڑے ہوئے آپ آئیں گے
تاج : مر جائیں سر کو پھوڑ کے فرہاد بن کے ہم

بکاؤلی : شمریں کی ملح بات نہ لیکن اُٹھائیں گے
ناح : فرہاد سر پٹکتا ہوا بیچھے آئے گا
بکاؤلی : ہم جانِ سیریں پہلے ہی اپنی گنوائیں گے

[جاد ناچ کا]

(ڈراپ سین)

باب دوسرا

پردہ پہلا

باغ

[سہیلیوں کا گاتے ہوئے آنا]

سہیلیاں : بادِ بہاری آ کے پکاری گل کی سواری آتی ہے
راجہ کی پیاری راج دلاری راج کماری آتی ہے
ہو گل کاری کی تیاری عیش کی باری آتی ہے
ہر ہر گلبن ، گلِ تر چن کر ، رکھو سر پر
پھر مسند پر وہ گلِ برتر ، دلبر ، سرور
دل کو خوش کر ، گل کو خجل کر ،
سر پہ قدم دھر ، نازک تر جو گل سے بڑھ کر
بادِ بہاری آ کے پکاری . . . .

[آنا چار شہزادوں کا]

پہلا شہزادہ: یہ در در در در در در در زبان کی طـّراری ہے
یا کڑکا دیتی نکل رہی راجہ اندر کی سواری ہے
یا انجن کو گرمائے ہوئے یہ چاتی ریل پکاری ہے
یا گنگا جمنا چڑھی ہوئی برسات کی رت میں جاری ہے

چیلا : اے شہزادو ! بس اب عشق کی راہ و رسم بھلا دو ، یہاں سے لنگر آٹھا دو ۔ اس ریاست سنگل دیپ کے مہاراج بہادر اب چتراوت کی شادی کے لیے دوسرا اکھاڑہ جمانے والے نہیں ، وہ پہلے سا سامان دکھلانے

والے نہیں ۔ تمھاری تقدیر پہلے ہی اکھاڑے میں راس نہ ہوئی ، امتحان میں پاس نہ ہوئی ، پھر اب کس لیے سر مار رہے ہو، جان‌ومال ہار رہے ہو ،کیوں اپنی بڑھی بڑھائی سان کو آتار رہے ہو ۔ جاؤ اپنا روزگار دیکھو ، ریاست کا کاروبار دیکھو ، اب بھی کچھ نہیں گیا ہے ، تیل دیکھو تیل کی دھار دیکھو ۔

دوسرا : ہائے گھر کو کیونکر جائیں ، وہاں جا کر کیا منہ دکھائیں ۔ اگر امتحان کے دن اکھاڑے میں کوئی ہمارے ہنر کو پا جاتا ، قدر دانی فرما جاتا ، پھر بھی صبر آ جاتا ، پر خرابی تو یہی ہے ۔

تیسرا : شاہزادی نے تو کچھ منہ نہ لگایا ہم کو
واہ واہ بھی نہ کبھی اس نے سنایا ہم کو

چوتھا : کبھی دیکھا نہیں ، نظروں سے گرایا ہم کو
غمزہ و ناز و ادا کچھ نہ دکھایا ہم کو

لرملا : پری نے جو تیرِ نظارہ نہ مارا
تو زخمی ہوا جسم سارا تمھارا
جو چلتا جگر پر وہ خنجر دو دھارا
نہ رہتا دل و جان پیارا تمھارا

چپلا : اے بہنا ! یہ کیا گفتگو ہے؟ معلوم ہوا ان کو شاباش کی آرزو ہے ، واہ وا واہ وا کرانے کی جستجو ہے ، پھر ان کا دل خوش کر دینے میں کون سے دشوار قرینے نظر آتے ہیں ، لو جی ہم تمھیں واہ وا واہ وا اور شاباش کا ہار پہناتے ہیں ۔

سنیے مہمان جی! تم ہو سلطان جی، ہو گئے دہقان جی، آؤ پردھان جی ، واہ وا ۔

ارملا : سورج سے تارے ہوئے ، تارے سے پارے ہوئے ،
پارے سے کارے ہوئے ، کالے خان واہ وا

سہیلی : جوہر سے کنکر ہوئے ، کنکر سے کھتر ہوئے ،
کھتر سے پتھر ہوئے ، کوری شان واہ وا

دوسری : چیتوں سے آہو ہوئے ، شیروں سے پاہو ہوئے ،
پاہو سے آلو ہوئے ، بھاگوان واہ وا ۔

چوتھا شہزادہ :
لو یارو ! پھر اب کیا کہتے ہو ، کس لیے رنج و الم
سہتے ہو ۔ شہزادی کے بدلے اس کی باندیوں نے یہ
فرمایا ، واہ وا کا ہار پہنایا ۔

پہلا : بیلا نہیں ملا تو کٹیا کا پھول لو

دوسرا : گھوڑے کی گرد نہیں تو گدھیا کی جھول لو

تیسرا : گنگا نہیں ملی تو تلیا کا پھول لو

چوتھا : شہزادی نہیں تو شہزادی سے زیادہ اس کی طرار باندی
ہے ۔ لو جی قریب آ کے ملاؤ ہاتھ سے ہاتھ ،
تسلیمات ، چلو ہمارے ساتھ ۔ کس لیے بندہ جوابِ بندگی
پاتا نہیں ۔

چھلا : وہ موئے قرباں ہوئے شرمندگی پاتا نہیں

پہلا : ہے بہت شرمندگی فرخندگی پاتا نہیں

ارملا : ارے کیوں دیوانے ہوئے ہو ؟
کیا جی میں ٹھانے ہوئے ہو ؟
یہ گلی تم سے نہیں چھوٹتی ہے ،
اور جگہ جاتے پاؤں میں سوئی ٹوٹتی ہے

دوسرا : گنّیاں مورے دھیان چڑھی ،
سنّیاں موری بیتّاں مروڑی
ہم سے نجر تو نے یکسر پھیری ،
جانی دلبری تونے موری دئی اب چھوڑ
آسیدواری نساری کرے ،
غم خواری ، جاری کرے ، کب بھوڑ
میں تورے واری حگر جیا سے ہوں ،
چرن دھرت اور چرن لڑت ہردم ، کر جوڑ
——گنّیاں مورے

[پکڑنے حانا شہرادے کا چیلا کو]

چیلا : دور دور موئے بے عیرت کمینے ، بد چلن بد قرینے ، ہٹے کٹے ، آلو کے پٹھے ، آبرو کھونے والے ، نام ڈبونے والے ، کیا دل حلا ، من ملا ، مری حوتی کا تلا ، مٹک مٹک ادھر کو چلا ، بے غیرتی کے ٹکڑے کھا کر پلا ، غیرت کا پانی آنکھوں سے ڈھلا ۔

تیسرا شہزادہ :
اے چیلا ، نرملا ! کر بھلا ہوگا بھلا ، ترس کھا کر بُلا ، دل ملا ، سر ہلا ، بہرِ خدا ، کوئی بات زبان پر نہ لا ۔

چیلا : یہ نام اس کو کس نے بتایا چیلا ، نرملا ؟

نرملا : کیا جانوں کس نے بتایا ، جانے میری بلا

چوتھا شہزادہ :

او بے جوہر ، ہم پر ستمھر ہو کر برس نہیں
اس جا ہم کو رہتے بستے برس نہیں ، دو برس نہیں

مظلوموں پر ، ظالم بن کر ، ظلم کے دوڑا فرس نہیں
ہے وہ ناکس، جس کو بےکس، بے بس ، پر کچھ ترس نہیں

چپلا : سنا بہنا ، ان کا کبت کہنا ؟

نرملا : نہیں معلوم یہ کون موئے نگوڑے فرزند بھاٹ کے ہیں
یا دھوبی کے کتے نہ گھر کے نہ گھاٹ کے ہیں ۔

پہلا شہزادہ : فرزند بھاٹ کے ہیں یا کتے باٹ کے ہیں جو اس
در پہ آ ٹکے ہیں ۔

گانا

دل پر چھائی انریت پریت ، دن رین کٹے بے چیت
چھپت نہیں جی کی مبت ، رہے دل تنگ کس کے سنگ
کری پیت

دل پر چھائی انریت پریت ۔۔۔۔

میں ساجن پر تن من واروں، گن گن نس دن پل چھن کاٹوں
بدھنا میں کیسی کروں،

دل پر چھائی انریت پریت ۔۔۔۔

دوسرا شہزادہ : کر دل داری اے دل دار ہوگا تیرا بیڑا پار

چپلا : دوسو جوتی اور پیزار دھوت کمینے ناہموار

تیسرا شہزادہ : واہ مہارانی ، جانی تمھاری قدر دانی

نرملا : چل بے او دیو بیابانی ، مہترانی کے جانی
تجھ پر سو جوتی اور سنڈاس کا پانی

چوتھا شہزادہ : اری زبان روک او سنگ دل کٹر کنٹر

نرملا : پھر وہی کٹر کنٹر، نہ گئی تمھاری ٹر، لاؤ کوئی ہمارے
ہنٹر ۔ افسوس سر مار گئے راج کنوار سجے ، قوم کے
اچھے ، رہ گئے یہ ننگے لچے ' باندی بچے ۔

پہلا شہزادہ : تو ہے باندی ، کھوٹی چاندی او عورت چنڈال

نرملا : بندی پوری سونا چاندی ، کیا بولا کنگال
اپنی روک زبان تو ، اپنی روک زبان تو ، کنگال
اپنی روک زبان تو ۔

پہلا شہزادہ : بس بس بس بس ۔

نرملا : چپ چپ چپ چپ ، روک زبان تو اپنی روک زبان
کنگال ، انی روک زبان تو ۔

دوسرا شہزادہ : چپ اتراتی ٹکڑے کھاتی ، اپنے گھر کی جیل ۔

چپلا : کتا بن کے ٹکڑے کھاوے گھر کی بھولا کھیل
ٹکڑا یہیں ملے گا ، ٹکڑا یہیں ملے گا ، لو جی ٹکڑا
یہیں ملے گا ۔

تیسرا شہزادہ: ہے ہے ہمری اِجت لے لی او کتیا مردار

نرملا : (ہنٹر مارتے ہوئے)

اِجت تو نے آپ ڈبوئی او کُتیوں کے یار
کتیا ، اور بنا لے کتیا ، اور بنالے کتبا ، اور بنالے

تیسرا شہزادہ : بس بس بس بس ۔

نرملا : چپ چپ چپ چپ اور بنالے کتبا اور بنالے رے کتیا
اور بنالے ۔

چوتھا شہزادہ : ہنٹر اپنا دلبر اپنا او متوالی چھوڑ ۔

چپلا : لے یہ ہم نے ہنٹر چھوڑا پھر تو کالی چھوڑ ،
ہنٹرخوب پڑے گا ، ہنٹر خوب پڑے گا ، ہنٹر خوب
پڑے گا ، لوجی ہنٹر خوب پڑے گا ۔

چوتھا شہزادہ : بس بس بس بس ۔

پہلا : چپ چپ چپ چپ خوب پڑے گا ہنٹر ، خوب پڑے
گا ہنٹر ، دیکھ ہنٹر خوب پڑے گا -

پہلا شہزادہ : ماں کو چھوڑا ، باپ کو چھوڑا، اور چھوڑا گھر بار
تس پہ ہم پر آن پڑی جب یہ جوتی پیزار
لشکر یہیں پڑے گا -

سب سہیلیاں : اب تو ہنٹر یہیں پڑے گا ، ہو ہو ہو ہو ، ہو ہو
ہو ہو ، ہو ہو ہو ہو -

[سپاہی پردیسی کا آنا]

[بعد میں چتراوت کا آنا - پھر تاج کا آکے الگ کھڑے ہو جانا]

پردیسی : اے راج کنوارو ! نیچ کارو ! یہ کیسی گڈردھوم
مچائی ہے ، سگری دھرتی مونڈ پر آٹھائی ہے -

کبت

رانڈ کے سانڈ کھائے رہے ، چاہے ساہی کی سان گھٹو نہ گھٹو
من پیارے سے دھیان لگائے رہے، چاہے رام کو نام رٹو نہ رٹو
سبھی بیاہ کی چاہ نبھائے رہے ، چاہے میل کو کھیل پٹو نہ پٹو
سبھی باپ کی کھاک آڑائے رہے ، چاہے باپ کی ناک کٹو نہ کٹو

پہلا :
او شہزادی ، دل فولادی ، خوب سزا دی ہم یاروں کو

دوسرا :
مار کھلا دی ، جان ہلا دی ، خوب دوا دی بیماروں کو

تیسرا : رحم نہ آیا، ترس نہ کھایا، خوب جلایا بے چاروں کو

چوتھا : یا خدا اس کا بھی پتھر کے صنم پر دل جائے
جیسی یہ ہم کو ملی ہے کوئی اس کو مل جائے

چترا : حاضر کوئی دربان ہے ، ان کو یہاں سے دور کر
جسم ان کا چور کر ، ہر ایک کو رنجور کر
[سہیلیوں کا ایک ایک کو پکڑ کر نکالنا]

پہلا :
تباہ ہم اے حضور والا ، نہ تم پہ مرتے نہ ایسے ہوتے

دوسرا :
ہرن ختن کے گدھوں میں برپا ، نہ تم پہ مرتے نہ ایسے ہوتے

تیسرا :
خراب و خستہ ، دلیل و رسوا ، نہ تم پہ مرتے نہ ایسے ہوتے

چوتھا :
حقیر آنکھوں میں اے دل آرا ، نہ تم پہ مرتے نہ ایسے ہوتے
[ناح کو دیکھ کر چترا کا عاشق ہونا]

چپلا : ارے او اجنبی انسان ! انجان ، نادان ! بے ہودہ !
تو یہاں کیوں آن کودا ، دور موئے اُچکّے ، ہنتھ
پھیریوں کے بکتّے ، کھائے گا ورنہ بے سک تو لات
گھونسے دھکتّے ۔

[ناح کو باہر لے جانا]

چترا : افسوس جس پر میرا دل آیا ، اُسی کو اس بدنصیب
نے بھگایا ، جب تو چترا میرا نام کہ چترائی سے
اسی کی معرفت اُس کو بلواؤں ، اور اُسی پر اُلٹا
بہتان لگاؤں ۔ چپلا اری او چپلا خندی !

چپلا : جی جی حاضر ہوئی بندی !

چترا : اری وہ کون تھا ؟

چپلا : کیا جانوں بی‌بی کوں فرعون تھا ، جو بھیڑ بھاڑ میں در
آیا ، چلا آیا ، میں نے آپ کے سامنے اُس کو دھتکارا بتایا ۔

چترا : ہوں ہوں جانے کون فرعون تھا ! چل دور مردار ، خدائی خوار ، گدھے سوار ، ہمیں سے یہ باتیں بناتی ہے ، ہوا پر آڑاتی ہے ، اری او مکارہ ، خام پارہ ، وہ تو نے دھتکارا بتایا ، یا ٹل جانے کا اشارہ بتایا ، مجھے چور وہ دل کا پیارا بنایا ، آسے میرے ڈر سے کنارا بتایا ۔

چپلا : پیاری خطا معاف، نہ سمجھو ذلیل و خوار
ہو باندیوں سے آپ کی وہ دیو دور پار

چترا : چل دور نابکار ، نہ بک ہم سے بار بار
دیکھا تو دور پار ، نہ دیکھا تو آؤ پار

چپلا : بندی ہر طرح سے خطا وار ہے ، گناہ ہو نہ ہو گناہ‌گار ہے ۔

چترا : اری او دیوانی ، نادانی کی نشانی ، تو کیا جانے وہ میری طرح پھولوں کی بہار لوٹنے والا ، چور نرالا ، جب آج حق تعالٰی نے میرے پنجے میں ڈالا تو شیطان کی خالہ نے آسے صاف نکالا ۔

اس چور نگوڑے کو تو لانا ہی پڑے گا
اس گیسوؤں والے کو بلانا ہی پڑے گا
وہ سانپ تو ہاتھوں میں کھلانا ہی پڑے گا
ورنہ تجھے زنجیر ہلانا ہی پڑے گا

جاؤ تم سب جاؤ اور اس کو یہاں پکڑ لاؤ۔ میں کب اپنی بات سے گذرنے والی ہوں ، یہ مقدمہ خاص اپنی ذات سے فیصلہ کرنے والی ہوں ۔

[جانا سب کا ، کہنا چترا کا]

اے تیری قدرت کے قربان ، چتراوت کی جان ، اکثر

گلزارِ سلطنت کے پھول ، شہزادہ صورتِ مقبول ،
میرے لیے زار و نزار ہیں اور میں اُن سے بیزار ، یہ
کیا ہے اسرار ، کہ ایک راہ گیر بیگانہ صورت ، اجنبی
مورت ، بے شان و سوکت کو دیکھ کر ۔

ابیات

جسم بے تاب و ناتواں بسما مرغِ بسمل ہو گیا
جان و دِل قربان ہو جانے پہ مائل ہو گیا
عشق کہتے آئے ہیں ، شاید اسی خنجر کا نام
آج پہلی بار ہے ، دل جس سے گھائل ہو گیا

کوؤ من بھاوں لاگو رے ، کیا کروں علاج
میرو من چاہت آیو رے ، کیا کروں علاج

[چترا کا جانا ۔ سہیلیوں ، چپلا اور نرملا کا آنا]

چپلا : اری کیوں بہنو ! کچھ تم نے بھی دیکھے بھالے ،
چتراوت کے طور نرالے ، ڈھنگ متوالے ۔

مثلث

دن بدن اب تو عجائب رنگ دکھلانے لگی
چڑھتے ہی جوشِ جوانی خوب اِترانے لگی
چھوٹی چھوٹی باتوں پر ہم سب کو دھمکانے لگی

نرملا : ہاں ہاں بہنا ! جب ہم تم کسی زمانے میں چتراوت
کی شادی کا ارمان کرتے ، مردوں کی کوئی بات بھی
کرتے تو کیسا ہم سے کھسیا کر جھنجلا کر جل
جاتی ، ہزار بار بل کھاتی ، زبان قینچی سی چل جاتی ،
غصہ بھری چتون دکھا آخر کو ٹل جاتی ۔

چھلا :

ابیات

اب تو ہے فرق اس میں زمین و آسمان کا
گر عشق ہے تو مردوں ہی کی داستان کا
مردوں کا جو کہ ذکر کرے وہ حبیب ہے
عورت کا نام لے سو وہ دشمن نصیب ہے

پہلی سہیلی : بے شک بے شک !

ابیات

وہ جو اجنبی تھا یہاں آئے ہوئے
نظر آیا وہ فتنہ جگائے ہوئے
میری پیاری جو ہے رنج بانٹے ہوئے
تھی اس سے نگاہ لڑائے ہوئے
کہو رنگ وہ کیا ہے جمائے ہوئے
کوئی بھید ہے دل میں چھپائے ہوئے

چھلا : اگر اس بات کو دریافت کرنا منظور ہے تو یہ بات
تدبیر سے کیا دور ہے -

جبکہ شہزادی یہاں ناز کی رفتار چلے
مرد عورت کی طرف داری کی تکرار چلے
کوئی عورت کی طرف داری میں یکبار چلے
کوئی مردوں کی طرف ہو کے مددگار چلے
عورتوں کو کوئی مردوں کے برابر سمجھے
کوئی بے ہودہ یہ تقریر سراسر سمجھے

دوسری سہیلی :
ہاں ہاں درست ہے درست ہے ، لو وہی خورشید
ثانی ، سامنے سے آتی ہے جانی ، کوئی خیالی بات بنا

کے سروع کیجیے کہانی ۔

چپلا : ہاں سن اے سہیلی نادان ، کنبہ مثل کشتی کے ہے اور مرد اُس کے کشتی بان ۔ گھر بار مثل گلزار کے ہے اور مرد اُس کے باغبان ۔

نہ ہو ملاح کستی پر تو پانی پر چلے کیوں کر
نہ ہو مالی جو گلشن میں تو وہ پھولے پھلے کیوں کر

گانا

کوئی دنیا میں نرالا نہیں مردوں سے ہے بالا
چمنِ حسن کا لالہ ، ہے وہی رنگتوں والا
وہ صنوبر سے ہے بالا ، ہے عجب سان سے بالا
اُسے ہر وقت اعلٰی رکھے اللہ تعالٰی

لرملا : **مثلث**

تو گویا عورتیں ناسور ہیں دنیا کے سانے میں
وہ حصہ مفت لینے آئیں اس بھنڈار خانے میں
خدا نے گھاس پھونس اُن کو بنایا ہے زمانے میں
کیوں اُٹھائے گھر کے کارِ سرسری کا کاروبار
ہر مزے کی بہتری کا ، برتری کا ، کاروبار
اور کل سنسار کی صورت گری کا کاروبار

گانا

اجی عورت سے نرالی نہیں گلزار میں بالی
گل رخ پر جو ہے لالی ، نہ کہیں دیکھی نہ بھالی
کہیں گلنار کی ڈالی ہے عجب طور نکالی
اُسے سرسبزی میں اعلٰی رکھے اللہ تعالٰی

دوسری سہیلی :

اری او عقل کے باغ کی اُجاڑی ہوئی باڑی ؛ یہ

دنیا کی گاڑی ، بغیر عورت اور مرد کے چلائے
اکیلے نہیں چلتی ، سن لے اگر کچھ سعور رکھتی
ہے ۔ اگر جولاہوں کے کارخانے میں کٹھلا اور ہتّھا
نہ ہوتا تو ہرگز تیرے بدن پر لتّا نہ ہوتا ۔

سری سہیلی :
ٹھیک کہتی ہے ، بے مدد دوسرے کے کوئی چیز
بیدا ہوتی نظر نہیں آئی ۔ البتہ یکتائی اگر پائی تو آسی
وحدہ لاشریک کی ذات میں پائی ۔

گانا

موہے یکتائی ہر کے دھیان میں پڑی
میں نے یکتائی حق کی دیکھ لی سبھی
وہ اعلیٰ مولیٰ ، اولا بالا ، اعلیٰ رنگ والا
مالی بن چمن چمن ، بن مالی کیا چمن رہے
جان بن تن ، تن بن بدن بدن کیا رہے
بن جان کیا جان رہے کیا بدن رہے
موہے یکتائی . . .

جوبن بن پھبن ، پھبن بن جوبن ، کیا جوبن کیا پھبن رہے
دولہا بن دلہن ، دلہن بن دولہا ، کیا دولہا کیا دلہن رہے
موہے یکتائی . . .

[چترا کا آنا ، کہنا سہیلیوں سے]

ہاں ہاں ری سہیلو ! تمھاری رائے درست ہے ، دلیل
چست ہے ، مگر عورت مرد کا درجہ بیان کرنے میں
جو غور کرتی ہوں تو ہر ایک سست ہے ۔ سوال یہ
جو کیا مرد و زن میں برتر کون ؟ جواب اس کا ہے
وہ جس کا کچھ جواب نہیں ۔

چپلا : اے سرداروں کی سردار !

بیت

جیسی جس کی شان ہے ویسا اُس کا دھیان
کمتر کی کمتر سمجھ ، سلطان کی سلطان
نہ دو سوال کا تم ، کیوں نہ لاجواب جواب
جہاں میں جب کہ تمھارا کوئی جواب نہیں

چترا : ٹھیک یاد دلائی ، چپلا ! اُس بگانے مرد کو لائی یا کوئی نئی چترائی پھیلائی ۔

چپلا : کہاں چتراوت کی چترائی ، کہاں ہماری دانائی کی رسائی ، آپ کے حکم کے بموجب جب بندی دروازے پر آئی تو اُس شخص کی صورت نہ پائی ، دوڑایا نوکروں کو ہے ، لحظے میں آئیں گے ، دل کی مراد کا شگوفہ کھلائیں گے ۔

لرملا : ہاں ہاں پیاری ! میں تو یہ سمجھی تھی ، عورت اور مرد دونوں کو نرالا ، بھلا یہ تو فرمائیے ان دونوں میں کون ہے اعلیٰ ۔

چترا : اچھا اچھا تو لو سنو ! اپنے سوال کی مثال ، یہ گھڑی جو کھڑی رہتی ہے ، ہر وقت تمھاری جیب میں پڑی رہتی ہے ۔

گانا

گھڑی میں جس دم نہ ہو کمانی ، چلے نہ چکر کی جاں فشانی
جو گم ہو چکر کی کچھ نشانی ، تو پھر نکمی رہے کمانی
اسی طرح یہ گھڑی جہانی ، ہے عورت و مرد سے چلانی
نہ ہو جو دونوں میں ایک جانی ، تو پھر نکما رہے وہ ثانی

اس واسطے جوکسی کا رہنا ہوتا ہے ، درجہ میں اس
سے سوا ہوتا ہے - چمن میں بلبل کو جس طرح گل کی
محبت ہے جہان میں مرد و زن کے دل میں بھی ویسی
ہی الفت ہے -

چھلا : آہا ، واہ واہ گل و بلبل سے تو خوب بات پہچانی -

گانا

اب تو دنیا کی گھڑی مجھ کو چلانی چاہیے
دل کے چکّر کے لیے کوئی کہانی چاہیے
بن گھڑی چلنے کےسب پرزوں میں زنگ آجائے گی
جب نکمّی ہو گئی دنیا کے کیا کام آئے گی

چترا : خوب تیری بات اب میری سمجھ میں آئی ہے
تو کہانی کے لیے چکّر سے جو چکرائی ہے
ہاں کسی گل پر طبیعت تیری بے شک آئی ہے
تو جو یوں نالاں ہے تونے چوٹ دل پر کھائی ہے

چھلا : اجی گل کا نام کیسا ؟

چترا : تیرے دل میں ہے ویسا -

چھلا : کیا میرے دل میں جانا -

چترا : جاناں کے پاس جانا ، جاناں کو لے کے آنا ، آنکھوں
پہ لا بٹھانا -

چھلا : آخر پھر کون دیکھا بھالا ؟

چترا : وہ حسن و جمال میں دوبالا ، جس کو میرے سامنے
نکالا ، اور آنکھ میری بچا کے ٹالا -

چھلا : واہ بی ! کیا ہم ہی ٹھہرے تھے چھپانے کے لیے

چترا : بیت

جاؤ جی جاؤ اجی جاؤ بلانے کے لیے
روز عید آتی نہیں حلوہ کھلانے کے لیے

چھلا : جس کسی کا دل جو اُس دلبر پہ آیا ہو بلائے
بیچ کی باتوں سے حکم اُس پر لگایا ہو بلائے
دیکھیے ہی اک نظر ، فتنہ جگایا ہو ، بلائے

چترا : بل بے مور یہ تیرا سور ، بل بے کٹڑے یہ تیرا
زور ، اری او دیوانی مستانی ۔

کہاں تک چھاؤ گی چھاتی کے گھاؤ
کہاں تک یہ ڈوبے گی پانی کی ناؤ

میٹھی چھری یہ جان تیرا خوں بہائے گی
بکرے کی اماں خیر کہاں تک منائے گی

چھلا : پھر کیا کہتی ہو جانا !

چترا : چپکے چپکے لے آنا ۔

چھلا : جان میری گھبراتی ہے ۔

چترا : کیوں ایسا اترائی ہے ۔

چھلا : مر جانے کو فرماؤ ۔

چترا : باہر جا کے مر جاؤ ۔

چھلا : یہ ٹھٹھا تو چھلا کو بھاتا نہیں

چترا : گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں

چھلا : جب ایسا ہے پیاری ، پھر بات بناتے کس کو دیکھا ؟
پیچ میں لا کے دلبر کو ، باہر ٹھہراتے کس کو دیکھا ؟

چترا : اری او مکر ہائی ، فیل ہائی ، دیدہ و دانستہ بتلا تو نے یہاں مکرتے کس کو دیکھا ۔

چپلا : بی بی صاحبہ ! بے تقصیر پر تہمت دھرتے کس کو دیکھا ؟

چترا : او بے غیرت ! کس کو میرے بِن فرمائے کس نے ٹالا ؟

چپلا : یہ فرماؤ کسی کا غصہ ، کسی کے اوپر ، کس نے ڈالا ؟

چترا : اری تو مجھ سے اونچی ہے یا نیچی ؟

چپلا : ہماری ذات نیچوں میں ہے نیچی ۔

چترا : جہاں پر نیچا ہوتا ہے ، وہیں پر پانی مرتا ہے ۔

چپلا : وہ پانی ، پیاری ! آخر اونچے سے نیچے اُترتا ہے ۔

چترا : چل دور ہو بدکار ، بداوقات ، بد انجام ! بدنام تو آپ ہے ، کرے اوروں کو بدنام ۔

نرملا : پیاری ! یہ کون سی بڑی بات ہے ، یعنی ایک پلک جھپکاتے چٹکی بجاتے ، اُس کو یہاں لے آتی ہوں ۔ غُم کا بڑا پار لگاتی ہوں ۔

چپلا : مر نہ گئی تو اُس کو یہاں لاتے ، غُم کا بڑا پار لگاتے ، اری کسی نے آتے جاتے ، دیکھ لیا اترانے جاتے ، رستے میں ہی جانے جاتے مر جاتے ، غم کھاتے کھاتے ۔

چترا : ہٹ تجھے شیطان کی پھٹکار ، کیا اسی سبب سے کرتی تھی انکار ، ہر ایک ہے اپنی شادی کا مختار ۔

چھلاو : بے شک ہر ایک کو ہے اختیار ، مگر نادان جب
دانائی کرتے ہیں تو بزرگوں سے مشکل کام میں مشورہ
کرتے ہیں -

چترا : تو تجھ سے آدمی اس بات سے کیوں ڈرتے ہیں - یہ
مشکل کام دانش ور ، بزرگوں پر ہی دھرتے ہیں -

چھلا : پھر تو معاف کیجیے قصور ، مجھے آپ کا فرمان
بہ جان و دل ہے منظور ، مگر یہ تو فرمائیے حضور !
کہ وہ ایسے باغ کا پھل ہو کہ مجھے مل نہ سکے ،
کسی طرح سے کلی میرے دل کی کھل نہ سکے ، تو
کیا علاج ؟

چترا : واللہ میں جانتی تھی جسا یہ سوال ہے ویسا جواب -

گانا

گر تو گن جانت سگری موری سکھی ری ،
جیسا پیارا وہ دل آرا نظر آیا
ایسا کوئی صنم پایا ، کوئی دیکھا آس جسا
گر نو گن جانت . . .

ہوں میں کھاتی اس پہ سوگند ، پایا نہ ایسا کوئی دلبند
داتا مورے دے وہ گیان ، دے وہ دھیان
لوں پہچان ، ہے انسان یا سلطان یا غلمان
گر تو گن جانت . . .

فرملا : شاید شکار وہ نہ ہوا تیرے دام کا تو اور بھی نہیں
کسی کے کام کا -

چپلا : آہا میں اب سمجھ گئی مطلب کلام کا
پرہیزگار پردے میں طالب ہے جام کا
چلو بہنا نرملا ! بہت دیر میں گل کھلا ، مطلب ملا ۔

چپلا ، نرملا : **گانا**

پیروا پیاری من بھایوری جیروا مورا للچایوری
نہیں بشر ضرور ، ملک و حور ، پل میں برمایو ری
تن من پھبن ، کندن برن دکھایوری
جیروا مورا للچایوری
سُدھ بسرایوری ، من لبھایوری، اے بہنا ری ! .
پل مل جا کر لاؤ ، سجاری، گھر بیٹھے میں دھن پایوری
——جیروا مورا للچایوری

[جانا چپلا نرملا کا]

———

پردہ دوسرا

[آنا چاروں شہزادوں کا بہر ناچ کا آ کے ایک کھڑے رہنا]

پہلا شہزادہ: کہو دوستو ! کیا تدبیر ہے ، وطن جانے کا ارادہ ہے
یا عشق جانے کا ، جان گنوانے کا ؟

دوسرا شہزادہ: اجی واہ ذرا تو سرماؤ ، ایسی بات نہ فرماؤ وطن
جاؤ گے تو یاروں کو کیا منہ دکھاؤ گے . کسی نے
چھینٹے دیے تو سر نہ اٹھاؤ گے ، چُلّو بھر پانی میں
ڈوب جاؤ گے -

تیسرا شہزادہ: اجی تو ہم کہتے ہیں ، جوگیا بھیس بنائیں گے ،
کامرو دیس جائیں گے ، جادو سیکھ کر آئیں گے -
اور خدا نے چاہا ایک ہی منتر میں چتراوت کی
حیرانی بھلائیں گے ، ہوا پر اڑا لے جائیں گے - اگر
ایک چلا خیر سے گذاریں گے ، اس پری کو دل کے
شیشے میں اتاریں گے -

[آنا چلا پرملا کا]

پرملا : اجی توبہ کرو بس جانے دو اپنا چلا
گر مروگے تو ہوگا چالیس دن کا چلا
اس کمانِ ابرو نے جب تاک کے کھینچا چلا
اک پلک مارتے مر جاؤگے چلا چلا

چھلا : عورتوں کے ہاتھ سے ہزاروں جھاڑو کھاتے ہو ،
کیسے بے شرم ہو جو پھر بھی یہاں سے نہ جاتے ہو ،
اے بہنا نرملا ! ان سب نگوڑوں کو یہاں سے لے جاؤ
اور شہزادی کے حکم بموجب چابک کا مزہ چکھاؤ ۔

چوتھاشہزادہ: اے خداوند تعالی! تو ہے فریاد سننے والا ، اس
دلالہ کا دونوں جہان میں منہ کالا ، شیطان کا حوالہ ۔

[چاروں شہزادوں کا جانا ، چھلا کا کھانسنا ، کھنکارنا،
سسکارنا ، سیٹی بجانا ، تالی بجانا اور کہنا]

چھلا : اجی حضرت ! اجی صاحب ! اجی مہربان ! اللہ نگہبان ،
ذرا ہماری طرف بھی لگائیے دھیان ۔

[تاج کا چھلا کی طرف دیکھنا]

اے حضور ! میں آپ سے ہی عرض کرتی ہوں ،
کیوں دیکھ کر رہ جاتے ہو ، اٹھکیلیاں دکھلاتے ہو ؟

تاج : کیا مجھ مسافر پر یہ مہربانی ہے ؟

چھلا : اے صاحب ! ہماری مہربانی کیا ، اس کی مہربانی ہے
جس کے قبضے میں دونوں جہان کی نگہبانی ہے ۔

تاج : کیا یہ کھانسنا ، کھنکارنا ، سسکارنا ، تالی بجا کر
پکارنا میرے ہی واسطے تھا ؟ ہا ہا ہا ہا میں نہیں
سمجھا ، خطا معاف ۔ سنو ! ہمارے ملک میں تو یہ رسم
ہے کہ :

قلندر جو چاہتا ہے بندر نچانا
تو پہلے سکھاتا ہے تالی بجانا

گانا

جب کہ قلندر تن بتن پھر کر بندر لے کر آتے ہیں
نالی بجانا نس دن ، پل چھن ، بندر کو سکھلاتے ہیں
تونے آ کر کیوں دکھلایا موہے بندروا کا کھیل
مورے بھولے بھالے من کو نہ بھاوے ہے پورا کھیل
انسانوں نے کیسے پایا حیوانوں سے میل
جب کہ قلندر تن بن . . . .

چیلا : توبہ توبہ ! خطا ہوئی ، معاف فرمائیے ، پر اتنا تو صاف بتائیے ۔

گانا

کس بھولے بھالے دیس کے تم رہنے والے
——— ہو جی تم بھولے بھالے
کس جا بندریا دیت ہے نالی ، بات سنی یا دیکھی بھالی
——— ہو جی تم بھولے بھالے
نام و نشان حضور کا پاؤں ، کون مراد کے پانے والے
——— ہو جی تم بھولے بھالے

تاج : بے نام اور نشاں ہوں آوارہ خانماں ہوں
کچھ بھی خبر نہیں ہے ، میں کون ہوں ، کہاں ہوں

چیلا : میں بھی اگرچہ صاحب اک مور ناتواں ہوں
پر آپ سے سلیماں صورت کی قدرداں ہوں
جب ملک میں ہمارے فرمائی مہربانی
واجب سمجھتی ہوں میں صاحب کی میہمانی

تاج : جو لوگ کھانا کھاتے ہیں ، محنت سے اپنی کمائی کا ،
احسان اٹھاویں گردن پر کس لیے حاتم طائی کا ۔

چیلا : احسان ! یہ صاحب ہمارا احسان کیا ، آپ کے قدم
مبارک کی برکت ہے ۔

گانا

منگل منگل جنگل ہوگیو ہوئی جو گذر تیری رے
کنکر پتھر گوہر ہوگیو پڑی جو نظر تیری رے
کرم کرم تورا پیارے جانت ہے جیا مورا
اب سے ہمری صفت کرت ، صفت ہنر توری رے
منگل منگل جنگل . . . .

چلیے زیادہ باتیں نہ بنائیے ، جو کچھ کہ نان خشک
ہم کمترینوں کو میسر ہے ، تناول فرمائیے ۔

تاج : اجی واہ صاحب ذی شان ! یہ بھی کچھ بات ہے ،
مان نہ مان میں تیرا مہمان ۔

چیلا : جو پرہیز رکھتے ہو حضرت ! مرض کیا ؟

تاج : کروں کیوں نہ پرہیز صاحب غرض کیا ؟

چیلا : ہے آپ کو یہ بھی خبر میں کون ہوں
کچھ بھی رکھتے ہو نظر میں کون ہوں

تاج : کیا خبر مجھ کو بھلا تم کون ہو
تین ہو یا ڈیڑھ ہو یا پون ہو

چیلا : کوئی شہزادی نہ میرے سر کی ہو

تاج : شاہزادی ہو تو اپنے گھر کی ہو

چھلا : عورتوں سے جو بھاگ جائے وہ کون !

تاج : بے سبب مرد کو بلائے وہ کون !

چھلا : (الگ ہو کر)

کام نکلا نہ اپنا نرمی سے
آزماتی ہوں اس کو گرمی سے

(تاج سے) او بد ذات ، کرم کے ہیٹے! الو ماں کے خفتی بیٹے ! کیا تو نے نہ میرا بھسلانا ، اٹکھیلانا ، سمجھا جانا ؟ میں تو تیرا امتحان لیتی تھی ، تو سمجھا کہ تجھ پر جان دیتی تھی -

تاج : اب تو امتحان ہوچکا ، مہمان نوازی کا سامان ہوچکا ، تم روٹھے ، ہم چھوٹے ، کسی طرح ٹنڈ تو چھوٹے-

چھلا : بول او راستہ چلنے والے متوالے! شہزادی کے محلوں کے تلے ہوکر نکلنا ، ایسی تیری ہمت؟ اور اسے عدل بھرے شہر میں یوں اینٹھ کے چلنا ، تجھ پہ تیری حرأت ! کیا تو نہیں جانتا تھا کہ یہ محل زنانہ ہے ، شہزادی کا عشرت خانہ ہے ؟ بگانے ملک میں آنا اور یہاں تک اترانا کہ بن پوچھے پرائے محل میں دراتے ہوئے ، جھپا جھپ گھس جانا - دربانوں کی روک ٹوک نہ سنی ، بہرا بن گیا - ایک چھوڑ کے دو آنکھیں ، اندھا بن گیا - ہائے کیا کروں ، اگر تو مسافر نہ ہوتا تو مزا چکھاتی ، کوتوالی بھجواتی ، سزا دلواتی ، تیری کھال کھنچواتی ، پر تیری صورت سے یہ اظہار ہے کہ تو کسی سلطان کا رشتہ دار ہے ، بس پر طرّہ نہ کہ طرح دار ہے - اسی سبب سے ہماری پیاری راج دلاری

نازنین ، مہر گزین ، گلبدن ، گل پیرہن ، گلفام ،
گل اندام ، چتراوت نام تجھ پر برس کھاتی ہے ، رحم
کا نقشہ جاتی ہے ، مگر شرط یہ ہے کہ نام و نشاں
بتلاؤگے ورنہ اس جرم سے رہائی نہ پاؤگے ۔

تاج : اجی کیا خوب ! واللہ ! جو شکار باندھ لگے بسم اللہ !
اری او کھلاڑن ، کترے کانوں کی پھواڑن !

گانا

کہاں تمہاری دوپٹا ، کہاں ہماری شال
کہاں ذرا سی رومليا کہاں بڑا رومال
وہاں تمہاری حرد ہے جہاں ہمارا خیال
قمر کے سامنے جگنو کا نور ہے کنگال
اری او اندھاری نظر بنوا ڈال

بدن میرا جندا چلی برا گندا ،
برے پھندے میں آوے یہ بندہ، جنم پھروا ڈال
اری او اندھیاری نظر بنوا ڈال

چیلا : تمہارے قول سے ثابت ہیں عورتیں کنگال
مگر کمین کی خاطر ہے مرد کا یہ حال
دیکھے ہی حسن عورت بلبلاتے رہ گئے
شہد پر مکھی کی صورت بھنبھناتے رہ گئے
ارے او متوارے نظر بنوا ڈال

کہاں بیری ٹوپی کہاں برا جامہ
بیری ٹوپی ، یہ جامہ عامہ سبھی بکوا ڈال
ارے او متوالے نظر بنوا ڈال

اح : کون جانے مرد سے آنکھوں لڑانی رہ گئی
کھانس کر ، سسکار کر ، تالی بجاتی رہ گئی
گھر میں دعوت کے بہانے سے بلانی رہ گئی
جب وہ راضی نا ہوا ، غصہ دکھاتی رہ گئی
کیا خبر بھی ہم جواں مردوں کو سنگل دیپ میں
پھانستی ہیں کیسی مردوں کو سنگل دیپ میں

چپلا : ارے موئے ، منہ پھٹ ، شہدے کی لٹ ، عورتوں سے ایسی باتیں کرتے تجھے شرم نہیں آتی ۔

اج : اری او نٹ کھٹ ، چل ہرے ہٹ ، مردوں سے دل لگی کرتے تو نہیں شرماتی ۔

چپلا : کیا دل میں ہے سوچا ارے بدذات رذالے
چپلا تو ترے نام کا کتا بھی نہ پالے

اح : بندہ تو کبھی حملا پہ سایہ بھی نہ ڈالے
حملا ہوئی بھنگن ، مرے بھنگی کے حوالے

[آنا نرملا کا]

نرملا : ارے یہ کون ہے رذالا متوالا ، بندی کے پیر کا چھالا ، میری چپلا جان کو بھنگن بنانے والا ۔

اج : عجائبو باری تعالٰی ، اور بھی ایک آئی شیطان کی خالہ ۔

چپلا : او نٹ یا کھوجڑا پیٹے ، مر جائے تو میٹا پیٹے ۔

نرملا : ہیں ہیں ہیں بس ! کیا ہے ؟ کیا ہے ؟ کیوں ایسی کائیں کائیں لگائی ہے ؟ اگر اس نے تیرے نام کی بھنگن پالی ہے ، تو کیا کوئی بری گالی ہے ۔ بھنگن تو ان شریفوں سے حلال کمانے والی ہے ، لو میں

کرتی ہوں اس قصے کو تمام ، اجی حضرت سلامت !
آپ کا نام ؟

تاج : اجی بھیک بناؤگی یا غلام ؟

نرملا : نہ تو میں جانتی تھی کہ تم راہ‌گیر ہو ، پر اب
ثابت ہوا کہ کامل فقیر ہو۔ اے پیر ! ہم سے اندھوں
کے بھی دست‌گیر ہو۔

تاج : تم خدا کے فضل سے روشن ضمیر ہو ، ہم سے مسافروں
کے لیے دستگیر ہو ، لو راستہ بتاؤ ، تمھیں میرے
پیر ہو۔

نرملا : پوچھنے کو حال دل حضرت کے غم خواروں میں ہوں
کچھ تو کہیے میں تو خدمت کی خریداروں میں ہوں

تاج : صوفیوں میں ہوں، نہ رندوں میں،نہ مےخواروں‌میں ہوں
اے بتو ! بندہ خدا کا ہوں ، گنہ گاروں میں ہوں

نرملا : تو بندے کو مولا کے کیا چاہیے۔

تاج : عبادت کیا چاہیے۔

نرملا : تو لیجیے آئیے۔

چیلا : گانا

دل راضی کرنا بندوں کا ، طاعت ہے ٹھہری مولا کی
عظمت ٹھہری ، حرمت ٹھہری ، عبادت ٹھہری دنیا کی

مولا کے جو مالک ٹھہرے ، کیا جانوں جی سالک
ٹھہرے ، جب عادت ہے ٹھہری مولا کی ،

دل راضی کرنا بندوں کا ، طاعت ہے ٹھہری مولا کی

تاج : اچھا اچھا یہ فرماؤ کہ کروں کون سی عبادت سے
دل ترا راضی، جس میں رہے تو اور میرا خدا راضی۔

نرملا : اجی یہیں ذرا پائیں باغ تک جاؤ ، دل بہلانا ، ہنسنا
ہنسانا ، دعوتیں اڑانا اور اپنی ٹوپی کے لائق اعلیٰ
سے اعلیٰ پھول بھی پسند فرمانا۔

تاج : اجی کیا خوب بے سبب کانٹوں میں دامن الجھانا ،
اپنی ریاست کا بندوبست چھوڑ غیر کا ملک بسانا۔

گانا

ایسے دھوکہ دینے والے، میں نے کم دیکھے بھالے
ایسے چالاکی سے آنے والے ، بے باکی دکھلانے والے
جالوں میں پھسلانے والے، جالوں میں الجھانے والے
ایسے دھوکہ دینے والے . . .

اپنے جی کے بہلانے کو ، سمجھانے تو سمجھانے تو
میرے جی پہ کیا بیتی ہے، کیا جانے تو، کیا جانے تو؟
چھوڑو چھوڑو ایسی باتیں ، کرتی ہے تو کیسی باتیں
سمجھا ایسی ویسی باتیں ، جیسی تو ہے ویسی باتیں
ایسے دھوکہ دینے والے.. ...

اس راجہ جی کی آبادی کو غیرت نگری جانا تھا
ایسے اس میں جوہر نکلے کیا جانا کیا پہچانا تھا
توبہ توبہ ہماری توبہ ، کیسی ہے یہ خواری توبہ ،
کیسی یہ بیماری توبہ ،

کرتا ہوں سو باری توبہ ، دینے آئے ہم کو دم ،
داؤ کو تیرے سمجھے ہم ، دے کے مجھ کو اپنا غم،
باتیں بناؤ کم کم کم ، جاؤ جاؤ دیکھے بھالے ،
منہ میں پانی بھرنے والے
نام پہ میرے مرنے والے۔ ایسے دھوکہ دینے والے......

نرملا : استغفراللہ ، خدا کی پناہ ! توبہ توبہ ! آپ کبھی ایسا خیال دل میں نہ لائیے گا ، پر دو بول یہ تو فرمائیے گا ، کسی صورت وہاں بھی جائیے گ ؟

تاج : اگر جان جانے تو جاؤں ، شاید کوئی لے جائے۔

چپلا : کسی میں جان نہیں جو تجھے لے جائے۔ ارے او نامرد ے ، جب ایک عورت کی صورت دیکھنے سے تیرا جی ایسا ڈر جائے ، تو تو یہاں کے پہلوانوں کو دیکھتے ہی مر جائے۔

تاج : ہم وہ نہیں جو عورتوں سے ہم کلام ہو
آ جائے میرے سامنے جو پہلوان ہو

نرملا : بے شک بے شک آپ بڑے پہلوان ہو ، معشوقوں کی جان ہو ۔ اس لیے میں عرض کرتی ہوں کہ میرے ساتھ چلنے سے کسی کے دل کا پورا ارمان ہو ۔

چپلا : اری ہٹ نادان پشیمان ، بات کرتے تو تیرا جی نکلتا ہے ، کبھی سیدھی انگلیوں سے گھی نکلتا ہے ؟

گانا

بول رذالے ، تیرے منہ میں پڑیں چھالے،
تجھے ڈسیں سانپ کالے

یہ دعا کروں ، یہ دعا کروں

کون ہے تیرا گھاٹ، کسسے ملی یہ باٹ، تیری کیا ہے جاٹ
کچھ پتا سنوں ، کچھ پتا سنوں

کون ہے تیرا پیارا ، کس نے حوبی یہ آبارا ،
تو ہے رنڈوا یا ہے کنوارا

کوئی جواب لوں ، کوئی جواب لوں

بھید بتا ، ارے بھید بتا ، ہے تیرا دوئی اتا پتا ،
کہ ہے بیل نوں ہی تو نے نتھا

میں ذرا سنوں ، میں ذرا سنوں

تاج :
سمجھ لے گنواری، تجھے گدھے کی سواری ، تیری بڑھے یہ بہاری
میں دوا نہ دوں ، میں دوا نہ دوں

راسے کے کانٹے ، کوئی آن تجھے چھانٹے ، تیری ناک کان کاٹے
میں ثواب لوں ، میں ثواب لوں

سن ری دیوانی ، تیری مست ہے جوانی ، تیری چال ہے مستانی
میں بن بیاہا ہوں ، میں بن بیاہا ہوں

اری بول بلا ! تجھے بھید ملا ، تیرا جگر کھلا ، ہوا نیرا بھلا
میں اب جاتا ہوں ، میں اب جاتا ہوں

نرملا : آپ یہ کیا فرماتے ہیں ۔ آئے ہو جو ارادت سے ، جاؤ گے اجازت سے ۔ آپ کی طرف سے سراسر قصور ہے تو آپ کو اجازت لینا ضرور ہے ۔

تاج : کیا میرا قصور ؟

نرملا : جی ہاں حضور !

تاج : اجی ہمیں کو گالیاں سنواتی ہو ، ہمیں کو کمینے کہلواتی ہو اور ہمیں پر الٹا بہتان لگاتی ہو ۔ واہ کیا انصاف ، گھر پکڑ اپنے کو چھانٹے ، الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے ۔

نرملا : گھس جانا بِن بلائے پرائے زنانے میں ، کیا یہ گناہ کچھ جانتے نہیں زمانے میں ، فرمائیے قصور تم سے ہوا یا نہیں ، یہ جرم اے حضور ! تم سے ہوا یا نہیں ؟

تاج : بے شک بڑا گناہ یہ بندے کے سر ہوا ، پر وہ گناہ مجھ سے نہیں جان کر ہوا ۔ نہایت شور و غل اس مکان میں پایا ، حیرت اور تعجب کا غبار دل پر چھایا ، بے ساختہ انجان پن میں در آیا ، چلا آیا ۔ میں ہاتھ جوڑ کر اُمیدوار ہوں ، بخشو گناہ میرا ، بہت شرمسار ہوں ۔

نرملا : اجی واہ کیا کہنا ہے ، موہن کے گھر جاؤ سوہن کے ہاتھ جوڑو ۔ گلشن کسی کا لوٹو ، مالن کے ہاتھ جوڑو ۔ کپڑے کسی کے پھاڑو ، درزن کے ہاتھ جوڑو ۔

تاج : ابھی میں خوب سمجھتا ہوں ، جیسی تم نیک ہو ہزاروں میں ایک ہو ، کیوں سر پھراتی ہو ، جال میں پھنساتی ہو ۔

با خوشی رخصت کرو کیسجو نہ دل پر آریاں
آج ہی آیا سفر کی سہہ کے میں بیماریاں
جاؤں ، گھر جا کر ٹھہرنے کی کروں تیاریاں
بھوکا پیاسا ہوں ، اٹھانی لاکھ ہیں دشواریاں

لورملا : ابھی میری کہنا مان بھی لو ، سامان بھی لو ، اور ٹھہرنے کے لیے وہ مکان جنت نشان ، کچھ تھوڑا ہے ، جس میں آپ بے اختیار ہو کر قدم مبارک چھوڑا ہے ۔

تاج : آہا تو وہی مکان جنت نشان بتلا رہی ہو جس میں جانے سے گنہ گار بنایا مجھ کو صاف دوزخ کا زمیندار بنایا مجھ کو تو یہ کیوں نہیں کہتی ہو کہ :

ہم لومڑی کی طرح سے بہکانے آئے ہیں
تجھ شیر کو فریب سے لے جانے آئے ہیں

لورملا : وائے تقدیر عجب طور کا میوہ نکلا
جس کو میں میٹھا سمجھتی تھی وہ کھٹا نکلا

تاج : ہاں کیوں کر نہ کھٹا نکلے ۔

اس لومڑی نے دیکھی جو انگور کی صورت
وہ اس کے لیے کودی تھی لنگور کی صورت

جب کسی طور ہاتھ نہ آئے تو لوگوں کو انگور کھٹے بتائے ۔

نرملا : خیر جی اب جاؤ ، پھر دیکھا جائے گا
ہاتھ جوڑو گے ، ہمارا بھی وقت آئے گا

تاج : اری او خبیثوں کے ناؤں کا مسل ، آنکھکے میں ہاتھی ۔
مٹکے میں نسل ، نہیں تیرے ماں باپ کے ہم دبل ،
لے ہم چل دیے ، کیا کرے گی چڑیل ۔

نرملا : ہیں ہیں ! کیا ہے ؟ کیا ہے ؟

تاج : مغز میرا بھنانا ہے ۔

نرملا : جاؤ تو آگ بجھا کے جاؤ

تاج : ایک لگاؤ ، ایک بجھاؤ

نرملا : بیٹھوں اس کے سینے پہ چڑھ کر

تاج : نہ تم سے ، تم اس سے بڑھ کر

نرملا : میں ہوں دوست ، اگر یہ دشمن

تاج : ایک ہی بات ہے ، سانپن ، ناگن

چپلا : اری جانے بھی دے ایسے کمینے کو ، کیا کرے گی
ایسے بد قریبے کو ۔

تاج : اری چپ ری او کمبی ، تیرا باپ ہو کمینہ ، مجھے
آئے جب کہ کینہ ، تیرا چیر ڈالوں سینہ ، لو صاحب
ہم جاتے ہیں ۔

چپلا : یہ اگر ہوگا بہادر ، تو نہ گھبرا جائے گا
اپنا کل نام و نشان بھی ہم کو بتلا جائے گا

راج : اچھا یہ بات ہے تو لو سنو :

سورج جدھر سے نکلے ہے میرا مقام
شاہوں کے سر پہ ہوتا ہے وہ میرا نام
نرملا ، چپلا تجھے داؤ میں لانے والی
نہیں ہو سکتی گنہ گار بنانے والی
بھگنیں ہیں مرا سنداس کمانے والی

[جانا راج کا ، چپلا نرملا کا حیران رہ جانا]

باب دوسرا

پردہ تیسرا

محل چترا کا

چترا : الٰہی کیسا پڑا تہلکہ زمانے میں
جو دیر گذری مری باندیوں کے آنے میں

[آنا چپلا نرملا کا]

آہا اری آؤ میری سہیلیو، البیلیو، بڑی عمر بڑی عمر

کہاں ہے وہ دل میں آنے والا
نرالی چتوں دکھانے والا

اکڑ کے سینہ اٹھانے والا
ہزاروں فتنے جگانے والا

نرملا : اجی جانے بھی دو، ایسے کا نام بھی نہ لو، ہزاروں پھول جنگل کی ہوا میں اڑ کے آ جاتے ہیں، پر وہ طرحدار گلزار پھولوں کی بہار کب پاتے ہیں۔

چترا : آہا! نہ ہم کو جھٹلانا، باتوں میں اڑانا، تجھ سی چالاک بھلا اس کو نہ لائی ہوگی، کسی کونے میں چھپا نو اس کو آئی ہوگی، لے بتا، ورنہ تیری میری لڑائی ہوگی۔

چپلا : اجی وہ نہیں ہے لانے کے قابل
نہیں اس کے غمزے اٹھانے کے قابل
نہیں ہے وہ گل منہ لگانے کے قابل

چترا : اے کیا وہ کوئی کمینہ ہے ، بد چلن بد ورنہ ہے ، بے آب نگینہ ہے ، کون ہے ؟

نرملا : شہزادہ ہے وہ پورب کا ، ہر بات میں انکار
عیبوں بھرا جوہر نہ ہوا ایسا کوئی سرکار

چپلا : پھر ایسے کو خدا خاک ملوائیے
نہ سمجھے تو کس طرح سمجھائیے
عمل اس کہاوت نہ فرمائیے
رکے آپ سے اس سے رک جائیے

چترا : کیا وہ بول اٹھا یک بار انکار

نرملا : ایک انکار کیا ، ہزار انکار

چپلا : بلکہ بے حد و بے شمار ، انکار

چترا : گانا

آتش عشق وہ ہے جس میں سمندر جل جائے
اک شرر جائے جو پتھر میں تو پتھر جل جائے

پری پروانہ ہے کیا شمع رخ جاناں پر
گر فرشتہ بھی کوئی آئے تو شہپر جل جائے

حال سوز الم ہجر ہے نامے میں رقم
کہیں ایسا نہ ہو رستے میں کبوتر جل جائے

تن بدن پھونک دیا ہے شبِ فرقت نے مرا
کیا عجب ہے جو مرے جسم کا بستر جل جائے

اے میری پیاری چپلا ، سہیلی البیلی ، ایک ساتھ کھیلی ، عشق کے درد کی دوا بھی ہے ؟ اُس کے بیمار کو شفا بھی ہے ؟

چپلا : اے جان و دل خدا کی خدائی میں کیا نہیں
وہ کون سا مرض ہے کہ جس کی دوا نہیں

چترا : تو مجھے وہ دوا بتائے گی ؟

چپلا : ہاں اگر دھیان میں آئے گی ۔

چترا : ہاں اگر دھیان میں آئے گی تو بتائے گی ورنہ صاف مکر جائے گی ۔ وہ مثل ہے : کھائے گی نہ کھلائے گی ، جان کے ساتھ لے جائے گی ۔

چپلا : **گانا**

سر در ٹھکاون چلو من توری سمجھ سے ہاری ،
میں بے چاری ، برج ناری
سر در ٹھکاون——

الگ تھلگ ، جلی کٹی کہت ، کیوں ٹھاری
تو تو نا پریت تھی ، پھر من کاہے کو ڈولت ،
کھولت ، اب بار بار کیوں موہے چھیڑت ،

گھیرت ، اب بار بار میں لاجن مری جات ہوں ،
بن پیاری
سر در ٹھکاون چلو——

چترا : اے میری پیاری چپلا ! کیا کچھ بیار ہونا دشوار ہے ، لے سن بندی کو بھی یہی آزار ہے ، دل بہت بے قرار ہے -

گانا

جی مرا جاناں نے لے لیا ،
دل کو میرے ایک سودا ہو گیا

اب غم پڑا ہے سہنا ، ہر دم اداس رہنا ،
کسی جگہ جا کر بسنا ہو گیا

جی مرا جاناں نے ——

نرملا : میری جاں ! کیوں اس قدر بے قرار ہے ؟ ہر کوئی دھرے اختیار میں ہے ، وہ راہ چلتا کس شمار میں ہے -

چپلا نرملا : **گانا**

جو جی چاہے چنو پھول
ولے ہے یہ بڑا فضول

تمھیں جو پھول ہو مقبول
آئے تم کرو حصول

پر سنو بندی کی عرض
رضا باپ کی ہے فرض

سہیلی : اری چپ چپ آتے ہیں مہاراج -

[آنا اندر چترا کا کہنا ، چترا سے]

مہاراج : اے ہماری پیاری راج دلاری ، دل و جان سے پیاری ہماری ، کیا ہے خبر آج کل تمھاری ؟

چترا : شکر ہے جنابِ باری ۔

گانا

ہے نصیب نیک ہمارا شکرانہ ہے مولا کا
حان کو دھیان تھا جس کا وہ پھول نرالا تا کا

دلربا ستارا چمکا ، روشن ہے چہرہ آس کا
جو چاند کو دے حیرانی اور ماہ کو دے پریشانی

جو جگ میں ہے لاثانی ، صورت میں البیلا، بانکا
ہم دھیان دھرو باطن کا ، وہ پھول نرالا تا کا

ہے نصیب——

مہاراج : یہ کیا کہہ رہی ہے اے پیاری ! یہ کیسی بے قراری ؟

چپلا : جو آپ کی ہے خواہش وہی مرضی ہماری ۔

مہاراج : اے میرے لعل جو کچھ تو بیان کرتی ہے یہ سچا سچا حال ہے ، یا خواب و خیال ہے ؟

چپلا : گستاخی معاف ! اگر اجازت پاؤں تو ایک خوش‌خبری سناؤں ؟

مہاراج : ہاں ہاں سناؤ !

چپلا : حضور کو خبر ہے کہ جگہ جگہ کے شہزادے آئے ، چتراوت پیاری کے دل کو نہ بھائے ۔ مگر آج ، پورا حضور آپ کا ارماں ہوگیا ، ان کو پسند ایک شہزادہ ذیشان ہوگیا ۔

سہاراج : آہا اگر یہ سچا کلام ہے تو قابلِ انعام ہے ، مگر جس دل آرام کے لیے چتراوت بے آرام ہے ، وہ کوئی خاص ہے یا عام ہے ؟

چیلا : یہ حال تو سدی نہیں جانتی پر اُس کی رفتار و گفتار و دستار اور ہر ایک کردار سے ثابت ہوتا ہے کہ شہزادگی اُس پر تمام ہے ۔ تاج الملوک نام ہے ، پر حیرانی ہے اس بات کی کہ چتراوت چاند چودھویں رات کی ، اور اُس کو آرزو نہ ہو بیاہ برات کی ۔

سہاراج : تعجب ہے کہ مہراجوں کی بیٹی ، بوتی اُس کو قبول نہیں ، خیر دیکھا جائے گا ۔ نہ ہو بے قرار میری جان ! اگر ہو گیا میرے دل کو اطمینان کہ وہ شہزادہ ہے عالی خاندان ، تو وزیر کی معرفت کرتا ہوں اس مشکل کو آسان ۔

چترا : اے دیو بزرگوار ! میری مرادِ دل بر لانے والے !

گانا

جہاں کے بشر ہیں منشی
اور دھرتی ساری بنی تختی

جگ کے دریا ہیں سیاہی
توری نوازش نہ لکھی گئی

پوری نہ آس بھئی

جہاں کے بسر ـــــ

[ڈراپ میں]

باب تیسرا

پردہ پہلا

[آنا چار ساہسوں کا گاتے ہوئے]

گانا

پہلا : کیا ہم پلٹن میں بھرتے ہوئے ہیں . جھن جھن لاکھ
پھسلاؤں پھنساؤں ہکاؤں بہلاؤں یہی ہے میری بات

دوسرا : پکڑ جکڑ رگڑ اکڑ بنا کے ماروں لات

تیسرا : تڑک بھڑک پھڑک تڑک سنا کے ماروں ہاتھ

چوتھا : تمھیں کوئی کیا جانے ، مجھے سب جگ پہچانے ،
لاکھوں کاٹے گات

کیا ہم پلٹن میں بھرے ——

پہلا : سینکڑوں آئیے . سنکڑوں سدھے جوڑ کے لوٹے بن

دوسرا : عزت لوٹی ، دھن بھی لوٹا . سینکڑوں ، لاکھوں من

تیسرا : تو نے کیا لوٹا جو لوٹا میں نے لاکھوں گاؤں

چوتھا : تم تو سب چھوٹے ہو چھوٹے ، ہم گلسن کے کٹن
لوٹے ساتوں دیپ کے گاؤں لوٹے ڈاکو میرا ناؤں

کیا ہم پلٹن میں بھرے ——

پہلا : چار برس میں جوگنا کرکے ، سم و زر سے تھیلی بھر کے .
چھیلا لوٹے گھر

دوسرا : ہم چھیلا تو نام نہ لیوں ، گھر کا آدھا دام نہ دیویں ،

پھوٹا اک بادام نہ دیویں ، کبھی عمر بھر

تیسرا : جس کو چاہیں عزت دیویں ، جس کو چاہیں ذلت دیویں ، جس سے چاہیں نعمت لیویں ، جس سے چاہیں خدمت لیویں ، ہم کو کس کا ڈر ۔

چوتھا : جو کوئی آ حاکم کو پوچھے ، پہلے آ کر ہم کو پوجے ، سر اوندھائے ، قدم کو پوجے ، ایسے ہیں ہم سب سے بڑھ کر ، سرور برتر مہر سرور ، باقی سب کمتر

کیا ہم پلٹن میں بھرے ——

[آنا کوتوال کا ، کہنا سپاہیوں سے]

کوتوال : کیوں بدمعاش خان ! جمعدار جی ! انتظام کے لیے گشت لگانے والے ، سب حاضر ہیں پہرے والے ؟

جمعدار : ہاں حضور حاضر ہیں سب سپاہی سرکار کے ، سوائے جتّے خان حوالدار کے ، رات جو گیا جوا پکڑنے ، لگا اکڑنے بگڑنے جھگڑنے ، دیکھا جو روپوں کا ڈھیر، پڑا نیت میں پھیر ، کچھ اٹھایا ، کچھ چھپایا ، کچھ دبایا، یہ دیکھ کر ایک جواری نے اڑنگے پر چڑھایا ، سینہ دبایا ، ٹنگڑی توڑی ، گردن مروڑی ، اتنے میں آن پڑے دوسرے سپاہی ، وہ لے گئے مرہم پٹی کرائی ۔

کوتوال : اچھا ہر ایک سپاہی آئے اور اپنی اپنی رپورٹ سنائے ۔

پہلا سپاہی :

سنیے حضرت ! شرابی خان کی چترائی ، کیوں کر شراب اڑائی ، جب رات کو پہرے پر آئے ، آئی دل

میں کھنک ، سب دوکانوں کے تالے جھٹک ، کھلی
پائی سراب کی دوکان ، جھاڑ فانوس جل رہے تھے
چمک ، جب پائی یہ بے حکمی ، پھر تو کچھ بھی
نہ رہی دل میں اٹک ، پہلے تو ڈٹ کے چڑھا گیا ،
بوتل شیشے پیالے ڈالے پٹک ، کچھ دھرا ، کچھ دبا کے
مالک کو مال لے آیا ، چٹک مٹک جھٹک ، پھر تو وہ
دوکان تک کروا کے چبکے پھرتے تھراتے پہرے پر
آیا ایسے سٹک ۔

دوسرا سپاہی :

کوتوال صاحب کی بڑھی دولت تند اقبال ، دیکھیے
ڈاکو خاں کا کمال ، رات ایک چور کے گھر میں پڑا
مور ، دیکھ کے گھٹا گھنگور ، کر رہا تھا شور ،
جب پہنچا میں چور سینہ زور سناتا ہوا چور ،
حرام خور ۔ بنا دیا کور ، زندہ درگور ، فی‌الفور وہ لے
آیا مور ، اتنے میں ہوگئی بھور (ہنستا) نہیں نہیں نہیں
دھڑ میرے حصے میں آیا ، دم آپ کے لیے لایا ۔

تیسرا سپاہی :

سنیے حضرت پٹھان خاں کی فطرت ۔ میرے پہرے کا
بہانہ تھا ، دو گولی کا پلہ ، چڑی مار محلہ ، دیکھا
جو ایک مال‌دار اللہ بلّا ، لکھنؤ کا چھبلا ، بغل میں
دابے مصلّا ، میں نے بھی لگا دیا بہتان کا ٹھلّا ، ابے
تو چرا لایا ہے گلّا ، پھر تو بات بات میں کرنے لگا
واللہ باللہ ، آخرش دے کے اس نے سونے کا چھلّا ،

مجھ سے چھڑایا پلّا ، میں بجاتا ہوا کلاّ ، کرنے لگا
جاگو جاگو کا ہلاّ ، اللہ اللہ خیر سلاّ ۔

[آنا اردلی کا]

اردلی : کوتوال صاحب[1] نیک نام ذی شان !

کوتوال : آئیے آئیے مہربان ، وزیر صاحب کے اردلی بہادر خان ،
کیا ہے فرمان ؟

اردلی : لیجیے وزیر صاحب کا حکم نامہ قدردان !

[کوتوال کا حکم نامہ پڑھنا]

کوتوال : زورآور خان بہادر کوتوال اور کاموں سے ہاتھ اٹھا کے
پہلے یہ تعمیل بہت جلد بجا لاؤ ۔

ابیات

کوئی ہے تاج الملوک نامی مسافرت میں چلا ہوا ہے
جو شکل دیکھو تو بھولی بھالی مگر بلا کا بنا ہوا ہے
جو پوچھو پورب بتاوے پچھم ، کسی نے پایا نہ اس کا مطلب
لباس بس پر امیروں کا سا ، چمک دمک کا ، سجا ہوا ہے
ہماری تعمیل یہ بجاؤ ، جہاں ہو تم اس کو ڈھونڈ لاؤ
حضوری میں اس کو بھیج دو تم ، دلوں میں کھٹکا پڑا ہوا ہے

زبانی : بہت خوب جاتا ہوں ، ابھی سرکاری تعمیل بجا لاتا
ہوں ۔

[آنا ایک دیہاتی پردیسی کا تاج کو پکڑے ہوئے]

پردیسی : کوتوال مہاراج کا بول بالا ، مرتبہ[1] دوبالا ، نیاؤ[2] چاہت
ہوں پھر یاد کرنے والا ۔

---

۱ ۔ 'مرتبہ' کی بگڑی ہوئی صورت ۔ ۲ انصاف ۔

کوتوال : تو کون ہے متوالا ؟ کیا ظلم دیکھا بھالا ؟

پردیسی : ہے بجور ، ہم ہیں کام کے مجور ، جے میاں جا سہر کی گلن بیچ بھٹک رہے ہیں ، موکا بولے ٹھاکر تنک دیا کرو ، مورے سنگ آیو رستہ بتایو ، اور کوئی سندر بکھری ہو نو بھاڑے دلاؤ -

کوتوال : پھر کوئی مکان دکھایا ، گھر دلایا ؟

پردیسی : ارے صاحب حجارن مکان دکھائے پرنت[1] جا کے من کو پسند ہی نہ آئے ۔ جب دن بھر جا پاپی کے سنگ[2] تھاک چھانی تب رام سکھ ٹھاکر کی بکھری من بھائی ، پسوں پر بکھیڑا پھیلاوت ہے ، نہ بکھری کا بھاڑا دلاوت ہے نہ ہمری مجوری چکاوت ہے - (کوتوال کے کان میں) ایک موتی انمول جا کے ہاتھ لگو ہے ، رام جانے کہاں سے لے بھگو ہے - بار بار بولت ہے کہ موتی بیچ لاؤں نو بھاڑا مجوری چکاؤں - اب رام جانے کب موتی بکے گو اور ہمری مجوری کا پیسہ چکے گو - کوتوال صاحب دیا کیجیے ، مجھ گریب کا پیسہ دلا دیجے -

کوتوال : ٹھہر ٹھہر دیکھا جائے گا - (تاج سے) حضرت کیا آپ پردیسی ہیں ؟ اسم لطیف ؟

تاج : تاج الملوک !

کوتوال : وطن شریف ؟

تاج : پورب !

---

۱ - ایکن -

۲ - اس پاپی کے ساتھ -

کوتوال : آنے کا مطلب ؟

اج : آب و دانہ ۔

کوتوال : آخر کون لایا ؟

اج : گردشِ زمانہ ۔

کوتوال : موتی کہاں سے پایا ؟

اج : تقدیر سے ۔

کوتوال : ہار گئے ہم آپ کی تقریر سے ، معلوم ہونے ہو کچھ امیر سے ، آپ کا انصاف ہوگا حضرت وزیر سے ۔ بدمعاش خان جی ہوت ! پکڑو ان کا ہاتھ ، لے جاؤ اپنے ساتھ ، جو کچھ سنی ہے داستان اس آن ، وزیر صاحب سے کر دینا بیان ۔

اج : یا الٰہی ! یہ کیسی ڈال دی تباہی ، جدھر جاؤ آدھر الجھیڑا ، جہاں جاؤں وہاں ایک بکھیڑا ، کہیں حالی ہے ، کہیں تالی ہے ، کہیں کھانسی ہے ، اس شہر میں جگہ جگہ پھانسی ہے ۔

ردیسی : حجور دام ہمرے ؟

کوتوال : جا ہماری کوٹھی کے صاف کر کمرے ، اگر ہوگئی اس کی تعمیل پوری پوری ، تو مل جاوے گی سب کی سب دستوری ، اگر رہ گئی کوئی بات ادھوری تو ہماری محنت گئی تیری مزدوری ۔

[سب کا یکے بعد دیگرے جانا]

[ڈراپ سین]

پردہ دوسرا

مکان وزیر

[آنا تاج کو لے کے بدمعاس خاں کا]

وزیر : اے ہوسیار صورت ، سمجھ دار مورت ، واہ رے مدرت ، کیا آن پڑی ضرورت ، حو اس جیٹھ ، بیسا کھ کی گرمی میں حلبے ہوئے ، البلے چلبے ہوئے ، بورب کی طرف نکلتے ہوئے ؟

تاج : سنیے حضور !

اکیلے نہیں ہم ہیں چلبے ہوئے
غم و رنج ہیں دل کو ملتے ہوئے

وزیر : سبب ؟

تاج : آسمانی غضب !

وزیر : تدبیر ؟

تاج : تقدیر !

وزیر : بیماری ؟

تاج : لاچاری !

وزیر : کیا علاج ؟

تاج : لا علاج !

وزیر : دیس ؟

تاج : پردیس !

وزیر : کیا نام ؟

تاج : بدنام !

وزیر : کیا کام ؟

تاج : ناکام !

وزیر : کھانا ؟

تاج : غم !

وزیر : شغل کیا جاری ؟

تاج : محض بے کاری ۔

وزیر : کدھر ؟

تاج : ادھر اُدھر !

وزیر : ٹھیک ! تو پھر کیا مانگتے ہو بھیک ؟ کوئی دور نہ کوئی نزدیک ، کوئی یار نہ کوئی شریک ، جو کلام ہے لا کلام ، جو جواب ہے لاجواب ، تاج الملوک کس کا نام ہے ؟ پورب کس کا مقام ہے ؟

تاج : حضور ! یہ کوئی نام ہو تو بتاؤں ، کام ہو توجتاؤں ، تاج ہے یا پھر بزرگوں کا رکھا سر پر ۔

وزیر : کون ہے تیرا بزرگوار ؟

تاج : بچپن سے ہوں خوار ، پردیس میں لاچار ، کیا بتاؤں سرکار ۔

وزیر : مجھے تو اس میں دکھائی کوئی ثواب نہ دے
کہ ہم سوال کریں تو کوئی جواب نہ دے

تاج : کہا ہے پیر نے بانوں کو پیچ و تاب نہ دے
بڑوں کے سامنے ہرگز کبھی جواب نہ دے

وزیر : بڑا کوئی سرہ ہے چلتا ہوا
کہ چلتا ہے گھڑیاں بدلتا ہوا

تاج : زمانہ نظر آیا جلتا ہوا ۔
میں چلتا ہوں ڈرتا سبھلتا ہوا

وزیر : عجب ہے تو سفر میں ہو اکیلا نامور ہو کر
نہ رکھے لاؤ لشکر ساتھ ہمراہِ سفر ہوکر

تاج : حلا جس دم کوئی محتاج تا نہ تاج ور ہوکر
رہے دوگر کا کپڑا ساتھ ہمراہِ سفر ہوکر

نہ پہچانے کوئی شاہ و گدا کو ناہر ہوکر
کرے کیا لاؤ لشکر کو مسافر پرخطر ہوکر

وزیر : ارے واہ ری تیری سفاکی بے باکی ، خوب پھلواری تاکی ۔ جن شہزادوں کو عطا کی چالاکی ، ایسے ہی تمھاری طرح وعظ سناتے ہیں ، مسافری کا بھیس بناتے ہیں ، غیر ملک میں جب وہ جاتے ہیں ، رعیت سے فوج و سپاہ کی ٹٹول لگاتے ہیں ، موقع جب اپنے دل کے مطابق پاتے ہیں تو محمود شاہ غزنوی کی طرح دھر دباتے ہیں ۔

تاج : حضور ! رہ گئی ایک بات ہم سناتے ہیں ، وہ شہزادے وزیر ایسوں کو بناتے ہیں کہ راہ چلتوں

پر بھی بدگمان لاتے ہیں ، اپنا سپاہی بھیج کر پکڑ بلاتے ہیں -

وزیر : بھلا بدگماں وزیروں پر کیوں چھوڑا ،
انتظام کے لیے وہ جو کچھ کریں سو تھوڑا

دور ہو جاتی اگر عالم سے شکلِ انتظام
پھر تو یوسف میں سحر کے وقت ہی ہو جاتی شام

تاج : اس جگہ ہوتا اگر یوسف کی صورت انتظام
دام بھجواتے نہ یوسف کے بنانے کو غلام

وزیر : ہاں ہاں نہ چھپی ریاست کی تو ، حاضرجوابی کی گفتگو ، بڑے تعجب کی بات ہے ، جو شخص یوسف کہلائے ، پھر کیوں اسے آپ کو چھپائے ، شاید کوئی دیکھ کر زلیخا نہ بن جائے -

تاج : اے حضور ! یہ آپ کی مہربانی ہے ، قدردانی ہے ، جو کسی کی صورت میں یوسف کی سی شان جانی پہچانی ہے -

بیت

کب یہ ممکن ہے کہ قطرہ کوئی دریا ہو جائے
اسیرِ یوسف کے لیے کوئی زلیخا ہو جائے

وزیر : اگر اس شخص کا ارمان پورا ہو جائے ؟

تاج : کیا تعجب ہے کہ جو ٹیڑھا ہے سیدھا ہو جائے ،
صاف جنجال سے چھٹکارا کسی کا ہو جائے -

وزیر : ارے کوئی حاضر ہے اس آن ، لاؤ حضرت کے لیے ہار پان -

تاج : نہیں حضور ! ہمارے یہاں ہے ایسا دستور ، جب گردِ ملال دھل جائے ، بالکل حال کھل جائے ، ہل مل جائے ، مشکل جائے -

وزیر : اجی نہیں !

تاج : جی نہیں -

وزیر : کچھ دور نہیں -

تاج : کچھ ضرور نہیں -

وزیر : کیوں منظور نہیں ، کچھ تو سہی ؟

تاج : وہ کیا بات تھی جنابِ عالی ؟

وزیر : وہی زلیخا والی ہے -

تاج : وہ کون ہے اور کیسی ہے ؟

وزیر : کسی نے نہ دیکھی ہو ویسی ہے ؟

تاج : شریف ذات کی ؟

وزیر : شریف ذات کی ، بڑی بات کی ، عالی صفات کی -

تاج : وہ کس طرف ہے اور کدھر ہے ؟

وزیر : جہاں تم گئے تھے وہ اُدھر ہے -

تاج : کہیں جانا میرا دستور نہیں -

وزیر : دستور کا کچھ مذکور نہیں -

تاج : کچھ یاد مجھے وہ حور نہیں -

وزیر : اب یاد کرو کچھ دور نہیں -

تاج : کچھ تو فرمائیے مہربان ، پتا ، نشان ؟

وزیر : وہ عالی شان مکان ، گل وسنبل والا ، شوروغل والا -

تاج : آ ہا ہا ہا چپلا نرملا تو نہیں ؟

وزیر : اجی وہ بلا نہیں -

تاج : اور کون تھی ؟

وزیر : اور کوئی تھی نازنین ، مہر گزیں -

تاج : میں جانتا نہیں -

وزیر : ارے الٹے ، زمین کے سلٹے ، ہر ایک بات کو الٹا نا اڑاتا ہے ، تو کیا کہنا چاہتا ہے ، میں کچھ نہیں سمجھا - گدھے کو نون دیا ، اس نے کہا میری آنکھیں دکھیں ، بہت ٹیڑھا ہے - خیر دیکھا جائے گا - کیا سبب جو ہمارے شہر میں آ کر ایک غریب قلی سے کام لیا اور دام نہیں دیے ؟ کیا سبب جو رام سنگھ ٹھاکر کا مکان ٹھہرایا ، کرایہ نہیں چکایا ؟

تاج : جنابِ عالی ! مجھ کو وہ دام ادا کرنے میں انکار نہیں ، پر اس شہر کے بانی کوئی بازار نہیں کہ جس میں ایک موتی کا بھی خریدار نہیں -

وزیر : بھلا کہاں ہے وہ موتی ، جس کی قسمت نہیں ہوتی - یہ موتی کہاں سے پایا ، کس نے تمھیں دلایا ؟

تاج : اس کا جواب ہم سے آئے گا نہ آیا ، جو کچھ میں نے پایا تقدیر سے پایا -

وزیر : تقدیر تو ہے پھوٹی ، جو لنک بات چھوٹی ، مت بول بات جھوٹی ، دولت کہاں سے لوٹی ، بتا تو سہی ، پورب کے صحرا میں ہوتا ہے موتی ، یا سنگل کے دریا میں ہوتا ہے موتی ۔ کیا تعجب ہے کہ تم لوگ غوطہ خور چور ہو ، ہماری عملداری کے سمندر میں غوطہ لگاتے ہو اور چھپ چھپا کے موتی نکال لاتے ہو ، اور سرکار سے محصول بچانے کے لیے حال چھپاتے ہو ۔

تاج : معلوم مجھ کو بھی تو یہ ہو جاوے اے جناب
ہے آپ کے بھی شہر میں اس موتی کا جواب
جو فرمایا سنگلی سمدر کا ہے گوہر نایاب

وزیر : اے انسان لسّان دم باز ، فتنہ ساز ، جعلیے حالیے ، پھر کبھی نہ ایسی بات منہ سے نکالیے ۔ ادھر موتی چرانا ، اُدھر پرائی مزدوری دبانا ، اور پھر بن پوچھے گچھے درانے محل میں گھس جانا ، دھاجو کڑی ہم کو دکھانا اور پھر مُکر جانا ۔

تاج : حضرت ہمارا مکر جانا اور آپ کا چھند لانا پھسلانا ، دلوں سے دل ملانا ، ملا تو لالا نہیں تو لولو ، بولا تو طوطا نہیں تو اُلّو ۔ میٹھا میٹھا ہپ ہپ ، کڑوا کڑوا تُھو تُھو ۔

وزیر : او کنگال یہی تو انصاف کا بہانہ ۔

تاج : کیا میل ملانا ؟

وزیر : اے بدخصال ! اپنے منہ سے آپ وہاں جانے کا اقرار

کرتا ہے۔

تاج : کیا تعجب ہے کہ حیرت میرے دل پر ڈالی ،
چپلا نرملا کو سمجھا تھا ملانے والی ، یہاں آن کے
دیکھا تو جنابِ عالی ، لاحول ولا قوہ ، یہ حقارت ،
ڈوب گئی ایسی وزارت ۔

وزیر : ارے او بدکار ، بداطوار ! میں خوب سمجھتا ہوں
تو بڑا ہی ہوشیار ، مکار عیّار ہے ، اگر پھر کوئی
بد بات منہ سے نکالی تو تیرا گلا اور میری تلوار ہے۔
کون کہتا ہے کہ تو وہاں جائے ، کس کو غرض
پڑی ہے کہ تجھ سے جوتیاں اٹھوائے یا زلیخا کی
طرح یوسف سا معشوق بنائے ، لازم آن پڑا کہ تو
قید خانے میں جائے ۔

تاج : حضور کیسا ہی یوسف اگر تباہ ہو جائے
ہزار قید میں تن اس کا مثلِ کاہ ہو جائے
مگر کبھی نہ زلیخا کی اس کو چاہ ہو جائے

وزیر : ارے کوئی حاضر ہے ! لے جاؤ اس کو جیل خانے ،
مصیبت اٹھوانے ، سنڈاس کمانے ۔ تھوڑے دنوں بعد
اس کی آنکھیں پھوڑی جائیں گی ، زبان کاٹی جائے گی
تاکہ کسی کی طرف آنکھ نہ اٹھائے ، ایک جگہ کا
حال دوسری جگہ نہ سنائے ۔

تاج : لائی حیات آئے ، قضا لے چلی ، چلے
اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے

[جانا سپاہی کا تاج کو لے کے]

باب تیسرا

پردہ تیسرا

محل چترا کا

[آنا چترا کا مع سہیلیوں کے ، بعد میں آنا مہاراج کا]

مہاراج : کیوں بیٹی ! سن لی وزیر کی تقریر ، اب کیا کروں تدبیر ؟

چترا : ابا جان ! وزیر نے آس بے پیر کو محبت سے جال میں لانے کی کوئی تدبیر باقی نہیں چھوڑی ۔ اب ایک بات بندی کے کان میں آئی ہے ، اگر اجازت پاؤں تو کہہ سناؤں ؟

مہاراج : اے بیٹی ! سوائے تیرے میرا کوئی وارث والی نہیں ، آج تک تیری کوئی بات ٹالی نہیں ۔ بلا خوف بیان کر ۔

چترا : حضور خوب جانتے ہیں کہ جہاں کہیں ایک سی طبیعت کا جوڑا نہیں ملتا ہے تو بے شک وہاں خرابی کا گل کھلتا ہے ۔ دھیان جاتی ہوں تو اس کا اور اپنا مزاج یکساں پاتی ہوں ۔

آسے دیکھتے ہی یہ کہنے لگا دل
یہی مرد ہے میرے جوڑے کے قابل

اگر اجازت ہو تو کر لوں دو دو باتیں ۔

مہاراج : اے بیٹی چپ چپ !

چترا : ابا جان ! کیا کوئی بے انتظامی کی بات ہے ؟

مہاراج : پیاری بیٹی ! بڑی بدنامی کی بات ہے ۔ کسی ادنیٰ غریب کی کنواری ، نہ کرے اس طرح طلب گاری ،
تو تو راجہ کی بیٹی ہے پیاری !

جس سے نفرت ہو تجھے سو باری اُس سے مِلنا گناہ ہے بھاری ، اے یکتائے زمانہ ، تو نے اس میں کیا پہچانا ، جب دیکھو تب اُسی کا ترانہ ، اُسی کا فسانہ ۔ تیرے سامنے تو وہ ایسا ہے بے چارہ ، جیسے چاند کے آگے تارا ۔

چترا : گانا

نہ بولو تارا تارا ، وہ تارا ہے نیارا ، سبھوں سے پیارا پیارا
آنکھوں کا تارا ، نصیبوں کا مارا ، خدا نے اُتارا

نہ بولو تارا تارا ——

صاف کہہ دوں گی جو پوچھے گا کوئی حشر کے دن
میں گنہگار نہیں ہوں ، ہیں گنہگار آنکھیں

مجنوں کو دیکھیے لیلیٰ کی آنکھ سے
وامق کو دیکھیے عذرا کی آنکھ سے

نہ بولو تارا تارا —

مہاراج : پھر کیا کروں ، کِس کی انگلی میں پہناؤں چھلا ،
کیا زبردستی پکڑ کے باندھوں پلاّ ؟

چترا : تعجب ہے کہ پالے کئی سنگل دیپ کے ہاتھی ،
مگر پورب کی چڑیا اُس کے پنجوں میں نہیں آتی !

مہاراج : کس طرح مانوں میں ہیہات ، یہ بدنامی کی بات ،
آگ اور بارود کا ساتھ ۔

چترا : گانا

اے مورے پتا پیارے من مورے لگی ہے آگ
کیسے کہوں ہیں پھوٹے مورے بھاگ
کیوں نہ روؤں ، جی کو کھوؤں ،
نین نیر سے مکھ کو دھوؤں ،
ہر غم ہر دم دم رہے ، کم کم ، پیہم ، ہم رہے
چشم زار ہوں ، دل فگار ہوں ،
زار و نزار ہوں ، بے قرار ہوں
سوگوار ہوں ——من میں مورے لگی آگ

[سہیلی کا آنا]

سہیلی : حضور کوئی دروازے پر ملازمِ سرکار ، کچھ عرض
کرنے کا اُمیدوار ہے ۔

[سپاہی کا آنا]

سپاہی : بندہ پرور ! کوئی تاج الملوک نامی پورب کے بادشاہ
زین الملوک کا بیٹا وطن سے آوارہ ہے ، نہیں معلوم
کدھر کو سدھارا ہے ۔ آخرش لاچار ہو کر باپ
بے چارے نے ہر ایک ولایت کے بادشاہ کو نامہ
بھجوایا ہے ، یہ ایک نامہ حضور کی بھی خدمت میں
آیا ہے ، قاصد دربار میں حاضر ہے ، جس نے یہ
پیغام ماجرا زبانی کہہ سنایا ہے ۔

[جانا سپاہی کا اور مہاراج کا نامہ پڑھنا]

مہاراج : اوہو تاج‌الملوک حضرت تو بچپن سے چنچل اور ہر ایک کو اڑانے والے معلوم ہوتے ہیں ؛ لے سن اس کا باپ کیا لکھتا ہے :
"تاج‌الملوک میرا ایسا بہادر فرزند ہے جو بکاؤلی کا پھول اندھے باپ کو بینا بنانے کے لیے اڑا لاتا ، اتنا ہی نہیں ، راستے میں دلبر بیسوا اور محمودہ دیو زاد کو حکمت اور فطرت سے جیت لایا ، اور بڑے بھائیوں کو شرمندگی کا داغ دکھلاتا اور اب یہاں آیا تو یہ فتنہ جگایا ۔"

چیلا : بندہ پرور ! اب تو یہ قدرتی دستاویز ہاتھ آئی ہے ، جس کے وسیلے سے ہم باندیوں نے دو بول عرض کرنے کی ہمت پائی ہے ۔ چتراوت کی مرضی کے مطابق یہاں لانے کی امیدوار ہوں ، اجازت کی طلب گار ہوں ۔ اس کاغذ کی مدد سے ہم تمام چالاکیاں بھلائیں گے ، خدا نے چاہا تو اسی کی زبان سے اسے جھوٹا بنائیں گے ، اس سے سب کچھ قبولوائیں گے ۔

مہاراج : خیر اولاد کے پیچھے ہزار خرابیاں اٹھاتے ہیں ، ایمان گنواتے ہیں ، نظر سے لاچار ہو کر ہم بھی تم کو اس طرح پر حکم سناتے ہیں ۔ اسے لائے کوئی اس حکمت سے ، فطرت سے ، ہاتھ اپنا نہ دھونا پڑے عزت و حرمت سے ۔

[مہاراج کا جانا]

سب کا گانا :

جے بولو خوشی کے دم کی   رت بھاگی ہمارے غم کی
پوری ہو منشا پیاری کے من کی   بنک گھڑی ہے چمکی

باب تیسرا

پردہ چوتھا

مکاں چترا

[آنا تاج کا]

چترا : (تاج کو دیکھ کر) یہ کون انسان ؟

چپلا : وہی فرعونِ بے ساماں ، مغرور بے شعور ، سراسر قصور ، ظاہرا نور باطن زنبور ، جو اس روزِ بن بلائے خانۂ حضور میں در آیا ، چلا آیا اور کہیں سے موتی چرایا ۔

سہیلی : ایک قصور ۔

نرملا : مگر جب سرکار نے بلایا تو نہ آیا ۔

سہیلی : دو قصور ۔

چپلا : بی بی ہم کو سانپن ناگن ٹھہرایا ۔

سہیلی : تین قصور ۔

نرملا : اور کیا بھول گئی ، ہمیں تمھیں بھنگن بنانا ۔

سہیلی : چار قصور ۔

چپلا : اور پھر بندی کو تو بندر نچانے والے کی جورو ٹھہرایا ۔

سہیلی : پانچ قصور -
نرملا : کبھی شیطان کی خالہ ٹھہرایا -
سہیلی : چھ قصور -
چپلا : اور ندی کو کٹنی ، چوراہے کی ٹھٹنی بنایا -
سہیلی : سات قصور -
نرملا : سپاہیوں کو بھی کچھ خیال میں نہ لایا -
سہیلی : آٹھ قصور -
چپلا : سپاہی کیسے ، کوتوال تک کو اڑایا -
سہیلی : نو قصور -
نرملا : کوتوال کیسے ، وزیر کو بھی پتّا بنایا -
سہیلی : دس قصور -
چترا : اور کچھ فتور ؟
چپلا : بس حضور !
چترا : تو ہم کو بھی شاید اڑائیں گے ، یہ فریبوں سے پتّا بنائیں گے - کیا جی تمھیں ہو ان سب قصوروں کے روادار ، پورے پورے عیّار ؟
چپلا : جواب دے گنہگار ، کیا فرماتی ہیں سرکار !
تاج : واجب القتل ہیں اور لائقِ تلوار ہیں ہم
ہاں جی ہاں ، سچ ہے کہ ایسے ہی گنہگار ہیں ہم
چترا : اس سے ثابت یہ ہوا ہم کو ستمگار ہیں ہم
آپ مظلوم ہیں ، اور ظالم و خونخوار ہیں ہم

تاج : یہ اشارے ہوتے ہیں گردن پھنسانے کے لیے
ظلم ہے اُس پر ، سراسر دل ستانے کے لیے
چیلا : کون آیا اس جگہ موتی چُرانے کے لیے
تاج : دے گواہ کوئی مری چوری بتانے کے لیے
چترا : ایک چوری کیسی ، آپ کی پیشانی سے چوری ، جواری ، مکاری ، عیّاری ، برادرخواری ہر ایک عیب کی نموداری ہے ۔
تاج : تم بڑی انصاف والی سرکار نظر آتی ہو ، بندے کو چور جواری بتاتی ہو ، کوئی گواہ بھی ٹھہراتی ہو ؟
چترا : گواہ اس کا کوئی نیک نام ہو جائے
تاج : بغیر داموں کے بندہ غلام ہو جائے
چترا : دیکھو صاحب ! خوب سمجھ لو ، سوچ لو ، تم کو غلام ہونے میں کسی صورت کا انکار نہ ہوگا ۔ مجھ کو ہر صورت اختیار ہوگا ، کوئی بی‌بی ہو یا باندی ، امیرزادی ہو یا فقیر زادی ، میں جس کے ساتھ چاہوں گی ، بیاہوں گی ۔
تاج : ہاں ہاں حضور ، منظور منظور !
چترا : گر ہے یہ بات ، لاؤ قول کا ہاتھ
تاج : قول دیتا ہے بندہ جان کے ساتھ

[چترا کے ہاتھ پر ہاتھ مارنا]

چترا : بھلا گواہی پسند ہے کس کی ؟
تاج : آپ کی عملداری کے سوا جی چاہے جس کی ۔

چترا : اگر آپ کے والد شہنشاہ ، ہوگئے آپ کے عیبوں کے گواہ ؟

تاج : جنابہ یہ عدالت ہے کہ دل لگی ہے ، غلامی میں لانا کوئی مسخری ہے۔

چھوڑ ساہی بابا میرے ، عذر خواہی کے لیے
آ گئے سنگل میں عیبوں کی گواہی کے لیے ؟

چترا : خیر نہ لیجیے ، باپ کے بھیجے ہوئے نامے پر ساہی مہر سے دل کی تسلی کیجیے۔

[نامہ پڑھ کر تاج کا سر نیچا کرنا]

سب : گانا

لو چوری کھلی تمھاری ہو صاحب بڑے لپاڑی
بات تمھاری کھل گئی ساری ہو پرلے درجے کے جواری
لوٹے پھول پھلواری کرکے دیو کی آسواری

لو چوری کھلی تمھاری

پری بچاری ، ٹھگ ماری کرتی آہ و زاری
چور ہو تم جانی لاثانی دیکھ ہوئیں پریاں دیوانی
پھول چرا نامی کہلائے داغ عزیزوں کو دلوائے

لو چوری کھلی تمھاری

چپلا : کیوں ہم نے اس روز کیا کہا تھا ؟ کوئی شرما جائے گا ، ہاتھ جوڑوگے ہمارا ، وہ بھی دن آئے گا۔

بیت

ہم وہ نہیں جو عورتوں سے ہم کلام ہو
آ جائے میرے سامنے جو پہلوان ہو

نرملا : اجی واہ!

چپلا : اجی واہ!

چترا : چپ ہو بے حیاؤ! ایک بھلے مانس کو نہ چھپاؤ۔ اے شہزادۂ عالی مقام، اگرچہ ہار کر آپ ہوگئے ناکام، میں شہزادی ہوں، نہیں پسند فرماتی شہزادے کو بنانا غلام، قبول فرماؤ مجھ سے شادی کا پیام۔

تاج : اگر اس غلام پر مہربانی کی نظرِ توجہ فرماؤ تو دو بول اور کچھ سناؤں۔

گانا

اجی حال سنو میرے جی کا میں چترا ہوں اک دیبی کا
دل جان گیا مجھ عاصی کا جو مطلب ہے شہزادی کا
اجی حال سنو میرے جی کا

بر باعث ہے لاچاری کا ہے پوجا کام پجاری کا
مجھے حکم نہیں ہے شادی کا دل جان گیا مجھ عاصی کا
اجی حال سنو میرے جی کا

چترا : اجی حضرت! آپ بال بڑھائے، چندن سیندور لگائے نظر آتے تو یہ بات بن جاتی، پجاری والی بات سمجھ میں آتی۔

ناج : تم ہم کو زبردستی جھوٹا بناتی ہو ، جو جی میں آتا ہے فرماتی ہو - یہ صاف ظاہر ہے کہ ایک مندر خود بخود سنگل میں نکلا ، تمام جہان اُس کو جانے ، مگر سنگل کی شہزادی نہ پہچانے - حضور جس طرح ہوسکے اپنے دل کی تسلی کیجیے کہ میں اُس دیوی کے مندر کا پجاری ہوں یا نہیں -

چترا : ہاں ایسا ہی ہے تو ہم چلیں گے مندر کے درشن کو مہاراج کے ساتھ - اگر وہاں سے ثابت ہووے تمھاری بات ، تو دیتی ہوں قول کا ہاتھ - خود مہادیوی فرمائے تو شادی کروں ورنہ تجھے اس غلامی بن سے آزادی کروں -

گانا

دیوی کو مناؤں ، واری تورے جاؤں
ساری رین بیت گئی ، ہووت بھور جاؤں ،
دیوی کو مناؤں ، جون بھئی درسن کی
دیوی کو مناؤں - - - -

[جانا سب کا]

باب تیسرا

پردہ پانچواں

مندر

[آنا سب کا گاتے ہوئے ، پوجا کا ساماں لے کر]

اے دیبی تورے دوار ،
شاہی دربار پوجن بھجن کرن آئے
راجن بجن مانگن آئے ، آسا دل کی پاویں
اے دیبی ——

تلسی پتر ، صدل چندن آن ، دھن ،
جل بن پوجن چڑھائیں ، آرتی گائیں ،
اور تو جو چاہے مانگے نرت[1] وہ دیوں، منگائیں
اے دیبی ——

چیلا :
اے دیوتاؤں کی سردار ، پاربتی اوتار ، گن پتی دلدار ،
مہا دیوی تو نے سنگل میں لیا اوتار ، کرپا کے لیے،
ایک کنواری بھی یہاں آئی ہے پوجا کے لیے

بکاؤلی : **گانا**
تم کون بشر ہو ؟ کہاں سے آئے ؟ کہہ دو آدم زاد
کس فکر میں ہو ، کس ذکر میں ہو ؟ کیا چاہتے ہو امداد ؟

---

۱ - فوراً ۔

کس طور سے تم پر عیاں ہوا مجھ دیوی کا استھان
کس نے تم کو بتایا اس مندر کا پتا نشان
تم کون بشر ہو——

وزیر : اے مہا بھوانی ' کرپا کی نشانی ، تاج الملوک نامی آپ کے اکیلے چیلے کی زبانی ، سنگل دیپ کے مہاراجہ بہادر نے پہچانی ، ساتھ لیے شہزادی کو وہ درشن کرنے آئے ہیں ، شہزادی کی آشا چومکھ دھرنے آئے ہیں -

بکاؤلی : کہاں ہے وہ سہزادی ، خود ہمارے سامنے آن کر کرے فریادی - اگر ہم پر سچا بھروسہ رکھے تو البتہ اپنے دل کی مراد چکھے -

چترا : گانا

آسا ہمارے جی کی ، پورن کر دیوی
آسا[1] میں سے اپنے جی کی پائی
سجوگ کر کے شادی کراؤ
آسا ہمارے جی کی پورن کر دیوی

بکاؤلی : کہاں ہے وہ چیلا اکیلا ہمارا
یہ سچ بات کہتی ہے کنا ماہ پارہ
سنا دے ہمیں آن کر حال سارا

تاج : میں حاضر ہوں سرکار چیلا تمھارا
اچانک جو گلشن سے بلبل سدھارا

۱ - اُمید -

کہیں ایک صیّاد کا تھا گذارا
نہ سمجھا شکاری کا پھندا اشارا
بڑے پیچ میں آن کر قول ہارا

بکاؤلی : وہ ہارا ہوا قول بول آشکارا

تاج : دیوی کرے منظور تو ہو جائے گی شادی

بکاؤلی : منظور ہے وہ کار تو ہم نے بھی رضا دی

[بکاؤلی کا آوار کے ساتھ سدر سے نکل آنا]

گانا

یا کریمنا یا رحیمنا !

مورا انگ ہوا نہا سنگ ، انگ ملا پتھر کے سنگ
اے پیارے ، تمھارے لیے میں جلی ، تن کو سزا ملی
یا کریمنا یا رحیمنا !

سوتن سنگ ، بیرن سنگ ، تم صبح و شام ، کیے آرام
یا کریمنا یا رحیمنا !

مہاراج : یا پروردگار ! یہ کیا ہے اسرار ، یہ کیسی مہا دیوی ، اربی فریبی ، ہمیشہ مندروں میں بے جان پائی ، یہ جان دار مورت کہاں سے آئی !

چترا : **گانا**

بھائی رے ، میں دکھیا نہیں آئی
شانِ خدائی مجھے کھینچ لائی
خاک میں نور ملائی رے

بھائی رے ـــــ

راکھ کے اندر آگ دبی تھی
آج ہوا نے اڑائی رے
——بھائی رے

زیرو : اس کو بھی جانتی ہو یہ کون ہے ؟

کاؤلی : میں نہیں پہچانتی یہ کون ہے ۔

زیرو : الفت تمھارے چیلے کی کبا دل سے دھل گئی

کاؤلی : وہ خواب کی تھی بات پر اب آنکھ کھل گئی

زیرو : پر یہ تو کہو تو کون بشر ہے ؟ زمینی ہے یا آسمانی ہے ، یا جنات کی جانی ہے ۔

کاؤلی : جن کو کیا جانے خاک کا ڈھیلا ۔

پہلا : جانتا ہے یہ آپ کا چیلا ، بچپن سے ہے پریوں میں کھیلا ، گل کھلائے بکاؤلی کے لا ۔

کاؤلی : کس طرح یہ بات جانی آپ نے ؟

رملا : نامہ اک بھیجا ہے اس کے باپ نے

پہلا : گر نہ جانے ہو پری کے چور کو ، اب جان لو

کاؤلی : پھول تھا جس کا چرایا ، اُس کو بھی پہچان لو

گانا

میری جان قید سے چھٹی ، ہوں دکھ بھری
پھول والی پری ، دیکھ لو مل گیا میلوں سے میل
جو غیر پا کے گری ، مری جان قید سے چھٹی

سہیلیاں : آہا بکاؤلی بکاؤلی ، درجے میں عالی ، اِندراسن والی ۔

چترا : شکر ہے جنابِ باری ، بڑی قسمت ہماری ، جو اِندر دیوتا کی پری پیاری ، ہم کو درشن دینے آن پدھاری ۔

مہاراج : اے پری ! تو مندر میں کس لیے آن پڑی ۔

بکاؤلی : جناب عالی !

گانا

ان کے محبت پیار میں ، بندی پھنسی آزار میں
اِندر نے یہ دی بد دعا ، پتّھر نبی سنسار میں

جب تک کہ اپنی ذات کی عورت سے یہ ہارا نہ ہو
بےکس نہ ہو ، بےبس نہ ہو ، لاچار دکھیارا نہ ہو

مجھ سے رضا پا کر اُدھر ، شادی پہ یہ پیارا نہ ہو
واں تک ہمارے جسم کو پتّھر سے چھٹکارا نہ ہو

بھلا ہوا میری دولت لوٹی میں پتھر سے چھوٹی
تجھ ساجن کے مہر دیا سے دکھ مٹکی میری پھوٹی

تاج : ارے ہم خوار ہوئے ، خار ہوئے ، زار ہوئے
اندری راج سے دھرتی تک زار ہوئے

تیرے عشق کی بلا میں گرفتار ہوئے
تیرے موتی کے سبب ، چور گنہگار ہوئے

تجھے ہم دیوی بنا پوجا کو تیار ہوئے
تو کیوں ان پر مر بیٹھی ، ستیاناسی کر بیٹھی

ـــــــارے ہم خوار ہوئے

سب : گانا

کوئی رب کی مرضی کیا جانے
گر جانے تو مولا جانے

جو آفت دینے والا ہے
وہ جانے یا بندہ جانے

کوئی رب کی مرضی کیا جانے

بکاؤلی : جو میں جانوں تو کیا جانے
فرمایا اِندر راجا نے

نور میں نور سما جانے
آدم کو آدم پا جانے

جب رنگ سے رنگ ملا جانے
تب تن سے منگ چھٹا جانے

کوئی رب کی مرضی کیا جانے

تاج : ہائے ہائے یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں ، کیا سن رہا ہوں ۔ افسوس کہ میں آنکھوں سے اندھا ، کانوں سے بہرا کیوں نہیں ہو جاتا ۔

بکاؤلی : نہیں نہیں پیارے ، بد دعا منہ سے نہ نکالو ، پھر دوبارہ آفت میں نہ ڈالو ، میں تم کو آزماتی تھی ، امتحان کے ترازو میں لاتی تھی ، اس پہلی محبت کی ٹٹول لگاتی تھی ۔

تاج : واہ صاحب ! اچھا آزماتی ہو ، کبھی جلّاد ، کبھی مسیحا بن جاتی ہو ، مردے کو زندہ ، زندے کو مردہ کر دکھلاتی ہو ۔

بکاؤلی : میری جان جب تو نے پرستان سے میرا گل چرایا ، دیکھوں تجھے ایک بار ، میرے دل میں آیا ، جب دیکھا تو دل آیا ، بدل اُس کا یہ پایا ، بندی سے ہمیشہ کو پرستان چھڑایا ۔ اب کس کا سوائے تیرے آدھار کروں میں ، اب تیرے سوائے کون جسے پیار کروں میں ۔ تو کیوں رنج کرتا ہے میرے لیے، تو ہے میرے لیے میں ہوں تیرے لیے ۔

تاج : گنہ چھپتا نہیں ، اس کی سزا اک روز پانی ہے
ثبوت اس کا یہی ہم دونوں پر گزری کہانی ہے
اگر میں جانتا پیاری کہ آفت تجھ پہ آنی ہے
مری خاطر وطن چھوٹے یہ قہرِ آسمانی ہے

نہ ہرگز پھانستا تجھ حور کو میں بےخبر پہلے
غضب ہے فکر آگے کی نہیں کرتے بشر پہلے

تو نے احسان جو مجھ پہ چھوڑا ہے
جو عوض اس کا دوں سو تھوڑا ہے

بکاؤلی : تو اب اتنی میری بات مان ، جس کا ہمارے سر پر ہوا احسان ، اُس سے شادی کا ہاتھ ملا ، کر خوشی کا سامان ۔

تاج : کیا ہوا احسان ، جو کوئی کرے شادی کا ارمان ۔

بکاؤلی : اگر تجھ کو یہ شہزادی داؤ میں نہ لاتی ، اور قول کا بیڑا نہ اُٹھاتی ، تو میں پتھر سے تجھ کو کبھی نہ پاتی ۔

تاج : جو تیری رضا ہے وہ میری رضا ، جس میں تو راضی

آس میں میں راضی میرا خدا ۔ (چترا سے)
اے شہزادی! میری گزری ہوئی خطائیں معاف کرو،
دل میری طرف سے صاف کرو ۔

چترا : دل کا جو مطلب تھا سو حاصل ہوا
اس سبب خود صاف میرا دل ہوا

تاج : بندہ تابع دار ہے ، غلامی کو تیار ہے ۔

بکاؤلی : مہاراج تشریف لائیے اور شادی کی خوش وقتی
منائیے ۔

[دونوں کا ہاتھ ملا کر]

مہاراج : خدایا ہمیشہ انھیں ساد رکھنا
چمن ان کا پھولوں سے آباد رکھنا

گانا

سب :
کیا حیلہ پایا غبی نسادی کا
راجہ اِندر گن تیرا خاکی نوری نے پایا

جگ پایا پورا پورا شہنشاہی کا
چھوٹا غم ٹوٹا سنگ پری کا

کیا کھلا اندر بلی کا سر و پا
پیاری راج کنور چتراوت کی چترائی
پھول کھلایا جی کا

ـــــکیا حیلہ پایا

[تمام شد]

فرہنگ

باب پہلا

پردہ پہلا

دسن = (دشن) دانت ۔
کیھل رہو = کیھل رہے ہیں ۔
پڑت ہے = پڑتا ہے ۔
کَسے = جکڑے یا جکڑ لے
(محض قافیہ پیمائی ہے)

پردہ چوتھا

ہردے = دل ۔
چیت دھرو = دھیان دو ۔
انرد = (انردھ) بلاروک ٹوک ۔
پاپ کرنا = برائی کرنا ۔
آدش (آدیش) = سلام ۔
کوٹ = قلعہ ۔
کٹک = فوج ۔
ساجا = ساجنا ، تیاری کرنا ۔
چھترپت (چھترپتی) = چھتر کا
مالک ۔

پردہ پانچواں

تن لاگو لرجن = بدن لرزنے لگا
(کانپنے لگا) ۔

بَیری آیو رے سویرا = صبح
دشمن بن کر آئی ۔

باب دوسرا

پردہ پہلا

پاہو = حقیر انسان ۔
تلیّا = (تال کا اسمِ تصغیر)
چھوٹا تالاب ۔
چَرَن = پاؤں ۔
کَر = ہاتھ ۔
کَر جوڑ = ہاتھ جوڑ کر ۔
باٹ = راستہ ۔
انریت = خلافِ عادت ، رواج کے
خلاف ، بد اطوار ۔
بے چیت = عالمِ بیہوشی میں ۔
نیس دن = رات دن ۔
بِدھنا = اے اللہ !
اِجّت = عزت ۔
سَگری = ساری ، تمام ۔
دھرتی = زمین ۔
مونڈ = سر ۔
چترائی = ہوشیاری ، چالاکی ۔
خدی = ہنسوڑ ۔

کوؤ = کوئی -
میرو من = میرا دل -
گیان = عقل -
دھیان = سمجھ -
(عموماً ''گیان دھیان'' ایک ساتھ مل کر مرکتّب کے طور پر استعمال ہوتے ہیں - یہاں گانے کی ضرورت کے تحت الگ کر دیے گئے ہیں) -
جیرا مورا = میرا جی -
کُندن تَرن = سونے کی رنگت کا جسم -
سُدھ بسرایو = عقل گم کردی -
مَن لبھایو = دل لُبھایا -

پردہ دوسرا

پہَل چھِن = چھِن ، اصل میں چھَن، بمعنی لمحہ - پہَل اور چھَن ہم معنی ہیں - یہ الگ الگ بھی استعمال ہوتے ہیں اور مرکتّب کی صورت میں بھی — پوری ترکیب کے معنی ہوئے لمحہ بہ لمحہ ، ہر وقت -
خبتی (عورتوں کی زبان پر) = خبطی کی بگڑی ہوئی صورت -
اپنے کو چھانٹے = اپنے آپ کو الگ کرے ، خود بری الذمہ ہو جائے -
اٹھکنا = سہارا لینا -

پردہ تیسرا

ڈولت = ڈولتا ہے ، ہلتا ہے ، کانپتا ہے -
چھیڑت = چھیڑتا ہے -

وادیٔ دریا

عرف

بادشاہ خداداد

تبصرہ

سید امتیاز علی تاج مرحوم نے کریم الدین مراد والی جلد کے لیے جو تین ڈرامے منتخب کیے تھے ، وہ ایک ہی ساتھ رکھے ہوئے ملے تھے ۔ ان میں سے دو کا متن اس جلد میں اسی ترتیب سے شامل ہوگیا ہے جس ترتیب سے یہ ڈرامے تصنیف ہوئے تھے [(۱) 'گلستانِ خاندانِ ہامان' : ۱۸۸۵ع - (۲) 'چترا بکاؤلی' : ۱۸۸۷ع] ۔ تیسرا ڈراما 'خدا داد' اس سلسلے کی آخری کڑی ہے ۔ اس متن کو مطبع بھیجنے سے پہلے پڑھا گیا تو شروع ہی کے پانچ صفحوں میں سات جگہ اشعار میں ظریف کا تخلص ملا (پانچ جگہ 'ظریف' اور دو جگہ 'ظریفو') ۔ ظاہر ہے کہ یہ بات الجھن میں ڈالنے والی تھی اور اس الجھن کو دور کیے بغیر ڈرامے کی ترتیب کے کام کو جاری رکھنا کسی طرح بھی مناسب نہیں تھا ۔ اس صورتِ حال سے جو بات فوراً ذہن میں آئی وہ یہ تھی کہ ایک ہی نام سے 'ظریف' اور 'مراد' دونوں نے ڈرامے لکھے اور کاغذات کی الٹ پلٹ میں مراد کا ڈراما کسی اور جگہ رکھا گیا اور ظریف کا لکھا ہوا اسی نام کا ڈراما 'مراد' کے ڈراموں کی فائل میں آ گیا ۔ اس مفروضے کے بعد تاج صاحب مرحوم کے کاغذات میں مراد کے 'خدا داد' کے متن کی تلاش شروع ہوئی ، لیکن وہ متن کہیں نہ ملا ، اور یوں گویا ہمارے پاس 'داد دریا' عرف 'خدا داد' کا

صرف وہ متن رہ گیا جس کے ابتدائی پانچ صفحوں میں ۷ جگہ ظریف کا تخلص آیا تھا۔

اگلی منزل یہ تھی کہ ظریف کے لکھے ہوئے ڈراموں کے متعلق جو جو معلومات اس وقت تک فراہم ہو چکی ہیں اُن میں سے 'خداداد عرف داد دریا' سے تعلق رکھنے والی معلومات کو الگ کر کے اُن پر غور و فکر کے بعد کوئی نتیجہ اخذ کیا جائے۔ ظریف کے متعلق جو باتیں 'ناٹک ساگر' کے مصنّفین نے لکھی ہیں اُن میں ڈاکٹر عبدالعلیم نامی نے خاصا اضافہ کیا ہے۔ 'اُردو تھیئٹر' جلد دوم کے صفحہ ۱۱۸ سے ۱۳۳ تک ظریف اور اُن سے منسوب ڈراموں کے متعلق جو مواد موجود ہے اُس سے ظریف کا مقام معین کرنے میں بڑی حد تک مدد ملتی ہے۔ نامی صاحب کی فراہم کی ہوئی معلومات میں بڑا قیمتی اضافہ اُن چند باتوں سے ہوا ہے جو احسن لکھنؤی نے 'نامۂ احسن' میں سرسری انداز میں حسینی میاں ظریف کے متعلق بیان کی ہیں۔ ان معلومات کا خلاصہ ہمیں 'اُردو کے کلاسکی ڈرامے' کی چوتھی جلد میں مل جاتا ہے، جو ظریف کے ڈراموں کے لیے مخصوص ہے۔ اس جلد کے شروع میں تاج صاحب مرحوم نے حسینی میاں ظریف کے متعلق نامی صاحب اور احسن لکھنؤی کی بیان کی ہوئی باتوں کا تجزیہ کرکے اُن سے کچھ نتیجے نکالے ہیں، جن سے کسی حد تک وہ اُلجھن دور ہوتی ہے جس کا ذکر میں نے اس تبصرے کے شروع میں کیا ہے۔ آئیے، ایک ایک کر کے نامی صاحب، احسن صاحب اور تاج صاحب کی تحریروں کے بعض حصوں پر نظر ڈالیں:

(۱) نامی صاحب نے ظریف کا تعارف ان لفظوں میں کرایا ہے:

"ظریف کا شمار ڈراما نویسوں سے زیادہ نقل نویسوں میں کیا جاتا ہے ۔ ظریف مہتا جمنا داس ، بھگوان داس ، کتب فروس بمبئی کے یہاں ملازم تھے اور پرانے ڈرامے از سرِ نو لکھتے تھے ۔ اُن کے ابتدائی ڈراموں میں نہ ان کا نام ہے اور نہ کسی مطبع کا ، کیونکہ ان کو اور پریس والوں کو کاپی رائٹ کا خطرہ ہر وقت دامن گیر رہتا تھا ۔ چونکہ ظریف ایک کتب فروش کے لیے پرانے ڈراموں کو نئے الفاظ کا جامہ پہناتے تھے اس لیے دنیائے 'اُردو ڈراما' ان کے نام سے ناواقف تھی ۔ دادا بھائی رتن جی ٹھونٹھی فرماتے تھے 'ظریف بھگوان داس کے یہاں ملازم تھا ، تین روپے تنخواہ پاتا تھا' ۔ ہماری کمپنی کے ڈرامے چرا چرا کر لکھتا اور بیچتا تھا' ۔ ممکن ہے اس میں مبالغہ ہو ، لیکن ابھی تک اس کا کوئی ثبوت نہیں ملا ہے کہ اُس نے کسی تھیئٹریکل کمپنی کے لیے کوئی ڈراما لکھا ہو یا اُن کا کوئی ڈراما اسٹیج ہوا ہو" ۔

(اُردو تھیئٹر ، جلد دوم ، صفحہ ۱۱۸)

---

(۲) سید امتیاز علی تاج نے 'ظریف کے ڈرامے' کے مقدمے میں احسن لکھنوی کے 'نامۂ احسن' کی یہ عبارت نقل کی ہے :

"یہ ڈراما نگاری میں سینیر ہیں ۔ ایک پارسی 'خان صاحب' کا نام بھی اُن کے نام کے ساتھ سننے میں آتا ہے ... . جب میرا عنفوان شباب تھا تو یہ بزرگ اسّی سال کے قریب تھے .. .. مسٹر نوروز جی پری کے خاص منشی تھے . . . دو تین روز میں ڈراما لکھ دیتے تھے ۔ اُصولِ

فن سے اس قدر ناواقف تھے کہ جو کچھ لکھتے تھے، وہ خود بھی نہ سمجھتے ....اُن کو محاسنِ ڈراما سے کوئی غرض نہ تھی اس لیے ظریف صاحب کی تصانیف کی تعداد زیادہ ہے، لیکن اُن کے کمال کا ذکر کسی زبان پر نہیں ہے۔ حیات و ممات میں شہرت و مقبولیت سے محروم رہے۔ کسی بڑی کمپنی میں کام نہیں کیا یا بڑی کمپنیوں کے مالکوں نے کام نہیں لیا "۔[1]

(۳) نامی صاحب نے ظریف کے ڈراموں کی جو فہرست دی ہے (اُردو تھیٹر، جلد دوم، صفحات ۱۹ و ۲۰) اُس میں ۲۴ نام ہیں۔ کم و بیش یہی فہرست[2] تاج صاحب نے (تعارف مقدمہ 'ظریف کے ڈرامے' صفحہ ۲۱ تا ۲۴) بھی دی ہے، البتہ فہرست سے پہلے یہ نوٹ لکھا ہے:

"ظریف سے مندرجہ ذیل ڈرامے منسوب ہیں۔ جن ڈراموں کے سنہ طباعت معلوم ہوئے، وہ بھی سامنے لکھ دیے گئے ہیں۔ انھوں نے دوسرے مصنّفین کے جن ڈراموں میں ترمیم کرنے کا دعویٰ کیا ہے، اُن کے ناموں کے ساتھ مصنّفین کے نام اور جو دوسری معلومات حاصل ہوسکیں، وہ بھی درج کر دی گئی ہیں۔"

(۴) نامی صاحب اور تاج صاحب کی فہرستوں میں نمبر ۱۶ پر ایک ہی ڈرامے کا نام ہے، لیکن دونوں کی عرفیت میں

۱۔ 'ظریف کے ڈرامے' مقدمہ، ۱۹۔

۲۔ تاج صاحب کی فہرست میں ۲۴ نام تو وہی ہیں جو نامی صاحب کی مرتّب کی ہوئی فہرست میں، البتہ پچیسواں نام 'چاند بی بی عرف جیسا کرنا ویسا بھرنا' کا ہے۔

اختلاف ہے۔ نامی صاحب نے 'بادشاہ خدا داد عرف وادی دریا' لکھا ہے اور تاج صاحب کی فہرست میں 'بادشاہ خداداد عرف دادِ دریا' چھپا ہے۔ ایک فرق اور بھی ہے اور وہ یہ کہ نامی صاحب کی فہرست میں صرف ڈرامے کا نام ہے۔ تاج صاحب کے یہاں نام کے بعد یہ الفاظ بھی درج ہیں :

"تین ایکٹ اور مجس سین (اصل منظوم ڈراما کریم الدین مراد بریلوی کا ہے)"

(ہ) تاج صاحب نے 'ظریف کے ڈرامے' کا تعارفی مقدمہ ان الفاظ پر ختم کیا ہے :

"اس مجموعے کے لیے ظریف کے تین ڈرامے منتخب کیے گئے ہیں : 'نتیجۂ عصمت عرف رنج و راحت ، یعنی آصف و مہوش' 'گلزار عشق عرف نیرنگِ عشق' اور 'خدا دوست عرف انجام سخاوت' ۔ انھیں ظریف کے طبع زاد ڈرامے صرف اس لیے سمجھا گیا کہ ایک تو ان کے سرورق پر واضح الفاظ میں انھیں ظریف کی تصنیف لکھا گیا ہے ، دوسرے اس نام کے ڈرامے کسی اور ابتدائی ڈراما نویس کی تصانیف کی فہرست میں نظر سے نہیں گزرے ۔ چنانچہ اس بات کا اندیشہ کم ہے کہ ان ڈراموں میں دوسرے ڈراما نویسوں کی تصانیف سے فائدہ اٹھایا گیا ہو ۔"

یہاں جن تحریروں کے اقتباسات پیش کیے گئے، اُن سے واضح طور پر یہ نتائج نکلتے ہیں :

(ا) ظریف کا شمار ڈراما نویسوں سے زیادہ نقل نویسوں میں کیا جاتا تھا ، اس لیے کہ وہ دوسروں کے لکھے ہوئے

پرانے ڈرامے از سرِ نو لکھ کر اُن کے مصنّف بن جاتے تھے -

(ب) اُن پر یہ الزام لگایا گیا ہے کہ ڈرامے دوسروں سے چرا چرا کر لکھتے اور بیچتے تھے اس لیے اُردو کی ڈراما نگاری کی دنیا میں لوگ اُن کے نام تک سے واقف نہ تھے -

(ج) اس بات کا کوئی ثبوت موجود نہیں کہ ظریف نے کسی تھیٹریکل کمپنی کے لیے کوئی ڈراما لکھا ہو یا اُن کا کوئی ڈراما اسٹیج ہوا ہو -

(د) ظریف اُصولِ فن سے قطعاً ناآشنا تھے اور جو کچھ لکھتے تھے اُسے خود بھی نہیں سمجھتے تھے -

(ہ) ظریف کے ڈراموں کے مرتّب نے مجموعے میں شامل کرنے کے لیے جو تین ڈرامے منتخب کیے، اُنھیں صرف اس لیے طبع زاد سمجھا گیا کہ ان کے سرورق پر واضح الفاظ میں ظریف کو مصنّف ظاہر کیا گیا ہے اور اس بات کا اندیشہ کم ہے کہ وہ کسی دوسرے مصنّف کے ہوں -

(و) اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ظریف سے جو ڈرامے منسوب ہیں ، احتمال اور اندیشہ یہی ہے کہ وہ اُن کے نہ ہوں بلکہ کسی نہ کسی دوسرے ڈراما نگار کے ہوں -

مندرجہ بالا حقائق کی موجودگی میں بڑی آسانی سے یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ ظریف سے منسوب ہونے والے اکثر ڈراموں کی طرح 'خدا داد' بھی اصل میں کسی اور کی تصنیف ہے اور ظریف کی دراز دستی نے تھوڑے سے تصرفِ بیجا سے اُس پر قبضہ جما لیا ، لیکن یہ قیاس جب تک قیاسِ غالب اور

یقین کی صورت اختیار نہ کرے حتماً یہ کہنا درست نہیں ہوگا کہ یہ ڈراما کسی اور ڈراما نگار کا اور بالخصوص ایک خاص ڈراما نگار کا ہے ، لیکن زیرِبحث متن کا مراد کے دو ڈراموں کے ساتھ ایک ہی فائل میں رکھا ہونا اور تاج صاحب کی لائبریری میں مراد کے لکھے ہوئے 'خدا داد' کا نہ ہونا اس امکان کی نشان دہی کرتا ہے کہ تاج صاحب مرحوم نے اس متن کو ظریف کا نہیں مراد ہی کا ڈراما سمجھا ہے ۔ اس کی طرف ایک اشارہ تو اُس اندراج میں موجود ہے جو ظریف کے ڈراموں کی فہرست میں شمار نمبر ۱۶ پر ملتا ہے ۔ پورا اندراج یہ ہے :

"بادشاہ خدا داد عرف دادِ دریا : تین ایکٹ اور پچیس سین (اصل منظوم ڈراما کریم الدین مراد بریلوی کا ہے)"

قوسین کی عبارت سے ظاہر ہے کہ اس ڈرامے کے اصل مصنّف ، تاج صاحب کے نزدیک ، مراد بریلوی ہیں ۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اُن کی اس اطلاع کا مأخذ کیا ہے کہ 'اصل منظوم ڈراما کریم الدین مراد بریلوی کا ہے' ۔ اس سلسلے میں دو باتیں سامنے آتی ہیں :

(۱) نامی صاحب نے 'بادشاہ خدا داد' کی جو تفصیل ظریف کے حالات کے تحت بیان کی ، اُس میں کہا گیا ہے کہ :

"اس منظوم ڈرامے میں چوبیس جگہ ظریف تخلص آیا ہے ۔ یہ تین ایکٹ اور پچیس سین پر مشتمل ہے ۔ اس کے سر ورق پر مندرجہ ذیل رباعی درج ہے :

از سرِ نو تماشا یہ تصنیف
کہ خدا داد کا کیا ہے ظریف

چھاپے ہے اس کو مہتا جمنا داس
کہ دیکھو ہے قابلِ تعریف

تاج صاحب نے 'ظریف کے ڈرامے' کے تعارف دیباچے میں یہ دو شعر (جنھیں معلوم نہیں کیوں رباعی کہہ دیا گیا ہے) نقل کیے ہیں اور ان پر یہ تبصرہ کیا ہے :

"ڈراما خدا داد بقول منشی مہدی حسن احسن، کریم الدین مراد بریلوی کی تصنیف ہے ۔ معلوم نہ ہوسکا کہ ظریف نے کریم الدین مراد کے لکھے ہوئے کھیل کو دوبارہ لکھا یا کسی اور مصنّف کے کھیل کو جسے کریم الدین سے بھی از سرِ نو لکھوایا گیا تھا ۔ بہرحال اس کے نظم و نثر میں عیوب کم ہیں ، لیکن کئی غزلوں کے مقطعے، جن میں 'ظریف نے اپنا تخلص داخل کیا ہے ، ساقط الوزن یا بہت بھونڈے ہیں ۔ ایک غزل کا مطلع ہے :

حیراں ہوں کروں ظلم بیاں کس سے پدر کا
بہکانے سے دشمن بنا والد ہے پسر کا

اس غزل کے سارے اشعار موزوں ہیں مگر مقطعے کا یہ عالم ہے :

کیوں مجھ سے عداوت ہے وزیر اظلم کو
رہنا ظریف اچھا نہیں بالکل مرے گھر کا

اسی طرح اس ڈرامے کی ایک دوسری غزل کا مطلع ہے :

میں خود اپنے دشمن کو پہچانتا ہوں
نہیں مجھ سے پوشیدہ ہے ، جانتا ہوں

اور ظریف کو اس غزل کے مقطعے کی صورت یہ بنانے کے
سوا چارہ نظر نہ آیا :

ظریفو نہیں کچھ خطا بادشہ کی
مگر میرے حاسد کو میں مانتا ہوں"

(ظریف کے ڈرامے، صفحہ ۱۰ - ۱۱)

اس تبصرے سے یہ بات مترشح ہے کہ تاج صاحب ڈراما 'خدا داد' کو اِس کے باوجود کہ اُس میں ہر جگہ ظریف کا تخلص آیا ہے ، ظریف کا ڈراما نہیں سمجھتے ۔ ظریف کے اس اعتراف سے کہ اسے از سرِ نو لکھا گیا ہے ، اس قیاس کو تقویت پہنچتی ہے کہ ظریف نے مراد کے ڈرامے کی گت بنائی ہے -

زیرِ بحث متن کو تاج صاحب مرحوم مراد ہی کا لکھا ہوا سمجھتے تھے۔ اس کی وضاحت اُس دوسری بات سے ہوتی ہے جس کی طرف میں نے ابھی اشارہ کیا اور جس کی تفصیل ذیل میں بیان کر رہا ہوں -

(۲) اس دوسری بات کی تفصیل بڑی دلچسپ ہے - تاج صاحب مرحوم نے اُردو کے اسٹیج ڈرامے کی گم شدہ کڑیوں کو جوڑ کر کلاسیکی ڈرامے کی ترتیب اور اشاعت کا منصوبہ بنایا تو ڈراموں کے متن مہیا کرنے کا مرحلہ آیا ۔ اس کام کی تکمیل میں جو جو دشواریاں پیش آئیں ، اُن کا ذکر تاج صاحب نے اپنی تحریروں میں جابجا کیا ہے۔ ان تحریروں کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ بعض اصحاب نے ڈراموں کی فراہمی کے سلسلے میں بڑی کاوش کی ۔ نائب حسین نقوی صاحب کا نام یہ ہفت خواں طے کرنے والوں میں سر فہرست آتا ہے - یہی

صاحب ہیں جن کی مدد سے 'خورشید' کا متن حاصل ہوا ۔ بعض دوسرے متون کی فراہمی میں بھی نقوی صاحب کی مساعی کو بڑا دخل ہے ۔ یہ متون زیادہ تر ہندوستان کے اُن شہروں میں بکھرے ہوئے تھے جہاں اسٹیج کے ڈرامے کھیلنے کا رواج زیادہ تھا ۔ ان شہروں میں سب سے اہم نام بمبئی کا ہے ۔ نقوی صاحب نے کئی قیمتی مسودات بمبئی جا کر حاصل کیے ۔

تاج صاحب کے کاغذات میں ایسے خط محفوظ ہیں جو نقوی صاحب نے تاج صاحب کو اور تاج صاحب نے نقوی صاحب کو ڈراموں کے متون کے سلسلے میں لکھے ۔ ان خطوں میں سے دو میں مراد کے ڈرامے 'خدا داد' کا ذکر آیا ہے ۔ ۲ - اپریل ۱۹٦۸ع کو نقوی صاحب نے لکھنؤ سے ایک خط لکھا ہے ، اِس میں ڈراما 'خداداد' کے متعلق یہ جملہ آیا ہے : "خدا داد ڈرامہ تو میں آپ کو پیش کر چکا ہوں" ۔ اس جملے سے یہ پتا نہیں چلتا کہ جس 'خدا داد' کا ذکر یہاں آیا ہے وہ ظریف کا ہے یا مراد کا ۔ لیکن تاج صاحب کے کاغذات میں ایک یاد داشت ملی ہے ، جہاں اُن ڈراموں کے نام درج ہیں جن کی اُنھیں تلاش ہے ۔ ان ناموں میں مراد کے 'خدا داد' کا نام بھی ہے ۔ اس طرح یہ بات تو واضح ہو جاتی ہے کہ تاج صاحب کو جس 'خدا داد' کی ضرورت ہے وہ ظریف کا نہیں ، مراد کا ہے ، اس لیے نقوی صاحب کے اس جملے سے یہی مطلب نکلتا ہے کہ اُنھوں نے مراد کا لکھا ہوا 'خدا داد' تاج صاحب کو بھیجا ہے ۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اگر وہ بھیجا گیا تو کہاں چلا گیا ۔ اس سوال کا جواب اُس خط میں ہے جو تاج صاحب نے ۱۰ - مئی ۱۹٦۸ع کو نقوی صاحب کے نام لکھا ۔ اس خط کی

نقل کاغدات میں موجود ہے ۔ اس خط میں تاج صاحب لکھتے ہیں :

"آپ نے مجھے جو 'خدا داد' دیا تھا ، وہ متن نہیں تھا بلکہ صرف اُس ڈرامے کے گانے تھے ۔ مجھے مراد کا لکھا ہوا مکمل ڈراما 'خدا داد' چاہیے ۔ اگر وہ نہ مل سکے تو پھر مراد کا دوسرا کھیل 'غنچۂ عشق' تلاش کرنا ہے"۔

اس عبارت سے پتا چلا کہ تاج صاحب کو مراد کے ڈرامے 'خدا داد' کے گانے تو مل گئے ، لیکن مکمل ڈراما نہیں ملا ۔ اس کے بعد اُنھوں نے مراد کے لکھے ہوئے گانوں کا مقابلہ اُن گانوں سے کیا جو ظریف کے 'خدا داد' میں چھپے تھے ۔ اس مقابلے سے یہ بات سامنے آئی کہ ظریف کے 'خدا داد' اور مراد کے 'خدا داد' کے گانوں میں کوئی فرق نہیں ، بجز اس کے کہ گانوں میں ظریف نے جابجا اپنا نام داخل کر دیا اور مراد کے شعر کی صورت میں مسخ کر کے اُسے اپنا بنا لیا ۔ تاج صاحب کی یاد داشتوں میں اُن کے ہاتھ کے لکھے ہوئے دو صفحے ملے ہیں ، جن میں ظریف اور مراد کے مصرعے اور شعر اوپر نیچے لکھے ہوئے ہیں ۔ ان دونوں صفحوں کے مندرجات قارئین کی دلچسپی کے لیے ذیل میں درج کیے جا رہے ہیں :

ظریف : ظریفو نہیں کچھ خطا بادشاہ کی

مراد : مراد اس میں کیا ہے خطا بادشاہ کی

ظریف : وزیر شہزادے کے ظریفو ہے درپۂ آزار ہوا

مراد : وزیر شہزادے کے دیکھو ہے درپۂ آزار ہوا

ظریف : آخر ظریف زادہ ، پاک کردگار

مراد : آخر مراد وہ ہے ، پاک کردگار

ظریف : ہے ظریفِ حزیں کی زبانی

مراد : ہے مرادِ حزیں کی زبانی

ظریف : ظریف زار مرنا ہوں ، پسر کو یاد کرتا ہوں

مراد : مراد زار مرتا ہوں ، پسر کو یاد کرتا ہوں

ظریف : رام گئی ہوں اس بت کے مذہب سے کیا کام
طریف عشق کی کافر ہوں میں ترک کروں اسلام

مراد : رام گئی اس بت کی میں ، مذہب سے کیا کام
عشق کی خاطر کافر ہوں میں ، ترک کروں اسلام

ظریف : گر نہیں ملتا خدا داد اے ظریف

مراد : گر نہیں ملتا خدا داد اے مراد

ظریف : ظریف کیونکر خشک نہ ہو گلزارِ جہاں میں نخلِ مراد

مراد : کیونکر خشک نہ ہو گلزار جہاں میں نخلِ مراد

ظریف : امرِ خدا سے تو چارہ نہیں—— اے ظریف حزیں

مراد : امرِ خدا سے تو چارہ نہیں—— اے مراد حزیں

ظریف : کٹنی کے گھر سے مجھ کو رہا کیجیے ظریف

مراد : کٹنی کے گھر سے مجھ کو رہا کیجیے مراد

ظریف : داس جریف کا مانو کہا

مراد : داس مراد کا مانو کہا

ظریف : ہر کی دیا سے جریف بچھاؤ

مراد : ہر کی دیا سے مراد بجھاؤ
ظریف : دل میں ظریف بحرِ محبت ہے جوش زن
مراد : دل میں مراد بحرِ محبت ہے جوش زن
ظریف : گر نہیں ملتا خجستانی خدا داد اے ظریف
مراد : گر نہیں ملتا خجستانی خداداد اے مراد

ظریف نے اکثر جگہ تو صرف یہ کیا ہے کہ مراد کا نام ہٹا کر اپنا نام لکھ دیا اور مصرعے میں کسی طرح کی تبدیلی نہیں کی ، لیکن کہیں کہیں لفظوں میں اُلٹ پلٹ کی ہے ؛ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جہاں صرف نام بدلا گیا اور دوسرے لفظوں کو نہیں چھیڑا گیا وہاں مصرع موزوں رہا ، اور جن مصرعوں میں لفظوں سے چھیڑ چھاڑ کی گئی وہاں کوئی نہ کوئی بھونڈا پن پیدا ہوگیا - یہی بات ہے جس کا ذکر تاج صاحب نے بڑی بیزاری کے ساتھ ظریف کے ڈراموں والی جلد کے دیباچے میں کیا ہے -

تاج صاحب نے ظریف اور مراد کے مصرعوں اور شعروں کو ایک دوسرے کے مقابل رکھ کر اپنے اس قیاس کو تقویت دی ہے کہ ظریف کا جو متن اُن کے پاس موجود ہے وہ در حقیقت مراد کا ہے ، اس لیے اُسے مراد ہی کے ڈراموں کے ساتھ شاملِ اشاعت ہونا چاہیے - اس ضمن میں ایک بات میں نے بھی محسوس کی ہے جو میرے نزدیک توجہ طلب ہے ؛ ظریف اور مراد کے جو مصرعے اور شعر تاج صاحب کی یادداشتوں سے ابھی نقل کیے گئے، اُن میں ظریف کا ایک مصرع یوں ہے :

ظریف کیونکر خشک نہ ہو گلزارِ جہاں میں نخل مراد

اس مصرعے کے ساتھ مراد کا جو مصرع لکھا گیا ہے اُس کی صورت یہ ہے :

کیوں کر خشک نہ ہو گلزارِ جہاں میں نخل مراد

اس مصرعے میں مجھے 'مراد' کا لفظ ڈراما نگار مراد کا تخلص معلوم ہوتا ہے ، جسے اُس نے بڑی خوبصورتی سے مصرعے میں استعمال کیا ہے ۔ ظریف نے یہ بات محسوس نہیں کی ورنہ وہ مراد کی جگہ ظریف لکھ کر کام چلا لیتے ۔ یہ شعر ڈرامے کے متن میں جس جگہ آیا ہے وہاں اسے مقطع ہونا چاہیے ۔ ظریف کے خیال میں مراد چونکہ اس موقع پر تخلص استعمال نہ کر کے ایک طرح کی کوتاہی یا تقصیر کے مرتکب ہوئے اس لیے ضروری تھا کہ اس میں تخلص لایا جائے ، چنانچہ اُنھوں نے مراد کے مصرعے کے شروع میں اپنا تخلص داخل کر کے اس کمی کو پورا کردیا ۔

اب تک جتنی باتوں نے اس قیاس کو یقین بننے میں مدد دی ہے کہ زیر بحث متن اصل میں مراد کی تصنیف ہے ، اُن میں اگر اس آخری بات کو بھی شامل کر لیا جائے ، تو اس قیاس کو مزید تقویت حاصل ہوتی ہے ۔

'خدا داد' کو مراد کی جلد میں شامل کرنے کے جواز میں میں نے جو طویل بحث کی ہے ، اُس کے بعد ڈرامے کا ادبی اور فنی تجزیہ ضروری ہے ، اور یہ تجزیہ گویا ظریف کے ڈرامے کا نہیں ، مراد کے ڈرامے کا ہوگا ۔ لیکن کام کے اس حصے کی طرف توجہ کرنے سے پہلے میں چند ضروری اشارے کرنا چاہتا ہوں :

(۱) نامی صاحب نے ظریف کے 'خدا داد' کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس میں ۲۴ مرتبہ ظریف کا تخلص آیا ہے - زیر بحث متن کے مطالعے سے اس بیان کی تصدیق ہوتی ہے، لیکن اس بات کی صراحت ضروری ہے کہ مصرعوں میں ظریف نے بیس مرتبہ "ظریف" استعمال کیا ہے، دو جگہ "ظریفو" اور دو جگہ "جریف" -

(۲) تاج صاحب نے جن دو صفحوں پر ظریف اور مراد کے مصرعے اور سعر سانھ سانھ لکھے ہیں، آن میں ہر مصرعے اور سعر کے آگے متن کے صفحے کا سمار درج ہے - یہ سب اندراجات زیر ترسیب متن کے صفحات پر نڑے ہوئے صفحوں کے مطابق ہیں -

(۳) نامی صاحب نے ظریف کے 'خدا داد' کے پلاٹ کا جو حلاصہ ظریف کے حالات کے تحت (صفحات ۱۲۰، ۱۲۱ اردو تھیٹر، جلد دوم) لکھا ہے، وہ لفظ بہ لفظ زیر ترتیب ڈرامے کے پلاٹ کا خلاصہ ہے -

(۴) نامی صاحب اور تاج صاحب نے لکھا ہے کہ ڈرامے میں تین ایکٹ اور ۲۵ سین ہیں - زیر ترتیب متن میں ہی صورت ہے - کل ۲۵ سین ہیں، ۱۲ پہلے ایکٹ میں، ۱۰ دوسرے میں اور ۳ تیسرے میں -

(۵) اب ایک آخری بات ڈرامے کے نام کے متعلق؛ نامی صاحب نے ظریف کے ڈراموں کی فہرست میں اس ڈرامے کا نام 'بادساہ خداداد، عرف وادیٔ دریا' لکھا ہے - مراد کے ڈراموں کی فہرست میں صرف 'خدا داد' لکھا ہے - تاج صاحب نے ظریف کے ڈراموں کی جو فہرست مرتب کی ہے اس میں

بھی نامی صاحب کی فہرست کی طرح 'خدا داد' کا نام سولھویں نمبر پر آتا ہے لیکن نام 'بادشاہ خدا داد عرف دادِ دریا' درج ہے۔ گویا اس نام میں 'وادیٔ دریا' کے بجائے 'داد دریا' ہے۔ یہ فرق معلوم نہیں کیسے پیدا ہوا۔ زیر ترتیب متن کا جو مسودہ تاج صاحب کی مرتّب کردہ فائل میں رکھا ہوا ملا ہے اُس میں نام پہلے اس طرح لکھا ہوا تھا 'وادیٔ دریا عرف بادشاہ خدا داد' یعنی یہاں 'نام' اور 'عرف' کی صورت تو وہی ہے جو نامی صاحب کے لکھے ہوئے نام کے دونوں اجزا میں ہے، البتہ ان کی جگہ بدلی ہوئی ہے، عرفیت اصل نام بن گئی اور اصل نام عرفیت کی جگہ چلا گیا۔ اس اُلٹ پھیر میں بظاہر کوئی مضائقہ نہیں اس لیے نقل کرنے والے کی بے توجہی کا نتیجہ سمجھ کر نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس کے علاوہ ایک اور بات بھی ہوئی ہے؛ تاج صاحب نے نقل شدہ مسودے میں 'وادیٔ دریا' کو کاٹ کر 'دادِ دریا' کر دیا ہے۔ تلاش کے باوجود میں اس تبدیلی کی وجہ دریافت نہیں کر سکا اس لیے 'دادِ دریا' کو 'وادیٔ دریا' کر کے نامی صاحب کے لکھے ہوئے نام کو بحال کردیا ہے۔ اب یہ ڈراما اسی نام سے مجموعے میں شامل کیا جا رہا ہے۔

اس نتیجے تک پہنچنے کے بعد کہ 'خدا داد' کا جو متن ڈراموں کی اس جلد میں شامل کیا جا رہا ہے اُس کے اصل مصنّف مراد بریلوی ہیں، اس کا ادبی اور فنی تجزیہ کیا جائے تو اس کے جملہ محاسن و قبائح کا ذمہ‌دار مراد ہی کو ٹھہرایا جانا چاہیے، لیکن اُن حالات پر نظر ڈالی جائے جس میں ہمارے

قدیم ڈرامے مرتّب و مدون ہوتے تھے تو یہ فیصلہ کرنا دشوار ہو جاتا ہے کہ ڈرامے کی اچھائیوں اور برائیوں میں سے کون کون سی ایسی ہیں جن کی ڈرامے میں موجودگی کی ذمہداری اصل مصنّف پر عائد ہوتی ہے۔ اِندر سبھا اور اُس کے زیر اثر وجود میں آنے والے ناٹکوں اور بنگال کے اِکا دُکا ڈراموں کو چھوڑ کر، اُردو میں اسٹیج کے ڈرامے کی پیدائش اور پرورش کا گہوارہ بمبئی ہے۔ پارسیوں نے کچھ تو اس صنف سے اپنے لگاؤ کی بنا پر شوقیہ اس صنفِ ادب کو اپنی دلچسپی اور توجہ کا مرکز بنایا اور بہت کچھ اپنی کاروباری ذہانت سے اس کے لیے نشو و نما اور ترقی کے مواقع فراہم کیے۔ پارسیوں نے ڈرامے خود بھی لکھے اور دوسروں سے بھی لکھوائے اور اُردو بولنے اور سمجھنے اور گجراتی بولنے والوں کے لیے بہ یک وقت ڈرامے لکھے، لکھوائے اور اسٹیج پر پیش کیے۔

تصنیف و تالیف کے اس دو طرفہ عمل اور سرگرمی کا یہ اثر ہوا کہ جو ڈراما پہلے گجراتی میں لکھا جاتا، وہ فوراً ہی اُردو میں بھی منتقل کر دیا جاتا، اور اسی طرح جو ڈراما پہلے اُردو میں لکھا جاتا اُس کا ایک متن گجراتی میں بھی تیار ہو جاتا۔ پھر یہ بھی ہوتا کہ اُردو کا ایک ہی ڈراما دو بدلی ہوئی صورتوں میں گجراتی میں منتقل ہوتا اور گجراتی کا ڈراما اُردو میں دو مختلف پیکر اختیار کرتا۔ اور پھر یہ بھی ہوتا کہ اُردو کا ڈراما گجراتی میں جانے کے بعد اور گجراتی کا ڈراما اُردو میں منتقل ہونے کے بعد پھر اپنے اصل کی طرف لوٹتا۔

مختصر یہ کہ اُردو کے اسٹیج ڈرامے کے اُس دور میں، جسے متقدمین کا دور کہا جاتا ہے، جتنے ڈرامے لکھے گئے اُن میں سے شاید ہی کوئی ایسا ہو جو آواگون کے مختلف

مرحلوں سے نہ گزرا ہو اور ان مرحلوں کے بعد اُس کی اصل صورت میں تبدیلیاں نہ آئی ہوں - یہی وجہ ہے کہ اُردو کے قدیم ڈراموں کا مطالعہ کرتے وقت پڑھنے والوں کو اُن میں زبان کی ایسی غلطیاں ملتی ہیں جن کا کسی ایسے ادیب کی تحریر میں ہونا کسی طرح بھی قرین قیاس نہیں جس کی مادری زبان اُردو ہو اور جس کی عمر کا بشتر حصہ بنارس ، بریلی اور لکھنؤ جیسے شہروں میں رہ کر گزرا ہو - اسی لیے ان قدیم ڈراموں میں اگر ایسی باتیں ملیں جو اُردو کے عام محاورے ، روزمرہ اور قواعد کے خلاف ہوں تو عموماً یہی نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ ان کا ذمہ دار اصل مصنّف نہیں ، اور وہ یا توگجراتی کے راستے متن میں داخل ہوئی ہیں یا اُس لاپروائی کا نتیجہ ہیں جو اُس زمانے میں ڈرامے مرتّب کرنے اور چھاپنے والوں کا معمول تھا -

'خداداد' کی زبان اور بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے یہی بات میرے پیش نظر ہے - جس طرح کی غلطیاں متن میں شروع سے آخر تک موجود ہیں ، اُن کی تفصیل بیان کرنے کے بعد ڈرامے کے فنی پہلوؤں کی طرف توجہ کی جائے گی اور حقیقت میں یہی پہلو ہے جس کے مطالعے کے بعد اس بات کا اندازہ کرنا ممکن ہوگا کہ بہ حیثیت ڈراما نگار ، مراد کی مقبولیت کے اسباب کیا ہیں -

'خدا داد' کے متن میں زبان کی جو غلطیاں بڑے تواتر کے ساتھ آتی چلی جاتی ہیں ، اُن میں سے چند یہ ہیں :

(۱) پہلے باب کے دوسرے منظر کے آخر میں یہ شعر آیا ہے :

کر کے اظلم وزیر یہ بیداد
یوں خدا داد کو کیا برباد

اس کی نثر ہوگی ''اظلم وزیر یہ بیداد کرکے خدا داد کو یوں برباد کیا'' یہاں فاعل کے ساتھ 'نے' کی کمی بری طرح کھٹکتی ہے، لیکن یہ غلطی اس قسم کی ہے جس کا اعادہ متن میں ۱۰۹ جگہ ہوا ہے ۔ مثال کے طور پر چند جملے دیکھ لیجیے :

ع : اللہ تجھے بھائی سردار بنایا ہے

ع : یہ احوال اپنا لکھا ہے جوان

ع : میں دیکھی ہی شکل تھی خواب میں

ع : خدا میری مشکل کو آسان کیا

اے یار ! تو کہیں دیکھا ہو تو بتا دے

توبہ میں کیا کہا ، وہ تو دریا میں مر گئی

(۲) تذکیر و تانیث کی غلطیاں بھی متن میں بہت سی ہیں ، مثلاً :

ع : کشتیٔ تن تیرا ہوگا بے نشاں

ع : ڈال ڈال دی ہے ڈال ، دریا اندر ہم نے جال

ع : خدا داد ، اپنے بیٹے پر ستم ہم نے گزاری ہے

ع : جدا سر کرنا چاہتا تھا ، کیا اُس نے فراری ہے

ع : جو خواب میں دیکھی تھی وہ دلدار یہی ہے

۳ ۔ فعل متعدی کے زمانۂ ماضی کی مطابقت مفعول کے بجائے فاعل کے ساتھ ۔ مثلاً :

تم کیا فائدہ حاصل کیے ہو ؟

ع : دشمن مرے ہوئے ، جا باپ سے کہے

- ہم کما کیا محنت کیے ہیں ۔
- (ہم) خدا داد گم شدہ کا پتہ نہ پائے ۔
- آپ پہلے کہے ۔
- دریا میں صندوق بہہ کے آیا ، ہم نے پائے ۔
- حکیم جی فرمائے ۔
- ہم دخترِ خورد سال کو بادشاہِ ہمدان کے حوالے کیے تھے

(۴) 'ہے' کے بجائے ''ہے گا'' کا استعمال :

ع : گنج بھرا صندوق میں ہے گا

ع : یہ افغان کے شہ کا ہے گا پسر

ع : سیکڑوں محبوب مجھ پر مرتے ہیں گے ماہرو

ع : سناؤ نام کیا ہے گا تمھارا

(۵) ''اس'' کے بجائے ''یہ'' کا استعمال ، اور ''اُس'' کے بجائے ''وہ'' کا استعمال :

''یہ خستہ دل کو ، یہ صندوق کو ، یہ لڑکی کو ، یہ چھوکری کو ، یہ بی بی کو دیکھ ، دریا سے یہ صحرا میں لایا ، وہ موذی کو'' وغیرہ ۔

(۶) 'آپ' کے ساتھ فعل میں 'ہیں' کے بجائے 'ہو' کا استعمال ۔ مثلاً :

آپ جانتی ہو اور آپ فرماتے ہو وغیرہ ۔

اسی طرح کی اور کئی غلطیاں بھی متن میں موجود ہیں ۔ مثال کے طور پر چند جملے یہ ہیں :

- ہم روٹیاں کھا کے آنے تک ، یعنی ہمارے روٹیاں کھا کے آنے تک ۔
- مبں یاد کرتے ہی ، یعنی میرے یاد کرتے ہی ۔
- تم بھی جانا چاہیے ، یعنی تم کو بھی جانا چاہیے ۔
- نہیں کھانے ملے گا ، یعنی نہیں کھانے کو ملے گا ۔
- اب نو دبلا ہو چلا جانا ہوں (''ہونا چلا جاتا ہوں'' کی جگہ) ۔
- میرے حاسد کو پہچانتا ہوں (اپنے حاسد کو . ...) ۔
- حکم خدا سوا (حکم خدا کے سوا ، کی جگہ) ۔

اوپر زبان و بیان کی جن عام غلطوں کی طرف اشارہ کیا گیا ، ظاہر ہے کہ انھیں مراد سے منسوب نہیں کیا جا سکتا ۔ یہی بات متن میں آنے والے اُن شعروں کے متعلق بھی کہی جا سکتی ہے جن میں سے کچھ ناموزوں ہیں ، کچھ میں لفظی اور معنوی تعقیدیں ہیں ، کچھ میں قافیے غلط ہیں اور کچھ میں لفظوں کا تلفظ ۔ اس طرح کی غلطیاں صرف اسی ڈرامے کے لیے مخصوص نہیں ہیں بلکہ بمبئی میں چھپنے والے کم و بیش سب ڈراموں میں ملتی ہیں اور اس کے اسباب وہی ہیں جن کا ابھی زبان و بیان کی غلطیوں کے سلسلے میں ذکر کیا گیا ہے ۔ متن کا باربار اردو سے گجراتی اور گجراتی سے اردو میں منتقل ہونا ، ایک ڈراما نگار کے لکھے ہوئے ڈرامے پر کسی دوسرے ڈراما نگار کی دست اندازی اور دست درازی ، چھاپہ خانوں میں

کتابت اور طباعت میں صحت کے اہتمام کا فقدان ، چند ایسی چیزیں ہیں کہ قدیم دور کے کسی ڈرامے کے متن کو قابلِ اعتماد نہیں کہا جا سکتا اور اس کی خرابیوں کا ذمہ دار اس ڈراما نگار کو نہیں ٹھہرایا جا سکتا جس سے یہ ڈراما منسوب ہے -

جہاں تک ڈراما 'خداداد' کا تعلق ہے ، اس کے اشعار میں جو طرح طرح کی غلطیاں ہیں ، مراد کو اُن کا ذمہ دار ٹھہرانا اس لیے بھی درست نہیں کہ اُن کے دوسرے ڈراموں کے مطالعے سے یہ بات سامنے آ چکی ہے کہ وہ سیدھی سادھی ، آسان زبان میں بے تکلفی سے شعر کہنے پر قدرت رکھتے ہیں - خود 'خدا داد' میں بھی ایسے شعروں کی کمی نہیں جو ہر طرح کے عیب سے خالی ہیں ، بلکہ ان شعروں میں کچھ تو یقیناً ایسے بھی ہیں جن میں کسی نہ کسی طرح کا شاعرانہ لطف بھی موجود ہے -

نثر اور نظم میں نظر آنے والی مختلف قسم کی غلطیوں سے قطعِ نظر 'خدا داد' کا فنی اعتبار سے جائزہ لیا جائے تو اس میں کئی خوبیاں نظر آئیں گی - ان خوبیوں میں سب سے اہم تو یقیناً یہ خوبی ہے کہ ڈرامے کی دلچسپی پہلے منظر سے شروع ہوتی ہے تو آخری منظر تک قائم رہتی ہے - دلچسپی قائم رکھنے کے لیے ڈراما نگار نے جہاں ایک طرف واقعات میں ایسی ترتیب پیدا کی ہے اور واقعات میں تذبذب کے لمحات کو بار بار اس طرح اُبھارا ہے کہ دیکھنے والوں کے ذوقِ تجسس کی تحریک جاری رہتی ہے ، بعض باتیں اور بھی کی ہیں -

'خدا داد' کا نام ظریف کے ڈراموں کی فہرست میں لکھتے ہوئے تاج صاحب نے اسے مراد کے ایک "غنائیہ" ہر

مبنی بتایا ہے۔گویا اُن کے نزدیک زیر بحث ڈراما ''غنائیہ'' ہے۔ میں نام میں تھوڑی سی ترمیم کر کے اسے 'غنائی طربیہ' کہہ رہا ہوں اور ایسا کہنے کی وجہ یہ ہے کہ 'خدا داد' میں ڈراما نگار نے نثر سے بھی اتنا زیادہ کام لیا ہے کہ اسے خالصۃً 'غنائیہ' کہنا درست نہیں معلوم ہوتا ۔ اس کے علاوہ ایک خاص بات یہ ہے کہ ناظرین کی دلچسپی کے لیے مکالموں میں شروع سے آخر تک مزاح کی فضا پیدا کرنے اور قائم رکھنے کی طرف پوری توجہ دی گئی ہے ۔ یوں گویا 'خدا داد' کی دلچسپی ایک تو گانوں کی وجہ سے ہے ، دوسرے اُس کے مزاحیہ پہلو کی وجہ سے اور یہی دونوں چیزیں ہیں جن کا مطالعہ کر کے مراد کی فنی سوجھ بوجھ اور اُن کی ڈرامائی صلاحیت کا اندازہ ہوتا ہے ۔ آئیے ایک ایک کر کے ان دونوں پہلوؤں کا جائزہ لیں ۔ پہلے اس کے غنائی رخ پر نظر ڈالیے ۔

پہلے باب میں ۱۲ منظر ہیں ۔ پہلے منظر میں ایک کردار (خداداد) اسٹیج پر آتا ہے اور دو غزلیں گا کر چلا جاتا ہے ۔ ڈراما نگار نے دونوں غزلوں کے شروع میں اُن کی دُھن بھی بتائی ہے اور طرز بھی ۔ دوسرے منظر میں چند سپاہی اسٹیج پر آتے ہیں ، اُن کے ساتھ ایک مسخرا بھی ہے ۔ سپاہیوں کا سردار دی ہوئی طرز کے مطابق ایک گانا گاتا ہے ، مسخرا دخل در معقولات کرتا رہتا ہے اور سب گاتے ہوئے اسٹیج سے نکل جاتے ہیں ۔ تیسرے منظر میں کچھ ماہی گیر گاتے ہوئے اسٹیج پر داخل ہوتے ہیں ۔ گانا ختم کر کے وہ جال لیے ہوئے آگے بڑھتے ہیں اور پھر مل کر ایک گانا گاتے ہیں ۔ اتنے میں طوفان میں گھرا ہوا ایک جہاز نظر آتا ہے اور ماہی گیر گھبرا کر ایک گانا گاتے ہیں ۔ جہاز پھٹ جاتا ہے تو وہ دوسرا گانا گاتے

ہیں ۔ ایک ماہی گیر لڑکا دریا میں جال پھینکتا ہے اور ساتھ ہی گانا گاتا ہے ۔ اس پر سردار ماہی گیر خفا ہوکر ایک گانا گاتا ہے ۔ اس سے ڈر کر لڑکا ایک گانا اور گاتا ہے اور بھاگنے کا ارادہ کرتا ہے ۔ اتنے میں خداداد دریا میں سے نکل کر باہر آتا ہے اور ایک غزل گاتا ہے ۔ پھر تحت اللفظ میں ایک خمسہ پڑھتا ہے اور غش کھا کر زمین پر گر جاتا ہے ۔ ماہی گیروں کا سردار اسٹیج پر آتا ہے اور ایک غزل گاتا ہے ۔ خدا داد ہوش میں آتا ہے اور مسدس کے دو بند گاتا ہے ۔ مہیار دو شعروں میں خدا داد سے بات کرتا ہے اور دونوں چلے جاتے ہیں ۔ ماہی گیر جال کھینچتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں ۔ جال کھینچتے ہوئے وہ کورس کے انداز میں گاتے ہیں ۔ پہلا ، دوسرا اور تیسرا ماہی گیر ایک ایک مصرع گاتے ہیں اور سب ماہی گیر مل کر ایک ہی بول کو تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد تین مرتبہ دہراتے ہیں ۔ چوتھے پردے میں ماہی گیر ایک ایک مصرع گا کر ایک گانا مکمل کرتے ہیں اور اسٹیج سے چلے جاتے ہیں ۔ پانچویں منظر میں کئی گانے ہیں ؛ ایک خدا داد کا ، ایک مہیار کا ، ایک سب ماہی گیروں کا ، پھر دو گانے خدا داد کے ۔ اس کے بعد مہیار اور ماہی گیر مصرعوں میں باتیں کرتے ہیں ، پھر خدا داد دو گانے گاتا ہے ، ایک مسدس ہے اور ایک غزل ۔ چھٹا منظر مختصر ہے ۔ اس میں ایک لمبی سی غزل فیروز شاہ گاتا ہے اور مر جاتا ہے ۔ ساتویں منظر میں کامدین اور کرمن اور مسخرا اسٹیج پر آتے ہیں اور گانا گاتے ہوئے باہر نکل جاتے ہیں ۔

جن سات منظروں کے گانوں کی تفصیل بیان کی گئی ہے اُن کا مختلف پہلوؤں سے تجزیہ کیا جائے تو مندرجہ ذیل نتائج اخذ کیے جا سکتے ہیں :

۱ - ان سات منظروں میں گائے جانے والے گانوں کی تعداد ۲۵ ہے -

۲ - کردار جتنی باتیں گانے کے پیرائے میں پیش کرتے ہیں وہ سب ایسی ہیں کہ ان کے بیان سے قصے کے مختلف واقعات سامنے آتے ہیں - اس طرح قصہ بھی آگے بڑھتا رہتا ہے اور کرداروں کے متعلق تمام ضروری کوائف کا علم بھی تماشائی کو ہوتا رہتا ہے - گانوں سے کہانی کے بہاؤ میں کسی طرح کی رکاوٹ پیدا نہیں ہوتی اور وہ بڑی اچھی رفتار سے ارتقا کی منزلیں طے کرتی رہتی ہے -

۳ - ڈراما نگار کی کوشش ہے کہ گانوں میں اکتا دینے والی یکسانی نہ پیدا ہونے پائے - یہی وجہ ہے کہ ہمیں ان گانوں میں خاصا تنوع ملتا ہے - سیدھی سادھی غزل ، مستزاد کی صورت میں غزل ، مسدس ، مختلف کرداروں کے گائے ہوئے مصرعوں کے اجتماع سے کسی ایسے گانے کا سامنے آنا جس کا انداز کورس سے ملتا جلتا ہو -

۴ - ڈراما نگار نے گانوں کے ساتھ عموماً اس طرح کے اشارے دیے ہیں جن کی مدد سے گانے کی دھن اور اس کا طرز متعین کیا جا سکے -

۵ - مناظر کی تکمیل یوں تو گانوں ہی سے ہوئی ہے لیکن جہاں گانے کے لیے مناسب محل کا پیدا کرنا دشوار نظر آیا وہاں کرداروں نے مصرعوں میں گفتگو کر کے کام چلا لیا - اس طرح مناظر میں نغمگی کی جو مجموعی فضا ڈراما نگار نے پیدا کرنے کی کوشش کی ہے وہ بھی قائم رہی اور بے محل گانوں سے مجموعی تاثر میں جو کمی آتی ہے ، ڈراما اس سے محفوظ رہا -

'خداداد' کی دلچسپی کا دوسرا پہلو اُس کا مزاحیہ عنصر ہے ۔ گانوں کا ذکر کرتے ہوئے میں نے دو جگہ مسخرے کی موجودگی کا ذکر کیا ہے ۔ جن مناظر میں مسخرا آیا ہے اُنھیں غور سے دیکھا جائے تو یہ نتیجہ نکلے گا کہ ان موقعوں پر مسخرا نہ بھی آتا تو اُس سے پلاٹ کی رفتار میں کسی طرح کا خلل نہ پڑتا ۔ اُس کی دخل اندازی کے بغیر بھی واقعات آسانی سے سمجھ میں آتے رہتے ، اس لیے ظاہر ہے کہ ڈراما نگار کا مسخرے کو اسٹیج پر لانا صرف اس لیے ہے کہ گانوں کی وجہ سے غنائیت کی جو فضا پیدا ہوئی ہے اُس میں کسی کردار کی ہلکی پھلکی اور احمقانہ باتوں سے شگفتگی بھی شامل ہو جائے ۔ یہی شگفتگی ہے جسے میں نے 'خدا داد' کی دوسری اہم خصوصیت بتایا ہے ۔ شگفتگی کے یہ آثار پہلے باب کے آٹھویں منظر سے زیادہ نمایاں ہونے شروع ہوتے ہیں ۔

آٹھواں منظر دربار کا ہے ۔ الماس شاہ اور آرزو کرسیوں پر بیٹھے ہیں ، پیچھے مسخرا کھڑا ہے ، دربار کے باہر کچھ شاہزادے اس لیے آ کر جمع ہوئے ہیں کہ آرزو ان میں سے کسی ایک کو پسند کر کے اُس سے سادی کرے ۔ مسخرے نے اس جگہ خاصی طویل خود کلامی کی ہے ، جس میں الفاظ کا انتخاب بہت موزوں ہے اور عبارت کو بڑے صاف ستھرے انداز میں مقفٰی بنایا گیا ہے ۔ قافیے قریب قریب آئے ہیں اور شگفتگی اور نغمگی کی ملی جلی کیفیت پیدا کرنے میں مدد دیتے ہیں ۔ افغانستان ، ہرات ، چین ، حبشہ اور خجستان کے شہزادے باری باری قسمت آزمائی کے لیے آتے ہیں اور مسخرا اُن کے آتے جاتے اُن پر بڑے مزے مزے کے فقرے چست کرتا ہے ۔ افغان شاہزادے کو دیکھتا ہے تو اُس کی لمبی ناک کو

ہنومان جی اور گن پتی کی ناک سے تشبیہ دیتا ہے ۔ ہرات کے شہزادے کو دیکھ کر کہتا ہے کہ ”ہائے ہائے ! یہ باوا آدم کی نشانی ، عوج بن عنق کا ثانی ، پندرہ فٹ کا جوان ، پسر لندھور کہاں سے آیا ؟“ چن کا شہزادہ رخصت ہونے لگتا ہے تو مسخرا کہتا ہے :

ٹھنڈے ٹھنڈے چین کو جلدی سدھارو نامدار !
یاں نہیں کھانے ملے گا چوہے مینڈک کا اچار

حبس کے شہزادے کا خیر مقدم ان الفاظ میں کیا جاتا ہے :

”توبہ توبہ ! لاحول ولا ، یہ کالی بلا کہاں سے یہاں آئی ؟ روشنی گل کردو ، گیس لیٹ روشن ہے ۔ کیا رنگ پکا ہے ، آبنوس بھی حس کے آگے پھیکا ہے ۔ ولایتی کوئلہ اس کے رنگ سے شرمندہ ہے ، جل جل کے خاک ہوتا ہے ۔ مگر یہ رنگ ذاتی ہے ، جان کا ساتھی ہے ۔ دھوپ چھاؤں میں بدلتا نہیں ، ہمیشہ بہار ہے“۔

آخر میں ’خدا داد‘ آتا ہے (جو اصل میں اس قصے کا ہیرو ہے) ۔ اُس کے کپڑے پھٹے ہوئے ہیں اور چہرے سے پریشاں حالی ظاہر ہے ۔ الماس شاہ اُس سے اُس کا نام اور پتا پوچھتا ہے تو مسخرا اپنی طرف سے جواب دیتا ہے (اس طرح کہ اُسے صرف تماشائی سن سکیں) :

”تیس مار خاں نام ، قبرستان مقام ، ہے تو بانکا جوان مگر گودڑ شاہ خاندان ۔ اس کا ستیاناس ہو جائے ۔ آپ ہی شادی کرنے آیا یا کسی کے ہتھیار چرا کے تن پر لگایا ، مگر کپڑا ثابت نہ پایا ، اس کے دل میں کیا خیال سمایا ؟“

اس مسخرے کے علاوہ بھی بعض کردار ایسے ہیں کہ وہ جس منظر میں آتے ہیں ، پوری فضا پر شگفتگی چھا جاتی ہے ۔ کبھی شگفتگی کا یہ سماں صرف تھوڑی دیر تک قائم رہتا ہے اور کبھی دیر تک جاری رہتا ہے ۔ لیکن جو بات اہم ہے وہ یہ کہ ہنسی کی باتیں کرنے والا کردار جتنی دیر بھی سامنے رہے اس کا وجود غنیمت معلوم ہوتا ہے ۔ ایک کردار ایک لڑکے کا ہے ، جو پہلے باب کے دسویں منظر میں آتا ہے ۔ پورے منظر میں اس کی باتیں کریمن اور کامدیں وزیروں سے ہوتی ہیں ، جو شہزادہ خدا داد کو تلاش کرتے ہوئے یہاں پہنچتے ہیں ۔ گفتگو کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا یہ ہے :

لڑکا : اچھا کہو ، تم کس کو ڈھونڈھتے ہو ؟

کامدین : سن ! ایک ہمارا نوجوان شہزادہ ہے اس کو ۔

لڑکا : کیا نو دس جوان شہزادے ؟

کامدین : ارے بھائی ! نو دس نہیں ، مگر ایک شہزادہ گم ہوا ہے ۔

لڑکا : اچھا تم کتنے ہو ؟

کامدین : ہم دو ہیں ۔

لڑکا : تم دو ہو ، جب تو سنو ! ایک لیوے یہ راستہ ، دوسرا وہ راستہ ۔ ادھر نہ ملا تو ضرور ادھر ملے گا ۔

پورے منظر میں گفتگو کا یہی ہلکا پھلکا انداز ہے اور اِنھی ہلکی پھلکی باتوں سے کہانی کے عقدے بھی کھلتے رہتے ہیں اور وہ بڑی مناسب رفتار سے آگے بھی بڑھتی رہتی ہے ۔

اسی طرح کا ایک اور کردار حکیم صاحب کا ہے جو بقراط ، جالینوس ، افلاطون اور اوقلیمون کو اپنا شاگرد جانتے ہیں ۔ ان سے ہماری ملاقات دوسرے ایکٹ کے دوسرے منظر میں ہوتی ہے ۔ مریض باری باری ان کے مطب میں آتے ہیں اور ہر مریض سے ان کی جو باتیں ہوتی ہیں تماشائی اُنھیں سن سن کر ہنستا رہتا ہے ۔ لیکن یہی حکیم صاحب جن کے وجود سے ڈراما نگار نے ہنسنے ہنسانے کی فضا پیدا کی ہے ، آگے چل کر قصے میں خاصا اہم کردار ادا کرتے ہیں اور سچ پوچھیے تو 'خدا داد' کے سب کرداروں کا یہی حال ہے ۔ کوئی کردار بھرتی کا نہیں ۔ جو کردار ہنساتا ہے ، وہ ہنسانے کے علاوہ قصے کے تانے بانے میں کوئی اہم مقام بھی رکھتا ہے ، اس اعتبار سے کہ اگر یہ کردار نہ ہوتا تو قصے میں ضرور کوئی خلا رہ جاتا ۔

فنی نقطۂ نظر سے ایک بات اور— ڈرامے کے جس مرحلے پر ڈراما نگار نے پہلی مرتبہ ایک کردار کی خود کلامی میں نثر کا جی کھول کر استعمال کیا ، اُس کے بعد سے برابر وہ نثر کو مکالموں میں زیادہ سے زیادہ جگہ دیتا رہا ، بلکہ بعض جگہ یہ ہوا کہ پورا منظر نثری مکالمے ہی سے مکمل ہوا ۔ لیکن نثر کے مکالموں کے زیادہ سے زیادہ استعمال کے باوجود اُس نے یہ بات یاد رکھی کہ ڈرامے کو دلچسپ بنانے میں گیتوں کا بھی نمایاں حصہ ہے اور یہ اسی احساس کا نتیجہ ہے کہ ہمیں ڈرامے کے باقی حصے میں نثر اور نظم کا بڑا متوازن امتزاج ملتا ہے اور یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ ڈراما یقیناً اُن چند ڈراموں میں سے ایک ہے جن میں ڈراما نگار آہستہ آہستہ نظم کے غلبے کو کم کر کے اُن میں نثری مکالمے شامل کر رہے

ہیں ۔ اس اعتبار سے ہم اگر ایسے ڈراموں کی کوئی فہرست مرتّب کریں جن میں گانوں کی کثرت کو کم کر کے اُنھیں نثری مکالموں کے ذریعے زیادہ فطری بنانے کی کوشش کا سراغ ملتا ہے تو 'خدا داد' کو بھی اس فہرست میں نمایاں جگہ ملے گی ۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ 'خدا داد' کا نام اُن ڈراموں کے ساتھ لیا جانا چاہیے جنھیں غنائیہ اور نثری ڈرامے کے بیچ کی اہم کڑی سمجھا جائے ۔

سید وقار عظیم

لاہور

۲۰ - مارچ ۱۹۷۲ع

وادیٔ دریا

عرف

بادشاہ خدا داد

تختۂ ناٹک

فیروز شاہ	:	والیِ ملکِ خجستان
خداداد	:	پسرِ فیروز شاہ
اظلم	:	وزیرِ اعظمِ فیروز شاہ و دشمنِ خداداد
کامدین و کریمن	:	وزرائے فیروز شاہ (خیرخواہ خداداد)
الماس شاہ	:	والیِ یمن ، والدِ آرزو
آرزو	:	دخترِ الماس شاہ ، بی‌بیِ خدا داد
آوان	:	دخترِ آرزو و خداداد
سیم دانشمند	:	باشندۂ ختن
لیقا	:	برادرِ شاہ
مہرانگیز	:	بی‌بیِ کیقباد ، دشمنِ آوان
کھڑتل حبشی	:	جلاد
ٹاٹو کٹنی	:	باشندۂ ختن ، خریدارِ آوان
روی تن	:	امیرزادہ ، رئیسِ ختن
		بعد ان کے شہزادۂ افغان و ہرات و چین و حبشیان و ماہی‌گیر و مسخرہ و چند چور ، رامشگر اور سپاہی وغیرہ
مقام	:	خجستان و یمن و ختن

باب پہلا

پردہ پہلا

محلِ خداداد

[خداداد کا عالمِ حیرت میں والد اور اظلم وزیر کی شکایت کرنا]

خداداد : غزل[1]

حیراں ہوں کروں ظلم بیاں کس سے پدر کا
بہکانے سے دشمن بنا والد ہے پسر کا

ہے صفحۂ ہستی سے مٹا نامِ محبت
والد ہی خریدار ہے یاں بیٹے کے سر کا

ارکانِ ریاست ہیں مرے قتل کے خواہاں
فریاد کروں ، کون سنے ، چور ہے گھر کا

دریائے الم میں ہوں رواں کشتیٔ غم پر
اسوار ہو ، امروز ارادہ ہے سفر کا

اس درجہ ہے اظلم کو اگر مجھ سے عداوت
رہنا ظریف اچھا نہیں بالکل مرا گھر کا

[اظلم وزیر کا آنا]

اظلم : خدا داد شہزادہ فرخندہ فال !
کہوں کیا تمھارے پدر کا جلال

---

۱ - طرز : اس آتشِ الفت نے ہے کیا آگ لگا دی ۔

ترے قتل کرنے کے ہیں قیل و قال
کہ اب زندگانی ہے تیری محال

سپاہی کوئی دم میں یاں آئیں گے
گرفتار کر تجھ کو لے جائیں گے

یہ سنتے ہی میں آیا دینے خبر
خدا کے لیے سن تو اے نامور!

نکل جا یہاں سے نہ اب دیر کر
تجھے زندگی ہے درکار اگر

اگرچہ سلامت تری جان ہے
میسر نہیں سوکت و ساں ہے

غزل[۲]

خدا داد :

میں خود اپنے دشمن کو پہچانتا ہوں
نہیں مجھ سے پوشیدہ ہے، جانتا ہوں

کیا شاہ کو جس نے ہے مرا دشمن
میں دشمن وہ موذی کو گردانتا ہوں

طریفو! نہیں کچھ خطا بادشہ کی
کہ میں اپنے حاسد کو پہچانتا ہوں

ہوتا ہوں اے وزیر میں پوشیدہ جا کہیں
زنہار اس محل میں تو رہنے کا میں نہیں

۲ - دھن اساوری - طرز : نظر بد جو میرے پہ تیری رہے گی -

[ظلم وزیر کا جانا]

خداداد : غزل[۳]

یہی ہے دوستو! دشمن ہمارا
بنا ہے راہ بر، رہزن ہمارا

اُسی نے شاہ کو بہکا دیا ہے
ہوا پھر خیرخواہ پُر فن ہمارا

وطن کو چھوڑ، اس موذی کی خاطر
بھٹکنا ہوگا اب بن بن ہمارا

سفر دریا کا ہے منظورِ خاطر
جہازِ غم میں ہے مسکن ہمارا

خدا کشتی کا اپنی ناخدا ہو
بنا ہے بادباں توسن ہمارا

میں لوں ہمراہ وہ صندوق جس میں
معِ ہتھیار ہے جوشن ہمارا

[جانا خداداد کا]

---

۳ - پہاڑی جھنجھوٹی - طرز : خوشی سے کاٹ لے دلدار گردن -

پردہ دوسرا

راستہ

[سپاہیوں کا داخل ہونا]

گانا[1]

سپاہیوں کا سردار: فرار ہوا ، اب ملنا ہمیں دشوار ہوا—شہزادہ
کرنے گرفتار آئے تھے ہم
نہاں کہیں لاچار ہوا—شہزادہ

مسخرا : ایسے پسر کو چین ہو کیوں کر
پدر ہی جب خونخوار ہوا—شہزادہ
دشمن شہزادے کی جان کا یہ
وزیرِ بدکار ہوا—شہزادہ

سردار : خداداد کے خوف و خطر سے
شہ اپنا بیمار ہوا—شہزادہ

مسخرا : وزیر شہزادے کے ظریفو
ہے درپۓ آزار ہوا—شہزادہ

— —

سردار : کرکے اے سپاہیو شکرِ خدا
چلو ، ہم کو نہ شاہزادہ ملا

---

۱ - طرز : آئی ہوں سبھا میں چھانڈ کے گھر -

مسخرا : کون سی ایسی کی ہے اُس نے خطا
جو سزاوار قتل کا ٹھیرا
کرکے اظلم وزیر یہ بیداد
یوں خداداد کو کیا برباد

[سب کا جانا]

باب پہلا

پردہ تیسرا

دریا

[ماہی گیروں کا گاتے ہوئے داخل ہونا]

سب ماہی گیر : **گانا**[1]

نام لو دریا میں ہردم یا خداوند !
یا خداوندِ دو عالم - یا خداوند !

اول و آخر ہے دائم یا خداوند !
تیری ذات پاک قائم - یا خداوند !

مالک ہے تو حسینوں کا اور یا خداوند !
گنہ ظریف زار باہم - یا خداوند !

[ماہی گیروں کا ہاتھ میں جال لیے ہوئے آگے بڑھنا]

سب ماہی گیر : **گانا**[2]

بدلا یہ رنگ ، بیرنگ آسماں ہے
مچاؤ دھوم

غفلت کی پی شراب مستی میں کیا بیاں ہے
بدلی چھائی جھوم

---

۱ - طرز : اپنا خلاصیوں کا - - -
۲ - سدھڑا - طرز : ہر قدم اٹھاؤ قدم - - -

[خداداد کا جہاز طوفاں میں آ جانا ، ماہی گیروں کا دیکھ ، گھبرا کے آنا]

ماہی گیر : طوفان ہے طوفان ! ہردم اجل کا دھیان
کشتیٔ تن بیرا ہو گا بے نشان

ماہی رزق کے اب جسم میں نہ جان
پنجے سے موت کے چھوٹا کوئی کب انسان

[جہازِ خداداد کا پھٹ جانا ، ماہی گیروں کا گھبرانا]

ہوا غرق یہ جہاز یہاں بستی مدام ہے
حکمِ خدا سوا یہ کون کرتا کام ہے

ہستی کی موج سے ٹکرائی صبح و شام ہے
دنیا کو اے ظریف ! بالکل نہیں قیام ہے

[ایک ماہی گیر لڑکے کا دریا میں جال پھینک کر گانا]

لڑکا : گانا[۳]

ڈال ڈال دی ہے ڈال ، دریا کے اندر ہم نے جال
آتی نہیں کیا ہے جنجال ، کھینچنا اس کا ہوا محال

آؤ آؤ یار کھینچنا ، یہ بار ہے دشوار
دوست دار میرے غم گسار

سردار ماہی گیر : (خفا ہو کر)

جال جال دے نکال ، کیا ہے تیری مجال
دریا میں تو دی ہے ڈال ، کھینچوں گا آ کے تیری کھال

---

۳ - راگ اور راگنی کا حوالہ نہیں - طرز : دور ہو دور مغرور کالی صورت کے -

تو نے نابکار کیا کیا ہے کار ، مار مار
ایک بار ڈالوں تجھ کو مار

سردار : من ! ہم گھر کو جاتے ہیں اے بدخصال !
خوشی سے تو دریا میں ڈالا ہے جال

کہ ہم روٹیاں کھا کے آنے تلک
تو یہ جال دریا سے رکھنا نکال
[جانا سب ماہی گیروں کا ، لڑکے کا مارے خوف کے گانا]

لڑکا : **گانا**[۴]

کیسی کروں تدبیر جال بھائی
شاید میری موت ہے آئی

نہیں ہے اب صورتِ رہائی
بھاگ یہاں سے گھر کو اپنے
جاؤں جاؤں جاؤں ۔ ۔ ۔ ۔

[لڑکے کا قصد بھاگنے کا کرنا ، خداداد کا پانی میں سے بھیگا ہوا نکل آنا]

خداداد : **گانا**[۵]

صد شکر یاخدا بس کرکے تو عطا
دشمن سے لے بچا ، دریا سے کر رہا

---

۴ - جھنجھوٹی ، راہ انگریزی ۔ طرز :
دیکھا تو نے حالت تیرے پدر کی
۵ - جھنجھوٹی ۔ طرز :
زمین و زماں فنا ، مکین و مکاں فنا

تو لایا برزمیں ، تجھ سا کوئی نہیں
حامی ہے تو یقیں ہر وقت برملا

دشمن مرے ہوئے جا باپ سے کہے
دولت کے واسطے مجھ سے کیے دغا

مکر و فریب کر ، اسوار کشتی پر
دریا میں بے خطر ، مجھ کو ڈبو دیا

آخر ظریفِ زار ، پاک کردگار
دریا سے کرکے پار ، زندہ مجھے رکھا

مجھ‌کو بھٹکائے گا کب تک چرخِ کج رفتار تو
یوں ہی کیا میرے رہے گا در پئے آزار تو

چھوڑ دے ، اب کر چکا یاں تک ذلیل و خوار تو
زندہ کیوں لے آیا ، دریا میں ہی دیتا مار تو
لایا دریا سے یہ صحرا میں مجھے بیکار تو

[عش کھا کے گرنا زمیں پر خداداد کا ، آنا مہیار سردار ماہی گیر کا
اور خداداد کو ہشیار کرنا]

مہیار : غزل[٦]

آنا لبِ دریا ہوا سائیں کا کدھر سے
جوگی سے نکل آئے ہو کس واسطے گھر سے
باشندے کہاں کے ، کہو کیا نام تمھارا ؟
کیوں اشک گہر ریز ہو تم دیدۂ تر سے ؟

---

٦ - راگ راگنی کا حوالہ نہیں - طرز :
کیا خوابِ پریشان دکھایا مرے اللہ

ڈوبے ہوئے پانی میں ہو کیوں سائیں بتادو
یہ آب بہا جاتا ہے اقدام سے ، سر سے

احوال کہو اپنا ظریف دوسرا سے
کیا فائدہ حاصل کیے ہو تم یہ سفر سے

خدا داد : کیا کہوں میں ستم رسیدہ ہوں
بارِ اندوہ سے خمیدہ ہوں

دوستوں سے میں خود رمیدہ ہوں
حال یہ ہے کہ غم کشیدہ ہوں

میں جو آیا جہاز پر اسوار
ڈوبا دریا میں ٹوٹ کر یکبار

جب لگا غوطے کھانے میں ناچار
ایسی مشکل میں تھا خدا ہی یار

اتنے میں آ کے ایک بزرگوار (!)
ہاتھ میرا پکڑ کے بس یک بار

لا کنارے پہ مجھ کو چھوڑ گیا
نام پوچھا تو منہ کو موڑ گیا

مہیار : خیر درویس ، اب نہ کر تو غم
تیری خدمت کریں گے دل سے ہم

ہے یہاں سے قریب ایک سرا
اُس میں رکھوں گا تجھ کو میں ، چل آ

[جانا مہیار کے ساتھ خدا داد (کا) ، آنا ماہی گیروں کا جال
دریا سے کھینچتے (ہوئے)]

گانا ؎

سب : جلدی کھینجو رے ! مچھلی بڑی جال میں آئی رے !

پہلا : نہیں مجھ سے کھنحا جاتا

دوسرا : مفت کی روٹیاں کھاتا

سب : جلدی کھسجو رے ! مچھلی بڑی جال میں آئی رے !

پہلا : بہت ہے بھاری رے

دوسرا : آئی موت ہماری رے

تیسرا : کیوں آئی تیری خواری

پہلا : میں دوں گا اس کو گاری

دوسرا : یہ لڑکا ہے جنجالی

تیسرا : کھینچو ! کھینجو ! آپس میں کرتے ہو مفت جھگڑا،

سب : جلدی کھینجو مچھلی ——

[جال دریا سے باہر کھیبچ کے ، صدوق جال میں دیکھ کر
حوشی خوشی اُٹھا لے جانا]

؎ ۔ ٹھمری ۔ راگ راگنی کا حوالہ نہیں ۔ طرز :
کنگنوا مورا کر سے نکس گیو رے

باب پہلا

پردہ چوتھا

راستہ

[ماہی گیروں کا جال میں صندوق لیے عقب منظر کا گانا گاتے ہوئے آنا]

پہلا : دیکھو دیکھو نہ ٹوٹے جال ، پیٹی میں بھرا ہوگا مال

دوسرا : صندوق لے جاؤں گا میں

تیسرا : چل اُلو کیا بکتا ہے

پہلا : اور تو کیا کر سکتا ہے

سب : سب لے کے چلو سردار کے گھر پر ، اِسی میں بھلائی ہے

[صندوق لے جانا سب کا]

پردہ پانچواں

مکان

[خداداد ، مہیار کے ساتھ بیٹھا ہے]

خدا داد : اللہ تجھے بھائی ! سردار بنایا ہے
اور ہم سے غریبوں کا غم خوار بنایا ہے
گردوں نے مجھے بس کہ ناچار بنایا ہے
تو کر کے مددگاری ہشیار بنایا ہے
کیا نام ہے سلطاں کا؟ ہے شہر میں آبادی
خوش حال رعیت ہے کس کی ہے یہاں شادی؟

مہیار : شہر شرقستان کا ، الماس شاہ عادل ہے نام ، حکمِ
سلطان ہے محل میں جس کو شہزادی پسند کرے گی
اس کو لاکلام شوہر اپنا جان کے شادی کرے گی ۔
تم کو اب دربار میں سلطاں کے جانا چاہیے
بختِ برگشتہ کو اپنے آزمانا چاہیے

[آنا ماہی گیروں کا صندوق سر پر لیے ہوئے]

سب ماہی گیر : گانا[1]

جال میں آیا ہے سردار ! جال میں آیا ہے سردار !
گنج بھرا صندوق میں ہے گا ، رحم کیا کرتار

---

۱ - لاونی - طرز : سو کا کہا جاوے (؟)

تم کھول کے اب صندوق کو دیکھو کیا ہے
ہے خزانہ اس میں ، ہم پر فضلِ خدا ہے
محنت کے بدلے ہم کو خدا نے دیا ہے
بنیں گے بے شک ہم زردار ، گنج بھرا ہے

[خداداد اپنا صندوق پہچان کے لیتا ہے]

خدا داد : سر کو جھکا کے شکر خدا لاتا ہوں بجا
صندوق میرا غرق جو دریا میں تھا ہوا
قدرت سے پھر نکال کے اس کو تو اے کریم !
یہ خستہ دل کو لطف و کرم سے عطا کیا

[ماہی گیر کے قریب جا کے]

اے بھائیو ! سنو یہ صندوق ہے ہمارا
از راہِ مہربانی دے دو مجھے خدا را
تازیست سر پہ میرے احسان ہو تمہارا
قسمت کا میری بے شک چمکے گا اب ستارا
بھوکا پیاسا تھا میں ، روٹی کھلائی تم نے
جاتی تھی جان میری ، بے شک بچائی تم نے

[ماہی گیروں کا خفا ہو کر کہنا سردار سے]

پہلا : دیکھو اے سردار ! یہ مکار پڑتا ہے گلے
دوسرا : کیا کیا محنت ہم کیے ہیں ، مفت یہ صندوق لے !
تیسرا : ہے سیانا ، مثل دیوانے کے یہ کرتا ہے قال
پہلا : مال دریا کا کیا اللہ نے ہم کو حلال
دوسرا : بھائی یہ سچ ہے مثل ، بے شک بھرا ہے اس میں مال

تیسرا : میں پکڑوں اُس کے سر کے بال

پہلا : میں نکالوں تن کی کھال

[خداداد کو پکڑ لینا]

سہیار : (خفا ہو کر)

چھوڑ اس کو بد خصال
کیا تمھاری ہے مجال

سن خداداد ! اے خجستہ خصال !
گفتگو پر نہ ان کی کر تو خیال

گر ہے صندوق تیرا ، شیریں مقال !
کون سا ، کون سا ، ہے اس میں مال

کہہ دے، ہم کو حرام ، تجھ کو حلال

ماہی‌گیر : کہہ دے ، اس میں ہے کیا بھرا ، مکار !
ہو گئی تیری زندگی دشوار

خدا داد :

ہوتے ہو خفا کس لیے کہتا ہوں سنو یار !
صادق ہوں ، نہ بولوں گا کبھی جھوٹ میں زنہار

صندوق میں یہ ، بند ہے بکتر معِ ہتھیار
گر شک ہو ، ابھی کھول کے تم دیکھ لو سردار

ہتھیار ملے مجھ کو ، ہے احسان تمھارا
تا مرگ ہوں میں تابعِ فرمان تمھارا

[خداداد صندوں کھول کے ہتھیار و بکتر دکھاتا ہے]

ماہی گیر : **گانا**[۲]

اے خدا داد ! از مہربانی
ہو قبول آج کی میہمانی

چل کے گھر پر کریں بادہ خواری
دور ہو ماندگی بن کی ساری

آرزو بس یہی ہے ہماری
ہم نے تیری نہ کی قدردانی

ہو قبول آج کی ——

ہو گیا تجھ پہ فضل الٰہی
پائے گا یاں کی تو بادشاہی

ہیں یہ ہتھیار تیرے گواہی
ہو گی حاصل تجھے شادمانی

ہو قبول آج کی ——

ہووے گی آرزو تیری دلبر
تجھ سے شادی کرے گی مقرر

بخت کا تیرے چمکا ہے اختر
ہے ظریفِ حزیں کی زبانی

ہو قبول آج کی ——

[ماہی گیروں کا خداداد کو ساتھ ادب کے لے جانا]

---

۲ - پد ، جوگیا ۔ طرز :
لیلیٰ لیلیٰ پکاروں میں بن میں

باب پہلا

پردہ چھٹا

محل

[فیروز شاہ، والدِ خداداد کا حالتِ سکرات میں وزیروں کو وصیت کرنا]

فیروزشاہ : غزل[1]

وزیرو ! آخری تم کو وصیت یہ ہماری ہے
خداداد اپنے بیٹے پر ستم ہم نے گذاری ہے

وزیر اظلم کے بہکانے سے میں فرزند کا اپنے
جدا سر کرنا چاہتا تھا، کیا اس نے فراری ہے

کوئی دم کا ہوں میں مہماں نکل جاوے گی میری جاں
مگر فرزند کی خاطر نہایت بے قراری ہے

کریمن کامدیں ! باہم وصیت پر رہو قائم
کرو تم جستجو دائم، تمھاری یادگاری ہے

خداداد میرے بیٹے کو بٹھاؤ تخت پر لا کے
مری تقصیر بخشاؤ، نہایت شرم ساری ہے

ظریفِ زار مرتا ہوں، پسر کو یاد کرتا ہوں
بس اب جی سے گذرتا ہوں، خدا سے روبکاری ہے

[شاہ کا مر جانا]

---

۱ - کالنگڑا - طرز :
خدایا ! شکر ہے پرور (؟) ملی لیلیٰ

باب پہلا

پردہ ساتواں

راستہ

[کامدین وزیر اور کریمن وزیر کا داخل ہونا ، پیچھے پیچھے مسخرے کا آنا]

کامدین : بھائی سلطان کی وصیت کو بجا لاویں ہم
چھوڑ اس شہر کو صحرا میں نکل جاویں ہم
اپنی قسمت سے اگر اس کو کہیں پاویں ہم
لا کے اس تخت پہ شہزادے کو بٹھلاویں ہم

کریمن : چلو کیا دیر ہے تیّار ہوں میں اے بھائی
رنج و تکلیف میں غم خوار ہوں میں اے بھائی

مسخرا : ہمراہ اپنے مجھ کو بھی لے چلیے اے حضور !
مشکل میں کام آؤں گا میں آپ کے ضرور

[مسخرے کا وزیروں کے ساتھ جانا]

باب پہلا

پردہ آٹھواں

دربار

[الماس شاہ اور آرزو دربار میں بیٹھے ہیں ۔ مسخرا آکے الگ کھڑا رہتا ہے]

الماس شاہ: سن اے دخترِ نیک ، فرخندہ فال
نہیں حسن و خوبی میں تیری مثال

خدا نے کیا ایسا صاحب جمال
ہے شرمندہ تجھ سے فلک پر ہلال

کروں تیری شادی ، نہ ہو تُو ملول
اُسی سے ، جسے تو کرے گی قبول

چوبدار : کھڑے شاہزادے ہیں عالی وقار !

شاہ : شتابی لے آ اُن کو اے چوبدار !

[چوبدار کا جانا اور شاہ کا آرزو کو مخاطب کرنا]

یاں شہزادے آتے ہیں اے نیک خو !
بغور اُن کو تو دیکھنا آرزو

مسخرا : میں الماس شاہ کو عاقل سمجھتا تھا مگر پاگل نکلا ۔
بھلا سنو تو ! ایک آرزو اتنے شاہزادوں کو کیا

کرے گی ؟ آخر ایک سے ہی شادی ہوگی ، باقی سب نامراد ہوں گے ۔ توبہ توبہ سینکڑوں شاہزادوں کو ناحق تکلیف دینا کیا ضرور تھا ؟ اگر بادشاہ آرزو کی شادی کا مجھ سے مشورہ لیتے تو خوب تھا ، کیوں کہ میں وہ پہلوان نوجوان ، ہاتھ میں تیر و کماں ، بر سرِ میدان ، سہر کروں ویران ، آرزو اگر دیکھے میری شان ، ہووے گی قربان ، کرے گی مان پان ۔ مگر میں ایسا نہیں نادان ، جو مانوں اُس کا فرمان ، وہ شہزادی میں عالی خاندان ، کہاں زمین کجا آسمان ، کہاں اس کی سوکت اور کدھر میری شان ۔ وہ عورت میں مرد ، وہ ہوا میں گرد ، وہ گرم میں سرد ، وہ جوڑا میں فرد ، وہ آرام میں درد ، وہ سرخ میں زرد ، وہ بساط میں نرد ۔ واہ وا! کیا میں شطرنج کھیلتا ہوں یا باتیں کر رہا ہوں ! خیر گزشتہ را صلواۃ ۔

[آنا افغان شہزادے کا ۔ خط آرزو کو دے ، شاہ کو سلام کر ، کھڑا رہنا]

مسخرا : اہا ہا ہا شہزادی ضرور اس کو پسند کرے گی کیونکہ اُس کی ناک ماشاء اللہ بہت ہی بڑی ہے ، جیسے ہنومان جی یا گن پتی ہے ، مقرر آرزو پسند کرے گی ۔

الیاس : یہ ہے کون شہزادہ نورِ بصر ؟

آرزو : یہ افغان کے شہ کا ہے گا پسر

مسخرا : کیا کہا ! یہ شہزادۂ افغان ! جب تو ضرور کرے گا طوفان ، "دغا دغا" کرکے آرزو کی لے گا جان ۔

آرزو : [خط پڑھتی ہوئے]

سنو خط ذرا والدِ مہرباں !
یہ احوال اپنا لکھا ہے جواں

نہیں عشق کے دام میں زینہار
پھنسایا مجھے اے ملک کردگار

ہوس کھینچ کر مجھ کو لائی یہاں
ترے وصل کی، سن اے جان جہاں !

مسخرا : معلوم ہوا کہ یہ نامرد ہے ، رنگ چہرے کا زرد ہے - گرمی سے دل پگھلتا ہے ، ہتھیار باندھ مردوں میں ملتا ہے - اس کو کہنا تھوڑے آلو بخارے منہ میں لے ، میٹھا کھٹا کرتے ہوئے کابل کا رستہ لو -

[جانا افغانی کا ، آنا ہرات کے سہرادے کا ، حط دے کے کھڑا رہنا]

مسخرا : ہائے ہائے ! یہ باوا آدم کی نشانی ، عوج بن عنق کا ثانی ، پندرہ فٹ کا جوان ، پسر لندھور کہاں سے آیا ؟ البتہ آرزو ان کو قبول فرمائے گی ، کیونکہ تمبو کو چوب کی حاجت نہیں ، اس کو بیچ میں کھڑا کرکے تمبو تان ، چوگردی میں میخیں ٹھونک دینا— توبہ توبہ آدمی ہے کہ بلا ہے !

الماس : آرزو ! دیکھ کیا لکھا ہے یہ ؟

آرزو : بیٹا شاہِ ہرات کا ہے یہ

[خط پڑھتی ہے]

خطِ پیشانی کو نہ جانے ہم
آئے قسمت کو آزمانے ہم

کون اب وصل کا پئے گا جام ؟
کون محروم جائے گا ناکام ؟

مسخرا : دیو زادے ہو آپ عالی مقام !
کہو انساں میں کیا تمھارا کام ؟

بھوت ہو یا پلید ہو شیطان
کہ مسانوں میں ہے تمھارا مقام ؟

(ایک طرف ہو کے) ہوں ہوں ! چلو ہوا کھاؤ ۔
(منہ پھیر کے ، بخود) یہ بلا گئی یا نہیں ؟ توبہ توبہ
شاید آرزو کو ڈائن یا بھتنی سمجھا جو شادی کرنے
یہاں آیا ۔ وہ خبیث گیا یا ہے؟

[منہ پھیر کے ، دیکھ کے کہتا]

گیا ۔ خوب ہوا ، نہیں تو مارے خوف کے میرا دم
نکل جاتا ، خدا نے خیر کیا ۔

[آنا شہزادۂ چین کا ، خط دے کے آداب بجا لا کے
کھڑے رہنا]

مسخرا : ارے رے رے ! یہ چینائی چوہا یہاں کہاں سے
آیا ! رنگ تو گورا گورا ہے ، مگر ناک صفا چٹ
ہے ، منہ پر بالکل نظر نہیں آتی ۔ یہ نکٹا تو نہیں
ہے ؟ ذری سی ناک معلوم ہوتی ہے ۔ یہ قبول قبول
قبول ہے مگر پکچر اتارنے کے قابل ہے ۔

الماس : کون یہ کہتا ہے (اے) لختِ جگر

آرزو : چین کے سلطان کا ہے یہ پسر ؟

[خط پڑھتی ہے]

کون ہے ایسی جہاں میں خوب صورت دل ربا ؟
جب میں جانوں، دام الفت میں رکھے مجھ کو پھنسا
سینکڑوں محبوب مجھ پر مرتے ہیں گے ماہرو
پر کسی کے وصل کی مجھ کو نہیں ہے آرزو

مسخرا :

ٹھنڈے ٹھنڈے چین کو جلدی سدھارو نامدار !
یاں نہیں کھانے ملے گا چوہے مینڈک کا اچار

ہوں ہوں! سدھارو سدھارو ، بدبو آتی ہے ، دل گھبراتا ہے ، جان جاتی ہے -

[جانا چینائی کا ، آنا شہزادہ حبشستان کا ، خط دے کے کھڑا رہنا]

توبہ توبہ ! لاحول ولا ، یہ کالی بلا کہاں سے یہاں آئی ! روشنی گل کردو ، گیس لٹ روشن ہے - کیا رنگ پکا ہے ، آبنوس بھی جس کے آگے پھیکا ہے - ولایتی کوئلہ اس کے رنگ سے شرمندہ ہے ، جل جل کے خاک ہونا ہے ، مگر یہ رنگ ذاتی ہے ، جان کا ساتھی ہے ، دھوپ چھاؤں میں بدلتا نہیں ، ہمیشہ بہار ہے -

الماس : آرزو کون ہے یہ کہتا کیا ؟

آرزو : ہے حبشستان کا یہ شہزادا

مسخرا : سنو یارو ! یہ بندہ اسی فکر کے دریا میں غرق ہے ، آبنوس اور ہاتھی دانت میں جتنا کہ فاصلہ ہے

اتنا ہی اس شدی اور آرزو میں فرق ہے ، وہ انسان
نہ حیواں ، وہ پری نہ شیطان ، یہ بھی آرزو کی آرزو
میں آیا ، خدا کی شان !

[جانا حبشی کا ، آنا خدا داد کا ، الماس شاہ کا دیکھ کر
حیران ہونا]

الماس : کون ہے تو ؟ کہاں سے آیا یاں ؟
پہنا کالا لباس کیوں ؟ اے نوجواں ؟

آج شادی کی شب ہے کر تو بیاں !
دیکھ کر تجھ کو دل ہوا شاداں

کون ہے تو سنا دے اپنا نام
اور ماں باپ کا کہاں ہے قیام ؟

مسخرا : تیس مار خاں نام ، قبرستان مقام ، ہے تو بانکا جوان
مگر گودڑ شاہ خاندان ، اس کا ستیاناس ہو جائے ۔
آپ ہی شادی کرنے آیا یا کسی کے ہتھیار چرا کے
تن پر لگایا ، مگر کپڑا ثابت نہ پایا ، اس کے دل میں
کیا خیال سمایا ؟

خدا داد : ختجستان کے شہ کا میں ہوں پسر
کیا مجھ کو گردوں نے زیر و زبر

اگرچہ تھا دشمن زمانہ ہوا
کہ طوفاں کا یکسر بہانہ ہوا

گئی ڈوب دریا میں کشتی بہم
ہوئے غرق دریا میں یکبار ہم

میں پہنچا کنارے پہ ترتا ہوا
مرے سر پہ آ پھر گئی ہے قضا

ہے مشہور میرا خداداد نام
خجستانی کہتے مجھے خاص و عام

مرے باپ کا نام فیروز شاہ
وہ فرماں‌روا ہے خجستان کا

مرا بختِ برگشتہ یاور ہؤا
تو دربارِ عالی میں حاضر ہؤا

مسخرا : واہ وا یہ تو میاں مٹھو ، کہاں کہاں کی سیر کر یہاں آیا ہے ۔ شاید یہ بھولا بھالا قلعہ فتح کرے گا ، کیوں کہ نوجوان شیریں زباں ہے ، مگر آرزو کا بھی اسی پر دھیان ہے ، بلکہ دل و جان سے قربان ہے ۔ معلوم ہوا اسی سے آرزو شادی کرے گی ، باقی سب بے وقوف تھے ۔ یہ شعر کہتے ہوئے سب کے سب مایوس ہو جائیں گے :

مرد جاہل یہ کہہ کے بات چلے
خالی ہاتھ آئے ، خالی ہاتھ چلے

آرزو : یہی میرا دلبر ، یہی میرا یار
یہی میرا شوہر ، میں اس پر نثار

اے والد ! اگرچہ یہ مہمان ہے
دل و جاں مرا اس پہ قربان ہے

میں دیکھی یہی شکل تھی خواب میں
پڑی بحرِ غم کے تھی گرداب میں

خدا میری مشکل کو آسان کیا
یہ گھر میرے آ، مجھ پہ احسان کیا

کرو شادی دونوں کی دل شاد ہو
کہ تا رنج و غم دل سے برباد ہو

غزل[1]

جو خواب میں دیکھی تھی وہ دلدار یہی ہے
بے مثل حسینوں میں طرحدار یہی ہے

بے چینی زلیخا سی تھی اے مصریو! مجھ کو
یوسف کی طرح میرا خریدار یہی ہے

میری کششِ دل ہے اسے کھینچ لے آئی
میں اس کی، مرا طالبِ دیدار یہی ہے

فرقت کے گئے دن، یہ شبِ وصل ہے آئی
شیدائی مرا ظریف زار یہی ہے

---

۱ - طرز: بیداد مجھے یاد ہے واللہ تمھاری

باب پہلا

پردہ نواں

راستہ

[آنا کامدین و کریمن کا تلاشِ خداداد میں]

کامدین : اے رفیق و شفیق ، دریائے فراست کے غریق !
جنگل و صحرا بھٹکتے یہاں تک آئے ، مگر
خدادادِ گم شدہ کا پتا نہ پائے - کیا کریں ، کہاں
جائیں ؟

کریمن : اے برادر بجان برابر ! ہم کو لازم ہے کہ اپنے
سلطانِ مرحوم کی وصیت بسر و چشم بجا لائیں ،
یعنی اپنے شہزادے کو لے جا تخت پر بٹھائیں - ہم
کو خادم ازلی کی طرح دست بستہ خدمت میں رہنا
چاہیے - سنو بھائی ! جب تک یہ کام ہم سے تمام
نہ ہوگا ، تب تک چین و آرام حرام ہے - برادر !
آگے چلو ، انشاء اللہ اُس بے نشان کا نشان مل
جائے گا ، رنج شادی سے بدل جائے گا ، غمِ سفر دل
سے نکل جائے گا -

[دونوں کا جانا]

پردہ دسواں

جنگل (میں) جھونپڑا

[دونوں وزیروں کا آنا]

کامدین : اے ہمدم ! شریکِ رنج و سامل غم ! وہ دیکھ جھونپڑی معلوم ہوتی ہے ۔ اس میں کوئی نہ کوئی آدم زاد ہوگا ۔ چلو قریب جا کے آواز دیں ۔
[قریب جا ، در کو ٹھونک ، آواز دینا]
ارے کوئی گھر میں ہے یا نہیں ؟

لڑکا : ہاں ہاں ! کون ہے ، کون ہے ؟

کریمن : ارے بھائی ! کوئی نہیں ، کوئی نہیں !

لڑکا : واہ وا ! جب کوئی نہیں تو بولتا کون ہے ؟ شاید شیطان آیا ہوگا ۔

کامدین : بھائی جان ! ذرا دروازہ کھول ۔

لڑکا : (ذرا سا درواره کھول کے) لو صاحب ذرا کھولا ، بس؟

کریمن : کیا احمق سے کام پڑا ہے ۔ ذرا اور کھول ۔ ذرا سا کھول کے بس کہتا ہے ۔ نادان ! بہت سا کھول دے ۔

لڑکا : اے بیوقوف ! پہلے کہے ذرا سا کھول ، اب کہتے ہیں بہت کھول !

[سب در کھول کے کہنا]

اے شیطانو! تم ہو کون ؟ کہاں سے آئے ہو ؟
لو بہت سا کھولا ، کہو کیا کہتے ہو ؟

کامدین : بھائی خفا نہ ہو ۔ ہم تجھ سے ایک شخص کا پتہ چاہتے ہیں ۔

لڑکا : ایک پتّہ کیا مانگتے ہو ، سنو! میرا تمام جنگل ہے ، تم ٹھہر جاؤ ، میں بڑا سا ڈالا توڑ لا دیتا ہوں ، چاہو جتنے پتّے توڑ لو ۔

کریمن : اے لڑکے! ہم جھاڑ کا پتّہ نہیں مانگتے ، مگر ایک جوان پُر ارماں کا نشان پوچھتے ہیں ۔ سن ! ہمارے شہر سے ایک شخص خفا ہو کر بھاگ آیا ہے ، اُس کی تلاش میں آئے ہیں ۔

لڑکا : جب تو تم بھی یہاں سے بھاگ جاؤ ۔

کامدین : اے یار ! تو کہیں دیکھا ہو تو بتا دے ۔ اُس کے عوض تجھ کو مال و زر بہت سا دیں گے ۔

لڑکا : اچھا کہو ، تم کس کو ڈھونڈھتے ہو ؟

کامدین : سن ! ایک ہمارا نوجوان شہزادہ ہے ، اُس کو ۔

لڑکا : کیا نو دس جوان شہزادے ؟

کریمن : ارے بھائی ! نو دس نہیں ، مگر ایک شہزادہ گم ہوا ہے ۔

لڑکا : اچھا تم کتنے ہو ؟

کامدین : ہم دو ہیں ۔

لڑکا : تم دو ہو ، جب تو سنو ! ایک لیوے یہ راستہ ، دوسرا وہ راستہ ۔ اِدھر نہ ملا تو اُدھر ضرور ملے گا ۔

کریمن : اے بھائی ! ہمیں دیر ہوتی ہے ، برائے خدا شہزادے کا پتا دے ، اشرفیاں دیں گے ۔

لڑکا : سنو بھائی ! کئی روز ہوئے کہ ایک جوان پُر ارمان ، جان نہ پہچان ، دریا میں ڈوبا ہوا یہاں آیا تھا ۔ ہمارے مالک سے ملاقات کر کے شہر میں گیا ہے ۔ اب تم بادشاہ کے دربار میں جاؤ تو ضرور تم کو ملے گا ۔

کامدین : شکر ہے اے جامع المتفرقین! کچھ پتا شاہزادے کا ملا ۔ (کریمن سے) اے برادر! چلو شاہ کے دربار میں جائیں ۔ یقینِ کامل ہے کہ مرادِ دل حاصل ہوگی ۔

[دونوں کا جانا]

باب پہلا

پردہ گیارھواں

راستہ

[آنا دونوں وزیروں کا]

کامدین : غزل[1]

شکر واجب ہے ترا رب العلا
کچھ پتا ہے شاہزادے کا ملا

خاکِ صحرا چھانتے تھے اے فلک!
تو نے اک گردس میں لا پہنچا دیا

تو ہی ساقی بن کے اے پیرِ فلک!
شربتِ دیدار دے ہم کو پلا

جو وصیت ہے شہِ مرحوم کی
ہم سناویں گے اگر وہ مل گیا

اے برادر! چلیے اب دربار میں
کیا عجب، حاصل ہو دل کا مدعا

کریمن : بے مثل ہے جہان میں یہ شہر لا کلام
بازار ہیں قرینے سے آراستہ تمام

---

۱ - طرز : دفن کرنا مجھ کو کوئے یار میں

شاید کسی کی شادی کی ہوتی ہے دھوم دھام
رنگیں لباس پہن کے پھرتے ہیں خاص و عام

دیکھو ہر اک محلے میں بزمِ سرور ہے
دربارِ بادساہ میں جانا ضرور ہے

[جانا دونوں وزیروں کا]

باب پہلا

پردہ بارھواں

دربار

[الماس شاہ اور آرزو دربار میں بیٹھے ہیں ، خداداد بھی موجود ہے]

خداداد : اے مہ اوجِ سپہرِ عدل و داد !
لطف سے تیرے ہوئی حاصل مراد

جان و دل سے آپ کا ہوں خانہ زاد
آیا تھا غمگیں ، اب ہوں ساد شاد

آپ کا میں بندۂ احسان ہوں
ہر طرح سے تابع فرمان ہوں

آرزو : **گانا**[1]
فدا[1] ہوں تجھ پر یوسفِ ثانی مثلِ زلیخا دل پارہ
اے شہِ خوبی تیری! فرقت کا نہیں دم بھر یارا
پیچ وخم میں کاکل کے پھنسا ہے طائر دل ہو دیوانہ
نوکِ مژہ سے چاکِ دل ہوا میرا مثل شانہ
بادۂ الفت نوش کریں ، اے ساقی بھر دے پیمانہ
سوزِ عشق سے شمع رو بنا ہے یہ دل پروانہ
تیغِ ادا سے ظریف کو بے موت تو اے قاتل مارا
——— اے شہ خوبی

---

۱ - لاونی - طرز : جب سے ملی تیرے در کی خاک صندل کا ۔

[چوبدار داخل ہوتا ہے۲]

چوبدار : عرض ہے ، سنیے شہنشاہِ جہاں !
رشکِ حاتم ، غیرتِ نوشیرواں
ہیں درِ دولت پہ آئے دو امیر
حکم ہو تو اُن کو لے آؤں یہاں ؟

الیاس : سگفتہ ہیں گل تیری گفتار میں
لے آ دونوں بلبل کو گلزار میں

[چوبدار کا جا کے لے آنا دونوں کو دربار میں ، دونوں کا آداب بجا لانا]

الیاس : کون ہو تم کہاں سے آئے ہو
مجھ سے چھپتے ہو کیا ؟ بیان کرو

کامدین : کیا کہیں ، چرخ کے ستائے ہیں
سر پہ رنجِ سفر اٹھائے ہیں
اپنا شہزادہ ہوگیا ہے گم
اُس کی ہم جستجو میں آئے ہیں

خداداد : سناؤ نام کیا ہے کا تمھارا ؟

دونوں : خداداد ہے تو شہزادہ ہمارا
[دونوں کا لپٹ جانا خداداد سے]

الیاس : کہو اے خدادادِ والا تمیز !
یہ ہیں کون ، آئے کہاں سے عزیز !

خداداد : اے رونقِ تاج و سریر ! یہ دونوں وزیر با تدبیر میرے والدِ روشن ضمیر کے ہیں ، مگر یہاں اُن کے آنے کا سبب کچھ معلوم نہیں ہوا ۔

---

۲ ۔ اصل : چوبدار دست بستہ عرض کرنا ۔

کامدین : سن اے ساہزادۂ والا تبار! آپ کے والدِ بزرگوار غمِ مفارقت سہتے سہتے جانِ شیریں بہ بلغ کامی سے دیتے وقت ہم کو یہ وصیت کرگئے کہ میں اپنے کیے پر پشیماں ہوا، اپنے ظلم و جور کی تجھ سے معاف چاہتا ہوں۔ بعد میرے، فرزند ارجمند کو تلاش کرکے میرے تخت پر بٹھا کے یہ مُہرِ شاہی دو۔ لیجیے، اور وہ جو دشمن تمھارا تھا، اُس کو مقیّد کرکے رکھا۔ اُس ملعون کی سزا تمھارے اختیار میں ہے۔ بہتر یوں ہے کہ اپنے وطن رشک عدن کو روانہ ہوں۔

خداداد : لب بند ہوگئے مرے، تقریر کیا کروں
رعشہ ہے میرے ہاتھ میں، تحریر کیا کروں

حیراں ہوں، سوجھتا نہیں، تدبیر کیا کروں
بن کے بگڑ گئی مری تقدیر، کیا کروں

چھٹتا تھا دل جدا نہ ہوں قدموں سے آپ کے
لاچار ہوگیا ہوں میں مرنے سے باپ کے

اے میرے وفادار وزیرو! میں تم سے جدا ہوا، ایک عرصہ گذرا۔ آفریں ہے تمھاری ہمت و وفاداری پر کہ میری جستجو میں یہاں تک آئے۔ اے شہنشاہ! سچ ہے بغیر سلطان رعیت بے سر ہے، دشمن کا ڈر ہے، میرا جانا بہتر ہے۔ للہ مجھے اجازت دیجیے، خوشی سے رخصت کیجیے۔

الماس : حکم ہے میرا ، وزیرِ کارساز !
نیز رو تیّار کر دے اک جہاز

جو کہ ہے سامان درکارِ سفر
نعمتیں دنیا کی بھر دے خشک و تر

عیش و عشرت کے ہوں سب ساماں وہاں
اور مہیّا کر شرابِ ارغواں

چند خدمت گار دے ہمراہ میں
تا نہ ہو تکلیف ان کو راہ میں

اور خواصوں کو بھی کر تیّار تو
جائے گی ہمراہ اُن کے آرزو
[جانا وزیر—کا خداداد سے مخاطب ہو کر]
اے خداداد ! میرے لختِ جگر
شبِ رخصت ہے ، صبح کیجے سفر

بزمِ عشرت میں بیٹھے نورِ نظر
پئیں جامِ شراب بھر بھر کر

ان کی واجب ہے مجھ پہ مہمانی
دور ہو راہ کی پریشانی

ڈراپ سین

باب دوسرا

پردہ پہلا

دریا

[خداداد کا جہاز آنا ، دریا میں آون کا پیدا ہونا ،
آرزو کا مر جانا ، خداداد کا آرزو کی لاس کو صندوق
میں بند کرکے دریا میں ڈالنا]

خداداد : لڑکی تولّد ہوتے ہی دلدار آرزو
نادان کو چھوڑ کے گئی ، غمخوار آرزو

کیوں پرورش یہ ہوئے گی ، لاچار آرزو !
کیا بیٹھے بیٹھے مر گئی یک بار آرزو

دریا میں آپ جاتی ہے آواں کو چھوڑ کر
شوہر سے اور بیٹی سے منہ اپنا موڑ کر

پردہ دوسرا

حکیم کا گھر

[حکیم دانشمند کا داخل ہونا]

گانا[1]

حکیم : لقمان کا گرچہ خلق میں مشہور نام ہے
پر میرے آگے اُن کی طبابت تمام ہے
نقراط ، جالینوس ، فلاطون ، اوقلیمون
شاگرد میرے چار ہیں ، یہ اُن کا نام ہے
بیمار کو شفا ہو تو اچھا مریض ہو
کرتا ہوں اک کھلا کے دوا دونوں کام ہے
کھانے بیا[2] کے واسطے نسخہ کوئی مرا
بے شک حلال بی بی بھی اُس کو حرام ہے

[آنا مریض کا]

مریض : سنیے حکیم صاحب لیتا ہوں میں بہت ناس
اس کا علاج کرنا ، کرکے بہت قیاس

حکم : ناس مت لو ، بارہا میں تم کو سمجھاتا رہا
ناس کے ہمرہ تمہارا مغزِ سر جاتا رہا

---

۱ ۔ طرز : اس آتش الفت نے جو
۲ ۔ غالباً ”بیاہ“ کی خرابی ہے ۔ وہار

یہ بلا سب سے بڑی ہے کیا کروں اس کا علاج
مغز سے خالی ہوا سر جب تو کھجلاتا رہا

[آنا دوسرے مریض کا]

دوسرا مریض : حکیم صاحب مر گیا ! حکیم صاحب مر گیا !

حکیم : لا حول ولا ! یہ اچھا بیمار آیا کہ حکیم صاحب کو مار ڈالا ۔ کیوں صاحب کون سا حکیم مر گیا ؟

دوسرا مریض : ہائے ہائے حکیم جی ! کیا کہوں ؟ ہماری اماں جان نے رات کو چنے کی روٹی جلی ہوئی مجھے کھلائی ، جب سے میرے شکم میں درد ہو رہا ہے ۔ ارے رے کچھ علاج کرو ، میں مرتا ہوں ۔

حکیم : اچھا سنو ! تمھاری آنکھوں میں دوا ڈالی چاہیے ۔

دوسرا مریض : حکیم صاحب ! میں اندھا نہیں ہوں ، میری آنکھیں تارے جیسی چمکتی ہیں ۔ تم آنکھوں میں دوا ڈالتے ہو ؟ شکم میں درد ہوتا ہے ۔

حکیم : ارے اندھے ! اگر تجھے آنکھوں سے نظر آتا تو جلی ہوئی روٹی کیوں کھاتا ! خبردار دوسرے وقت جلی ہوئی غذا نہ کھانا ۔

[آنا تیسرے مریض کا]

تیسرا مریض :

جب سے تپ آئی ہے مجھ کو ، تب سے آتا ہے بخار
اب تو دبلا ہو چلا جاتا ہوں دیکھو نامدار !

حکیم : ایک دم گولیاں تو کھا لے دو
تین دست آ گئے تو اچھا ہو

چار ساعت میں پائے گا آرام
پانچ رکھ دیجیے دوا کے دام

تیسرا مریض :
چھ دنوں تک میں آزماؤں گا
ساتھ ہی دام بھی چکاؤں گا

[آنا چوتھے مریض کا]

چوتھا مریض : ارے رے رے حکیم جی ! سر میرا مارے درد کے پھٹا جاتا ہے ، او ہو ہو ہو ہو !

حکیم : ارے میاں ! تمھارے سر میں کدھر سے درد شروع ہوتا ہے ؟ ذرا بتاؤ تو علاج کروں ۔

چوتھا مریض : (کان کے اوپر پکڑ کے) دیکھیے یہاں سے اٹھتا ہے تو تمام سر میں پھرتا پھرتا یہاں آکے بیٹھتا ہے ، اہا ہا ہا !

حکیم : اچھا فکر نہ کرو ، چند روز میں بہتر ہو جائے گا ۔

چوتھا مریض : حکیم جی ! مجھے تو شام کو بارات میں جانا ہے ، کوئی ایسی دوا دو کہ فوراً اچھا ہوں ۔

حکیم : ایسی بات ہے تو سنو ! میرے پاس دوا موجود ہے مگر دام زیادہ دینا ہوگا ۔ لو !

[جیب میں سے دوا کی شیشی نکال کر سنگھانا]

کیوں صاحب ! وہ درد سر سے جاتا رہا یا نہیں ؟

چوتھا مریض : (سر ہلا کے) واہ وا حکیم جی ! درد بالکل جاتا رہا ۔ کیا اچھی دوا سنگھائی ۔ فرمائیے آپ کے دام کیا ہوئے ؟

حکیم : میں پہلے سے کہہ چکا ہوں کہ دوا قیمت دار ہے -
غریب معلوم ہوتے ہو ، پچس دام دو ، زیادہ
نہ لوں گا -

چوتھا : واہ حکم صاحب ! کیا مجھے احمق جانا جو پچیس
دام مانگتے ہو ؟ بھلا آپ نے مجھے کیا دوا کھلائی
جو اتنے دام کہتے ہو ؟ خیر سہی ، آپ نے دوا کی
شیشی ایک بار مجھے سنگھائی ، لو یہ دام لو ، آپ
دو بار سونگھو ، اور کیا چاہتے ہو ؟

[دام حکیم جی کی ناک پر رگڑ کر بھاگ جانا سب کا]

حکیم : واہ وا ! اگر ایسے ہی بیمار روز آیا کریں گے تو
مارے فاقوں کے بیمار ہو ، مر جاؤں گا - خدایا !
کسی غریب کو بیمار نہ کر ، سوا امیروں کے -

[آنا ماہی گیروں کا صندوق سر پر لیے ہوئے]

ماہی گیر: دریا میں بہہ کے آیا صندوق ، ہم نے پائے
اس کو اٹھا تمھارے یہ روبرو لے آئے
تم کھول دیکھو اس میں شاید کہ ہوں جواہر
بھاری بھی کس قدر ہے ، اٹھتا نہیں ہے ہائے

[حکیم جی کا صندوق کھولنا ، آرزو کی لاش کو دیکھنا]

ماہی گیر: ارے رے رے یہ تو عورت ہے !

دوسرا : واہ وا ! کیا خدا کی قدرت ہے !

تیسرا : ہاں مگر تن سے جاں کی رخصت ہے

حکیم : اے نادانو ! یہ مردہ نہیں زندہ ہے ، جلد تم جا کے

میرے دواخانے سے لال دوا کی شیشی لے آؤ۔

[ماہی گیر کا جانا ، حکیم جی کا صندوق میں سے خط اٹھانا]

حکیم : مگر یہ خط کیسا ! پڑھیے، شاید اس کا حال خط میں لکھا ہوگا۔

[بلند آواز سے پڑھتے ہوئے]

سن ، خداداد ہے گا مرا نام
اور خجستانی کہتے خاص و عام

نام ہے آرزو ، مری بی بی
میرے ہمرہ جہاز پر یہ بھی

دردِ رہ سے ہوئی بہت مضطر
جب تولّد ہوئی اسے دختر

اسی حالت میں مر گئی دلبر
بند صندوق میں یہ لاشہ کر

اس کو دریا میں ہم نے ڈالا ہے
غم کے داغوں سے سینہ لالہ ہے

گر یہ صندوق کو کوئی پاوے
یہ وصیّت مری بجا لاوے

سبھی اس کا اُتار لے زیور
دفن للہ کرے تو ہے بہتر

[ماہی گیر کا شیشی دوا کی لے آنا ، حکیم جی کا آرزو کو سنگھانا ، آرزو کا زندہ ہو کر عالمِ حیرت میں آنا]

آرزو : میں آئی کہاں اور تم کون ہو ؟
کہاں ہے خداداد میرا ، کہو ؟
میں بیدار ہوں یا کہ کرتی ہوں خواب
نہ خاموش ہو ، دے دو مجھ کو جواب

حکیم : اے دخترِ نیک اختر ! میں نے تجھے اس صندوق سے باہر نکالا ہے اور یہ خط بھی صندوق میں پایا ہے - اِس کے سوا ہم نہیں جانتے کہ تو کون ہے اور یہ کیا ماجرا ہے -

آرزو : (خط آنکھوں سے لگا کے) یہ تو مرے شوہر خداداد کا خط ہے ، یا پروردگار ! یہ کیا اسرار ہے ؟

حکیم : اے لڑکی تو غم نہ کر ، میں اس شہر میں حکیم ، مشہور نزدیک دور ہوں - یہاں ایک پرستش گاہ ہے ، اس میں اکثر نیک بیباں پرہیزگار رہتی ہیں ، تو بھی وہاں جا کے مکین ہو ، انشاء اللہ تیری دل کی آرزو بر آئے گی -

آرزو : **گانا**[۳]

تمھارے حکم کے موجب میں سوے دیر جاتی ہوں
لگا کے خاک منہ پر ، حال جوگن کا بناتی ہوں

برہمن آتشِ فرقت میں اپنا جی جلاتی ہوں
مجھے غم کھا رہا ہے، پر نہیں میں غم کو کھاتی ہوں

وہ بے خود ہوں کبھی میں ہوش میں گر اپنے آتی ہوں
بھگت کی راگنی ہر گت میں گا گا کر سناتی ہوں

---

۳ - طرز : مجھے اے دوست تیرا ہجر اب ایسا ستاتا ہے

کسے او را نمی داند کہ من دانم دلِ من را
دلِ من داند و داند کہ من دانم دل من را

دوہا

ہانھ جرن لگو بید کو دیکھ ناڑی ہائے
کبھو چڑھی تپ عشق کی کیسے آتاری جائے

غزل

برنگِ مہرِ تاباں عارضِ روشن چمکتا تھا
نظر بھر تجھ کو اے مہرو، کوئی کب دیکھ سکتا تھا
کبھی پہلو سے میرے جانِ من دم بھر سرکتا تھا
کلیجہ منہ کو آتا تھا ، ہمارا دل دھڑکتا تھا
خیالِ ہجر میں شعلہ سا اک تن میں بھڑکتا تھا
وہیں پر طائرِ جاں مرغِ بسمل سا پھڑکتا تھا

بہ زاری می‌دہد جانم نمی پرسد مرا جاناں
مسلمانی نمی‌دانم کجا شد اے مسلماناں !

دوہا

رام ہوگئی ہوں اس بت کی مذہب سے کیا کام
ظریفِ عشق کی کافر ہوں میں ترک کروں اسلام

باب دوسرا

پردہ تیسرا

راستہ

[آنا سپاہی کا حکم ِ خداداد سے ، اشتہار کرنا شہر ِ ایران میں]

سپاہی : اے قحط زدو ! آفت رسیدو ! عورت مرد کو معلوم ہو کہ ہمارا شہنشاہ ، عالی جاہ ، رعیت پناہ ، غریب پرور ، دادگستر ، عالی مقام ، خداداد نام والیٔ حجستان کا جہاز اس بندرگاہ ِ عدن میں لنگر انداز ہوا تھا - ہرکاروں نے خبر لائی کہ اس شہر میں کال پڑا ہے ، بندگان ِ خدا خراب و خستہ ہوتے ہیں - یہ سنتے ہی فرمایا کہ ہمارے جہاز میں بہت سا غلہ بھرا ہوا ہے ، بھوکوں کو تقسیم کردو - جس کی طبیعت چاہے لب ِ دریا آوے ، جتنا کہ اٹھاوے لے جاوے -

سب آدمی : بہتر و بہتر -

[جانا سپاہی کے بعد سب کا]

باب دوسرا

پردہ چوتھا

محل

[کیقباد اور مہر انگیز بیٹھے ہیں ۔ آیا خداداد کا
اون کو ہاتھوں میں لیے ہوئے]

قباد : تم خداداد ہو خجستہ خصال
تھی رعیت مری ہوئی پامال
کرکے تقسیم غلہ و دینار
مجھ پہ احساں کیا ہے تم نے کمال

خداداد : یہ کیا آپ فرماتے ہو مہرباں
کہاں آپ کا رتبہ اور میں کہاں
یہ کلمہ سزاوار میرے نہیں
مین ہوں آپ کا بندۂ کمترین
مگر میرا سنیے گا کچھ ماجرا
کہ زیرِ فلک مجھ پہ گزرا ہے کیا
یہ ہے میری دختر اے شاہ جہاں!
گئی اس کی مادر بہ سوئے جناں
یہ لڑکی کو اب آپ ہی لیجیے
پدر کی طرح پرورش کیجیے

کہوں کیا ہے درپیش مجھ کو سفر
میں واپس ہو، لے جاؤں گا اپنے گھر

مہرانگیز: (آون کو آغوش میں لے کر)

اپنی دختر سمجھ کے اس کو ہم
پرورش کرتے ہیں خدا کی قسم

قباد : پاس اپنے تو چند روز رہو
پھر جدھر جانا ہو، روانہ ہو

خداداد : ہے بجا آپ کا یہ فرمانا
کیا کروں جلد ہے مجھے جانا

میری خاطر جو کرنی ہو منظور
وہی آون سے کیجیے اے حضور

[جانا خداداد کا]

باب دوسرا

پردہ پانچواں

راستہ

[آرزو کا فراق خداداد میں گاتے ہوئے آنا]

آرزو : غزل[1]

زندگانی کیوں کہ ہو، بے یار ہوں
کب تلک تنہا ذلیل و خوار ہوں
دیکھیں کب ملتا ہے وہ خورشید رو
ایک مہ سے طالبِ دیدار ہوں
اُس مسیحا کا نہیں ہوتا وصال
ہجر میں جس کے کہ میں بیمار ہوں
باغِ عالم میں نہیں ملتا وہ گل
چشمِ ملک‌الموت میں کیا خوار ہوں
پیکرِ خاکی میں میری جاں نہیں
عالمِ ایجاد میں بے کار ہوں
جاتی ہوں گرچہ میں بحرِ التجا
صاحبِ حکمت کی تابعدار ہوں
گر نہیں ملتا خداداد اے ظریف
مرگ سے خوش، جینے سے بیزار ہوں

[جانا آرزو کا]

---

۱ طرز: دفن کرنا مجھ کو کوئے یار میں

باب دوسرا

پردہ چھٹا

دیوان خانہ

[سہرانگیز اور کھڑدل جلاد کا آنا]

سہرانگیز : سن اے جلاد حبشی ، کھڑدل نام
دور جنگل میں جا کے کر یہ کام
دشمنِ جان میری آون ہے
اُس کا خنجر سے کردے کام تمام

کھڑتل : حکم دل سے بجائے لاتا ہوں
آوے آون تو لے کے جاتا ہوں
پانی مانگے اگر پیاسی ہو
آب تلوار کا پلاتا ہوں

[آنا آون کا]

آون : **گانا**[1]

باپ نہ سر پر ماں ، ہائے کوئی بیکس کا نہیں ہے ،
جاتی نہیں کیوں یہ جاں
——— باپ نہ سر پر ماں
تیرے سوا کون خدایا سنے گا اب فریاد میری
درد و الم یہ دل کا سنانے آون جائے کہاں
———باپ نہ سر پر ماں

---

۱ - دیس - ٹھمری - طرز : واری تیا مجھے مار

مادر تو دریا میں گزر گئی ، بابا یاں لا کے چھوڑ گئے
دشمن سہرانگیز بنی ہے ، ہوں میں بہت حیراں
———باپ نہ سر پر ماں

ظریف کیوں کر خشک نہ ہو ، گلزار جہاں میں نخل مراد
غنچۂ دل سرسبز ہو کیوں کر ، چل گئی بادِ خزاں
———باپ نہ سر پر ماں

[سہرانگیز کا آون کو تسلی دینا]

سہرانگیز : دل ہے گر بے قرار جانِ من
تیرا ، تو جا کے کر لے سیرِ چمن

دور ہو جائے دل سے رنج و محن
جوش پر گلستاں کا ہے جوبن

لے کے کھڑتل کو ساتھ تم جاؤ
دلِ غمگیں کو اپنے بہلاؤ

[کھڑتل کے ساتھ جانا آون کا]

پردہ ساتواں

جنگل گھیرا

[آون اور کھڑتل کا آنا]

آون : مجھ کو کھڑتل کہاں تو لے آیا
یہی گلشن ہے بادشہ کا کیا ؟

کھڑتل : سیر کیسی ، کہاں کی فصلِ بہار
تیری گردن ہے اور مری تلوار

آون : کیسا کھڑتل سنایا تو نے کلام
خوف خالق کا کر ، زباں کو تھام

کھڑتل : تجھ کو اس واسطے یہاں لایا
اسی خنجر سے کاٹنے کو گلا

آون : اج تو مجھ کو مار ڈالے گا
کل خدا کو جواب کیا دے گا ؟

کھڑتل : کل کی کس کو خبر ہے اے ناداں
ابھی لیتا ہوں دیکھ تیری جاں

[آون کا سر جھکا کر بیٹھنا اور گانا]

کافی[1]

آون : کیوں دیر کرتا ہے خنجر نکال
سر ہے تن پر وبال

---

۱ - طرز : چین نہیں میں نے پائی ذرا -

کیا سوچتا ہے تو اے بدخصال !
کر دے مجھ کو حلال
——کیوں دیر کرتا ہے

بس (اب) زندگانی گوارا نہیں
غم کا یارا نہیں
سوائے خنجر سہارا نہیں
کوہِ غم سر سے ٹال
——کیوں دیر کرتا ہے

مادر میری کر گئی ہے سفر
بابا ہیں بے خبر
آہوں میں بالکل نہیں ہے اثر
میرے سا ذوالجلال
——کیوں دیر کرتا ہے

گر تجھ کو بیگم کا فرمان ہے
لے حاضر مری جان ہے
کرے قتل مجھ کو تو احسان ہے
ہوں بہت خستہ حال
——کیوں دیر کرتا ہے

بعد میرے قتل کے بھائی جاں
لاش میری یہاں
دینا دبا خاک میں مہرباں !
تا نہ ہو پائمال
——کیوں دیر کرتا ہے

امرِ خدا سے تو چارہ نہیں
اے ظریفِ حزیں !
مرے خون سے ہوگی تر یہ زمیں
سرخ ہوں گے نہال
——کیوں دیر کرتا ہے

[خنجر اٹھانا برائے قتلِ آون ۔ آنا چوروں کا ، اٹھا لے جانا آون کو]

کھڑتل : خدا اپنے بندوں کا ہے پاسباں
یہ خنجر سے آون کی لیتا تھا جاں
شتابی سے چوروں کو بھیجا یہاں
بچانے کو آون کے ، ہو مہرباں
ہرن کا لہو لے کے جاؤں گا میں
دکھا خوب انعام پاؤں گا میں

[جانا کھڑتل کا]

پردہ آٹھواں

محل

[آنا مہرانگیز اور قباد کا اور غضب ناک ہو کہنا]

قباد : اری مہرانگیز ، او بے حیا !
بتا میری آون نے کیا کی خطا ؟
جو دی بے سبب خون اُس کا بہا
قیامت میں کیا حال ہوگا ترا ؟
امانت تھی آون خداداد کی
اُسے قتل کر تو نے بیداد کی

مہرانگیز : اے شہنشہ ! دور کر دو دل سے آون کا خیال
قتلِ آون سے ہوئے کیوں آپ رنجیدہ کمال ؟
میں نے اُس کی پرورش کی تھی، سنو اے خوش خصال !
میں نے اُس کی جان لے لی آپ کو کیوں ہے ملال ؟
میں نے کی سرسبز اُس کو ، میں نے کردی پائمال

قباد : بے ہودہ میرے روبرو تکرار کرتی ہے
اپنی زباں سے قتل کا اقرار کرتی ہے
اور پرورش کا حال بھی اظہار کرتی ہے
حیلے بہانے مجھ سے اے مکار کرتی ہے

کہا دیں گے ہم وہ صاحبِ اولاد آئے گا
اون کو لیے جب کہ خداداد آئے گا

مہرانگیز : کہہ دینا اس کو آوے گا اون کا حب پدر
بیمار ہو کے مر گئی اون اے ناسور!

دارِ فنا سے ملکِ عدم کر گئی سفر
اس مہ کے غم سے مثلِ کتاں پارہ ہے جگر

چوراستے پہ گنبدِ عالی بنائیے
اون کا ہے مزار یہ لکھ کر لگائیے

قباد : حیراں ہوں کیوں تو درپئے آزار ہوگئی
اون کی جان لے کے گنہ گار ہوگئی

مہرانگیز : یہ وجہ دشمنی کی ہے اے شاہ نیک خو
زربانو میری بیٹی بھی ہے گرچہ ماہرو

حسن و جمال میں کبھی اون کے روبرو
تھا فرق صبح و شام کا کموں باقی آبرو

زربانو ماہتاب ہے، وہ آفتاب تھی
اس واسطے میں قتل کیے، لاجواب تھی

قباد : نزدیک سے مرے اے ستمگار دور ہو
صورت دکھا نہ مجھ کو اے مکار دور ہو

[جانا قباد کا خفا ہو، بعد میں جانا مہرانگیز کا]

—

باب دوسرا

پردہ نواں

کُٹنی کا گھر

[ٹاٹو نام کُٹنی کا مکاں میں رہنا ، آنا چور کا ، کہنا ٹاٹو کا چور سے]

ٹاٹو : ارے بھائی ! یہ چھوکری کو تونے کہاں سے لے آیا کہ یہ قحبہ میرا کہنا بالکل نہیں مانتی ، کیا کروں ۔ سن جو گاہک یہاں آتا ہے ، اُس کو اُلٹا پلٹا سمجھا کے کورے کا کورا روانہ کرتی ہے ۔ اے بابا ! تو اس کو واپس لے جا اور میرے روے مجھے دے دے ۔ میں اس کو کیا کروں ۔

چور : اے ٹاٹو[1] تو کیوں گھبراتی ہے ؟ یہ ابھی کم سن ہے ، شرماتی ہے ۔ رفتہ رفتہ کمائے گی ، تجھے گھی روٹیاں کھلائے گی ۔

[گراک[1] کا در کو ٹھوکنا[2] ، ٹاٹو کا کہنا]

ٹاٹو : کون ہے ، کون ہے ؟

روی تن : اجی کیا تم مری آواز پہچانتی نہیں ، جو کون ہے ، کون ہے ، کہتی ہو ۔ میں روی تن ہوں ۔

---

۱ ۔ بمبئی کی زبان میں گاہک کا مرادف ۔

۲ ۔ متن میں اس کے علاوہ بھی دروازہ کھٹکھٹانے کے لیے "ٹھوکنا" ہی استعمال ہوا ہے ۔ وقار

ٹاٹو : دیکھا بابا ! ایسے ایسے تازے آنکھوں کے اندھے ، کھیسے کے بھرے ، چلے آتے ہیں مگر یہ قحبہ آن سے بات ہی نہیں کرتی - پھر میرا گزر کسا ہوگا ؟ دیکھ ہیرے روبرو چھوکری کو سمجھاتی ہوں - (آون سے) ادھر آ بیٹی ادھر ! ! تو کیوں شرماتی ہے ؟ سن یہ جو گاہک آیا ہے اس شہر کے امیر کبیر کا لڑکا ہے - میں در کھولتی ہوں مگر تو اس سے اچھی طرح ملاقات کرنا - ناز نخرے سے باتیں کرکے بالکل پاگل بنا ، روپے سب نکالنا - (چور سے) اے بیٹا ! تو ذرا دوسرے مکان میں پوسیدہ ہو جانا - یہ آبرو والے کا لڑکا ہے - تجھے دیکھے گا ، شرمائے گا ، چلا جائے گا -

[چور کا دوسری کوٹھری میں جانا ، ٹاٹو کا در کھولنا ، آنا روی تن کا]

ٹاٹو : آئیے آئیے ! بہت دنوں بعد آنا ہوا - شاید راستہ بھولے - دیکھیے یہ چھوکری کنواری تمھارے واسطے لے آئی ہوں - بیٹھیے ، بات چیت کیجیے ، میں آتی ہوں -

[جانا ٹاٹو کا]

روی تن : (دست ہوس دراز کرتے ہوئے) کیوں جی ! آپ گانا بجانا بھی جانتی ہو یا نہیں ؟

آون : ہاں ہاں صاحب ! آپ جیسے شرفا سے یہ حرکت بے جا ہونا زیبا نہیں - دور ہو ، خدا سے ڈرو - سنو ! کچھ میں مال زادی نہیں ہوں - کیا کروں ، یہ

کُٹنی مجھے بزور یہاں رکھی ہے - دیکھیے یہاں سے
خدا مجھے کب نکالتا ہے - بے بس ہوں -

روی تی : (خوفِ خدا سے گھبرا کے) خیر یہ ہماری خطا
برائے خدا معاف کرو ، مگر کچھ گاؤ ، ہمیں سناؤ ،
تم کون ہو ؟

غزل[۳]

آون : جس کو کہ اس جہاں میں سرم و حیا نہیں
حیوان ہے وہ ، بشر اُسے کہنا روا نہیں

دختر ہوں بادساہ کی ، آون ہے میرا نام
کٹنی نہ حور لائی ہے ، میں بیسوا نہیں

ماں باپ سے چھڑا ، یہاں تقدیر لائی ہے
والی مرا سوائے خدا دوسرا نہیں

عصیاں کے داغ سے ہے مری پاک دامنی
مجھ کو نگاہِ بد سے کسو نے چھؤا نہیں

کٹنی کے گھر سے مجھ کو رہا کیجیے ظریف
واللہ میرے رہنے کے قابل یہ جا نہیں

روی تن : غم نہ کر غم نہ کر ، اے خستہ جگر !
میں بھائی تیرا اور تو ہے خواہر
شہر میں اِک حکیم کا ہے گھر
تجھ کو کٹنی کے گھر سے لے جا کر

---

۳ - جھنجھوٹی - طرز : دارِ فنا سے دل کو اٹھانے کا یا نہیں -

سونپ دوں گا حکیم صاحب کو
وہاں پہنچے گی اپنے مطلب کو

[بیسوا سے مخاطب ہو کر[۴]]

اے بے شرم و بے حیا مکار بیسوا ! تو سچ کہہ ، اس لڑکی کو کہاں سے لے آئی ۔ اگر بھلائی چاہتی ہے تو اس لڑکی کو میرے حوالے کر ، نہیں تو یقین جان کہ تیرا آدھا سر کالا کر کے شہر بدر کرا دوں گا ۔ اے فحشہ ! شریفوں کی بہو بیٹیاں کو مکر و فریب سے لے آ ، بگاڑتی ہے ؟

ٹو : توبہ توبہ ! آگ لگو ایسے دھندے کو کہ ہزاروں آفتیں لاکھوں مصیبتیں اٹھانی پڑتی ہیں ۔ سو صاحب ! میں اس لڑکی کو بھگا نہیں لے آئی ، بلکہ مول کو لے آئی ہوں ۔ پچاس روپے دیے ہوں ۔ کیا کروں آپ خوب جانتے ہو کہ میرا دھندا کیا ہے ۔

وی تی : اچھا یہ پچاس روپے ہیں ، لے ! اس لڑکی کو میں لیے جاتا ہوں ۔

ٹو : (روپے لیتے ہوئے) حضور ! یہ لونڈی مجبور بے قصور ہے ۔ جس طرح آپ فرمائیے مجھے منظور ہے ۔ جیسا بیپار چاہتا تھا ویسا ہی حکیم جی نے فرمائے ۔ جانے دو ، محبہ تو رکھ کے کیا کروں ۔ گراک[۵] کو ہاتھ لگانے کیا دیتی جو سیدھی بات تک نہیں کرتی ہے ۔

[جانا روی تن کا آون کو لے کے]

---

۴ ۔ اضافہ مرتب ۔ وقار

۵ ۔ اس سے پہلے بھی آیا ہے ، گاہک کے لیے ۔ وقار

باب دوسرا

پردہ دسواں

مکان

[حکیم دانشمند بیٹھے ہیں ۔ روی تن کا آون کو لے کے آنا]

روی تن : السلام علیکم! حکیم صاحب! سسے یہ لڑکی بے وارث ہے ، للہ آپ پرورس کیجیے ۔

حکیم : اے صاحب ! آب کا فرمان بدل و جان قبول ہے ۔ اپنی دختر جان کے پرورش کروں گا ۔ اے نیک بخت لڑکی ! مجھے اپنا پدر تصور کر کے یہاں رہو ، کسی بات کا غم نہ کر ۔

ڈراپ سین

باب تیسرا

پردہ پہلا

اگن بوٹ سٹیشن پر

دونوں وزیر : گانا[1]

غم سے تورے ہم غم پاوے ، چھانڈ غم کو پیروا
چھانڈ غم کو پیروا ، شہزادے خداداد ،
چھانڈ غم کو پیروا

کامدیں : چین سے تورے ہم سکھ پاوے کچھو بھلا جیروا
کچھو بھلا جیروا ، سہرادے حداداد ،
چھانڈ غم کو پیروا

کریمن : نوری آداسی دیکھ کے ہمرا جلے کیوں نہ جگروا ،
جلے کیوں نہ جگروا -- سہزادے

کامدین : بن من کانپت جیسے مچھریاں ، کینو توہے نجروا ،
کینو توہے نجروا -- شہزادے

کریمن : پتر کو تیری ہر کی دیا ، سے پاوے نیک خبروا ،
پاوے نیک خبروا -- سہزادے

---

۱ - پیلو ، ٹھمری - طرز : تو نہ کملا جیروا...

کامدین : داس جریف کا مانو کہا مل جاوے سگروا
مل جاوے سگروا ــــ شہزادے

حکیم : اے صاحب! آپ کا اس بندر پر کس واسطے آنا ہوا؟
اور آپ کے سردار کو کیا بیماری ہے؟ میں حکیم
ہوں ۔ بیان کرو انشاء اللہ تعالیٰ شفا ہو جائے گی ۔

کامدین : حکیم صاحب! سنیے، یہ جو بے ہوش پڑے ہیں،
ہمارے بادشاہ عالی مقام خداداد نام ہے ۔ مگر ایک
حادثہ دل پر عظیم گزرنے سے یہ حالت ہوئی، یعنی
شاہ کی ایک دخترِ خورد سال کو بادشاہِ ہمدان کے
حوالے کیے تھے ۔ اب اُس نورِ نظر کے لیے کو
شہرِ ہمدان روانہ ہوئے تھے، ناگہاں ہرکاروں نے
خبر دی کہ دارِ فنا سے ملکِ بقا کو سفر کر گئی،
یعنی بیمار ہو مر گئی ۔ بادشاہ سنتے ہی ایک آہ مار
بے ہوش ہو گئے ۔ اس لیے ہم واپس شہر خجستان
کو جاتے ہیں ۔ مگر اب کوئی تدبیر کیجیے کہ بادشاہ
ہمارے ہوش میں آ جائیں ۔

حکیم : انشاء اللہ ابھی بادساہ کو ہوشیار کرتا ہوں، کیونکہ
کوئی بیماری نہیں مگر دل پر غمِ دختر چھا گیا ہے ۔
اُس کو دفع کرنے کی ایک تدبیر کرتا ہوں ۔ میرے
مکان میں ایک لڑکی شیریں گفتار، گانے میں ہوشیار،
مسیحائے روزگار ہے ۔ وہ اگر بادشاہ کے روبرو گاوے
گی، یقین کامل ہے کہ شاہ کو شفا حاصل ہوگی ۔
میں جاتا ہوں اُس لڑکی کو لے آتا ہوں ۔

[جانا حکیم کا]

دونوں وزیر : **گانا**[2]

غمِ شاہ سے چھتیں دھرک رہی
ارے دھرک رہی دھرکاے رہی
—— غمِ شاہ سے
ہر کی دیا سے جریف بجھاؤ
بن ماں اگن کیسی بھرک رہی
[آنا حکم کا آون کو لے کے]

آون : اے والدِ بزرگوار ! اس کمتر کو کیا ارشاد ہے ؟

حکیم : اے نیک بخت لڑکی ! سن ، یہ خجستاں کے شہزادے ہیں ۔ ان کی لڑکی مر جانے سے مارے غم کے بیہوش ہوگئے ہیں ۔ کوئی گانا ایسا سنا جس سے بادشاہ کو ہوش آ جائے ۔

آون : انشاء اللہ ! ہوشیار کرنا کیا بڑی بات ہے ، ابھی گاتی ہوں ۔ مگر سب تم دور ہو جاؤ ۔

[سب کا الگ ہونا]

گانا[3]

باغِ جہاں میں بلبلِ شیریں زباں ہوں میں
گانے میں رشکِ طوطیٔ شکر فساں ہوں میں

---

۲ ۔ ٹھمری ۔ طرز : درس بن اکھیاں ترس رہی
۳ ۔ طرز : اس آس الفت نے ہے کیا آگ لگائی

کس کو سناؤں گردشِ گردوں کے دور میں
جو جو ستم اٹھائے ہوئے آسماں ہوں میں

والد کا میرے مجھ کو نہ اب تک پتا ملا
بہرِ تلاش پھر کے کہاں سے کہاں ہوں میں

دل میں ظریف بحرِ محبت ہے جوش زن
دریائے غم میں غرق اے پیرو جواں ہوں میں

[خداداد کا کروٹ لے کے کہنا]

خداداد : ہاں ہاں ! یہ کون گاتی ہے ؟ کس کی آوازِ دردناک آتی ہے ؟

آون : حضور عالی ! میں ایک کم نصیب لڑکی ہوں ۔

خداداد : بس بس دور ہو کہ تیرے گانے سے اور دل میں درد زیادہ ہوتا ہے ۔

آون : خداوند عالم ! برائے خدا میرا ماجرا سنیے کہ چرخِ ستمگار نے کیا کیا رنگ بدلا ہے ۔

[آون کا یہ کہہ کے رونا ، خداداد کا ہوشیار ہو ، کہنا]

خداداد : اے لڑکی ! تو کیوں آبدیدہ ہوتی ہے اور تیرا چہرہ بھی پہچان کا معلوم ہوتا ہے ۔ بیان کر کہ تو کون ہے ؟ یہاں کیوں آئی ؟ میں حیران ہوں کہ میری دختر آون کی صورت سے تیری شکل و شباہت ملتی ہے ۔ اگر مرحوم آون زندہ رہتی تو تیری ہی جتنی ہوتی ۔ افسوس ! صد افسوس ! وہ تو خاک میں مل گئی مگر تیرے ماں باپ کون ہیں ؟ ان کے نام بتا ۔

آون : اے شاہ عالم ! کیا کہوں میں ایک سلطان کی

بیٹی ہوں -

خداداد : اے لڑکی ! اگر تو بادشاہ کی بیٹی ہے تو تیرا نام کیا ہے ؟ بیان کر -

آون : اے سلطان ! اس نا کام کا نام آون ہے -

خداداد : (گھبرا کے) ہاں ! ہاں ! آون آون ! آہ ! افسوس ! میری مرحوم لڑکی کا بھی نام آون تھا - کیا تیرا نام بھی آون ہے ؟ اچھا تیرا نام آون رکھنے کا سبب کیا تھا -

آون : سنیے حضور ! میرے والد بھی آپ جیسے بادشاہ ہیں - آون نام اس لیے رکھا کہ میری مادر دریا میں مجھے جنم دے ، آپ مر گئی تھی - میرے والد نے میرا نام آون رکھا اور مجھے شہرِ ہمدان میں قباد شاہ کے حوالے کیا تھا - اس کی بیگم نے کیا کیا ستم مجھ پر کیے -

خداداد : (آون کو گلے لگا کے) اے وزیر ! یہی میری دختر ، یہی میری آون نورِ نظر ہے -

دونوں وزیر :

مبارک ہو ! مبارک ہو ! شہزادی کی ملاقات -

خداداد : اے لڑکی ! میں ایک سوال کرتا ہوں ، اس کا جواب با صواب دے گی تو دل کو تسلی ہوگی - تیرے مادر و پدر کا نام کیا ہے ؟ بیان کر -

آون : آرزو ماں تھی شاہِ عالی مقام
اور خداداد باپ کا ہے نام

خداداد : (گلے سے لگا کر[۴])

سکر واجب ہے تیرا رب العلا
باپ سے بیٹی دیا تو نے ملا

شب خوشی کی ہے وزیرو حق شناس
دور کر دو ماتمی تن سے لباس

بزمِ عشرت کی تیاری کیجیے
بے خطر اب بادہ خواری کیجیے

بعد اس کے جا عبادت گاہ میں
سر جھکائیں درگہِ اللہ میں

عورتیں گرجا میں جو ہیں پارسا
اُن کی خدمت کرکے دل سے لیں دعا

۴ - اضافۂ مرتب - وقار

باب تیسرا

پردہ دوسرا

راستہ

[آنا آرزو کا فراقِ خداداد میں گاتے ہوئے]

غزل[1]

آرزو : کیجیے موقوف اے دل ! آہ و زاری کب تلک
برف و باراں کی طرح سے اشک‌باری کب تلک

مثلِ نرگس ہو گئے ہیں مردمِ دیدہ سفید
گلشنِ عالم میں اے گل انتظاری کب تلک

واصلِ دریائے خوبی ہوں تو دل تسکین پائے
ماہیِ بے آب سی یوں بے قراری کب تلک

دن بہت فرقت کے کاٹے اب دکھا شب وصل کی
ماہ رو کے ہجر میں اختر شماری کب تلک

جو کہ ہے تقدیر میں تحریر ، ہونا ہے وہی
عقل اور تدبیر کی شکوہ گذاری کب تلک

وصل کی مے کا پلا دے آج ایک اور جام
خونِ دل کی ساقیٔ غم بادہ خواری کب تلک

---

۱ - طرز : عشق کا خنجر لگا ہے دل پہ کاری...

گر نہیں ملتا خجستانی خداداد اے ظریف!
باغ جوبن میں رہے فصلِ بہاری کب تلک

[آنا عورتوں کا گاتے ہوئے - آرزو کا اُن کے ساتھ گاتے ہوئے چلا جانا]

عورتیں : **گانا**[2]

چلو چلو گرجا درمیاں
ساتھ ان کے اے بیباں

دل سے کرو یہ وردِ زباں
ہر دم نامِ یزداں

حکم سے تیرے ارض و فلک
ہوئے ہیں پیدا حور و ملک

یاد میں تیرے ہیں بیسک
جنّ و پری و انساں

ہم ہیں تیرے بندے خدا
لطف و کرم کر صبح و مسا

کون ہے دیگر تیرے سوا
اے ظریف! جائیں کہاں

[جانا سب عورتوں کا، آنا خداداد و آرزو کا گاتے ہوئے]

سب : **غزل**[3]

شکرِ خدا کے واسطے جاتے ہیں سوئے گرجا ہم
دست دعا اُٹھائے ہوئے، سر کو ادب سے کرکے خم

---

۲ - بطرز انگریزی : سر کو جھکا ہم خاص و عام -
۳ - طرز : روح بدن میں ہے...

جس کی تھی ہم کو جستجو ، مل گئی آون نیک خو
باقی ہے ایک آرزو ، اس کا ہے دل پہ رنج و غم

پاس نہیں وہ گل عذار ، باغِ جہاں ہے خار خار
دارِ فنا سے ایک بار ، جا کے وہ پہنچے در عدم

نے سو ہیں طریف زار گرجا میں ہے دل بقرار
چشم ہے غم سے اشک بار ، جانِ حزیں پہ ہے ستم

[جانا سب کا]

باب تیسرا

پردہ تیسرا

گرجا گھر

[آنا مردوں عورتوں]

گانا

عورتیں : ہم نے پیشِ خدا اپنے سر کو جھکا
دونوں ہاتھ اٹھا کرتے ہیں التجا

مرد : ہائے ہم صبح و شام، کرتے ہیں بد کام
ہو گئی عمر تمام، اپنی بے فائدا

عورتیں : جو گناہوں کے کار، نہ کیے زینہار
بخش پروردگار سب ہماری خطا

مرد : دانائے غیب ہے تو، لاریب ہے تو
بے عیب ہے تو، بے چون و چرا

عورتیں : کریں حمد میں گر، یک عمر بسر
ہو ادا کیوں کر، بندوں سے بھلا

مرد : بہتر ہے کہ اب، کر بند یہ لب
دیں پرور رب، سر اپنا جھکا

عورتیں : کس ظریف ہم، قلم کا قلم
ہو تجھ سے رقم، حمد مولٰی بھلا

آرزو : (خداداد سے مخاطب ہوکر)[1]

کس ملک سے تم آئے یہاں بندۂ خدا ؟
اور کون ہو ، سناؤ ، تمھارا ہے نام کیا ؟
حاصل خدا سے آپ کا کیا مدعا ہوا ؟
ہم سا لباس پہنے ہو سب ، کہیے برملا
حیراں ہوں ، میں بیان کرو کیا ہے ماجرا ؟

خداداد : احوالِ دل بیان کروں کس کے روبرو
جب سے کہ مر گئی ہے مری بی‌بی آرزو
لڑکی کے غم سے خاک اڑاتا تھا کوبکو
اس شہر ہی میں مل گئی یہ لڑکی نیک خو
ہوں شاہزادہ ، کہتے خجستانی خاص و عام
ہوں بندۂ خدا ، ہے خداداد میرا نام

[آرزو کا بیہوش ہو زمیں پر گرنا ، خداداد کا حیراں ہو کہنا]

خداداد : سنتے ہی حال میرا یہ بی‌بی کو کیا ہوا
بیہوش کیوں یہ ہوگئی حیراں ہوں یا خدا
لائے بلا حکیم کو جلدی سے کوئی جا
پہچانے آ کے کون سا ہے اس کو عارضا
بیشک علاج کرنے سے یہ پائے گی شفا

[جانا ایک وزیر کا]

خداداد : (آرزو کو بغور دیکھ کر)[2]

---

۱ ۔ اضافۂ مرتّب ۔ وقار
۲ ۔ اضافۂ مرتّب ۔ وقار

اے کامدیں ! بغور یہ بی بی کو دیکھ تو
ہیں سب نشانیاں مرے دلبر کی ہو بہو

توبہ میں کیا کہا وہ تو دریا میں مر گئی
افسوس آرزو مری ، افسوس آرزو !

[وزیر کا حکیم کو لے آنا]

حکیم : کیوں بابا خیر تو ہے ؟ مجھے کس لیے یاد فرمایا ؟

خداداد : حکیم صاحب ! یہ جائے غور ہے ، اس بی بی کو دیکھیے کیا طور ہے - سنیے ، میں ابھی مرحوم بی بی آرزو کو یاد کرتے ہی ، یہ عورت بے ہوش کیوں ہو گئی ؟

حکیم : بابا ! کیا آرزو تمھاری بی بی ہے ؟

خداداد : افسوس ! آرزو تونے عین جوانی میں مر گئی ، کوہِ غم ناتواں کے سر پہ دھر گئی -

حکیم : اے بابا ! نہ گھبراؤ میں ابھی تمھاری دلبر آرزو سے ملاتا ہوں ، بشرطیکہ تم خجستانی خداداد ہو ، بھلا دیکھو تو یہ خط کس کا ہے -

[خداداد کا خط کھول کے پڑھنا ، حکیم جی کا آرزو کو دوا سنگھا کے اٹھانا ، خداداد کا آرزو کو پہچان کے لپٹ جانا]

خداداد : آرزو ! آرزو ! خداوند تعالیٰ تیری زندگی باقی رکھا

تھا، نہیں تو قیامت پر ملاقات موقوف تھی ۔ اے آون !
یہ تیری مادر آرزو ہے ۔

[آون کا لپٹ جانا آرزو سے]

آرزو : خدایا ! عجب ہے تیری خدائی
یہ چرخِ پیر ڈالا تھا جدائی

دوبارہ کرکے زندہ تو نے یا رب
مجھے شوہر سے اپنے ہے ملائی

سب : گانا[۳]

الطافِ خدائے عالم سے ، یہ تماشا ہیں آباد رہیں

مرادیں دل کی پائیں ہم
دور ہو سب رنج و غم

صبح و مسا شاد و خرّم
یہ تماشائیں آباد رہیں

پھر تماشا آئے یہاں
لطف و کرم سے اے مہرباں

تمھارا ہر دم پیر جواں
سر پہ ہمارے ہے احسان

ہے یہ ہمارے وردِ زباں
تماشائیں آباد رہیں

۳ ۔ طرز : سب جگ میں مشہور ہوگی جی ممتا رانی ۔

یہی ہے شعرا سے مدعا
زمین کہاں آسمان لحا

ظریف گرچہ ہے بدنام
نیک ہوا آغاز انجام

کھیل خداداد ہوا تمام
تماشا اس آباد رہیں